

ناشر

راجہ رام کمار پریس وارث نولکشور پریس بکڈپو لکھنؤ

بہ عون صانع بے چون و مکان و فضل خالق زمین و زمان

قصہ شیریں زبان داستان رنگین بیان تصنیف جامع الکمالات مرزا رجب علی بیگ سرور یعنی

افسوں ہے فسانہ قصہ خوانوں سے سننا
جادو ہے بیان خوش بیانوں سے سننا

فسانۂ عجائب

باتصویر اب چھپا ہے بموجب
آنکھوں سے بھی دیکھو اب جو کانوں سے سنا

حرف بحرف نظرثانی یافتہ نصف آخر مصنف مسبوق التوصیف باہتمام سزاوار تحسین و تعریف
(راجہ) رام کمار ریس وارث
مطبع نامی منشی نولکشور واقع لکھنؤ [illegible] طبع شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق من الماء بشرًا فجعلہ نسبًا وصہرًا وکان ربک قدیرًا اور اور
حمد و ثنا خالق ارض و سما جل و علی صانع بیچون و چرا ہے جسنے رنگ بے ثباتی سے باین نگارنگی
تختۂ چمن دنیا پر از لالہ و گل و جز و کل بنایا اور باوجود ترس باغبان و بیم صیاد و لوٹ رخ گل و بلبل کو دیکر
دام محبت میں پھنسایا اور عاشق باوفا و معشوق پر دغا کو ایک آب و گل سے خمیر کرکے پردۂ غیب سے بعرصۂ شہود
لایا ایک خلقت سے دو طرح کا جلوہ دکھایا اور انسان ضعیف البنیان کو اشرف المخلوقات فرمایا جلوۂ حسن
بتان بخدا شیفتگی کا بہانہ ہے نالۂ بلبل شیدا گوش گل رعنا کا ترانہ ہے اسکی نیرنگیوں کے مشہور فسانے
ہیں ہم اسکی قدرت کاملہ کے دیوانے ہیں صفت اسکی محال ہے زبان اس تقریر سے لال ہے جس کی
شان میں مخبر صادق یہ فرمائے دوسرا اس عہدے سے کب برآئے ما عرفناک حق معرفتک

نعت سرور کائنات محبوب خدا برگزیدۂ انبیا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

بعد حمد خالق جن و بشر حاکم قضا و قدر مبدا شام طالع سحر نعت سید کائنات خلاصۂ موجودات
بہترین عالم برگزیدۂ نوع بنی آدم کی ہے جسکے چراغ ہدایت کی روشنی سحر تیرہ بخت گم گشتہ کوچۂ
ضلالت راہ راست پر آئے بتوفیق رفیق اور مدارج تحقیق کیا کیا مرتبہ بلند پائے اور منحرف کور باطنوں
کو فہم ناقص کی کجی اور زعم فاسد نے کیسے روز سیہ دکھائے اسکے حق میں یہ حکم آیا ہے بچشم غور دیکھو

شاہانِ والا تبار جم شوکت فریدون فر سلیمان اقتدار کشور گیر ملک ستان خدیو کیہان ابو المظفر معز الدین
شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و ایدہ اللہ بالنصر و الظفر جل جلالہ
اگر معرکۂ رزم یا صحبتِ بزم اسکی انشا کروں صفحۂ دنیا پر نہ لکھ سکوں دم رزم رستم و سام و نریمان شل ترنال
لرزاں اور وقت سخا اور عطائے زر و مال حاتم کے ہاتھ میں کاسۂ سوال بزم و طرب میں زہرہ و مشتری سرگرم
نغمہ پردازی و عربدہ سازی ہنگام عتاب و خشم مریخ مستعد جلادی و بیدادی یہ ادنی عنایت ہے
بیت چناں بموسم سرما دو شالہا بخشید ٭ کہ گرم ہمہ بنگالہ سرد شد کشمیر ٭ بسکہ سحاب بخشش اس بحر عطا
کا روز و شب مزرعۂ کہ و مہ پر بارش رکھتا ہے شہر میں سالہا کان مشتاق سائل کی صدا کا
اور دیدہ ندیدہ صورت گدا کا عدل یہ کہ ہاتھی چیونٹی سے ڈرتا ہے شیر بکری کی اطاعت کا دم
بھرتا ہے بچشم اس کے عہد دولت میں ہزاروں نے دیکھا بکری شیر کے بچے کو دودھ پلاتی تھی
کنار میں شفقت سے سلاتی تھی باز تیز پرواز بچۂ کنجشک کا دمساز اور نگہبان بلی کی عادت جبلی
یہ کہ کبوتر سے ہراساں دونوں دل اندوہناک و زن ہر خانہ سے مسدود شحنۂ والا رخنہ بندی فساد
کو موجود اللہ تعالی اس اُمیدگاہ عالم و عالمیان کو اپنے حفظ و اماں میں سلامت رکھے دولت
خواہ اس والا جاہ کے بعیش و شادی مدام اور دشمن روسیاہ برنج نامرادی گرفتار آلام رہیں
بحق رب ذوالمنن بتصدق پنجتن

بیان مؤلف دربارۂ لکھنؤ و ذکر صنعت مردمان خجستہ و تذکرہ ہر صاحب علم و اہل کمال علی قدر حال و شہرت مکانات شہر

یہ ہیچمداں محرر داستان مقلد گذشتگان سراپا قصور رجب علی بیگ تخلص سرور متوطن
حال خطۂ بینظیر دلپذیر رشک گلشن جناں مسکن حور و غلماں جائے مردم خیز باشندے یہاں کے ذکی فہیم
عقل کے تیز اگر دیدۂ انصاف و نظر غور سے اس شہر کو دیکھے تو جہاں کی دید کی حسرت نہ رہے آنکھ
بند کرے شعر سنا رضوان بھی جس کا خوشہ چین ہے ٭ وہ بیشک لکھنؤ کی سرزمین ہے ٭ سبحان اللہ
وبحمدہ عجب شہر گلزار ہے ہر گلی کوچہ دلچسپ باغ و بہار ہے ہر شخص اپنے طور پر با وضع قطعدار ہے
دورویہ بازار کس انداز کا ہے ہر دوکان میں سرمایہ ناز و نیاز کا ہے ہر چند ہر محلے میں جہاں کا
ساز و سامان مہیا ہے پر اکبری دروازے سے علوخانے اور رکیب پل تک کیا صراط مستقیم ہے جلسہ کیا ہے

نان بائی خوش سلیقہ شیرمال کباب نان نہاری جہان کی نعمت اس آبداری کیساتھ جسکی بو باس سے
دل طاقت پائے دماغ معطر ہوجائے فرشتہ گذرے تو سونگھے کیسا ہی سیر ہو فرانہ دیر ہو دیکھے
سے بھوک لگ آئے وہ سُرخ سُرخ پیاز سے نہاری کا بگھار سُریلی جھنکار شیرمال شنگرف کے رنگ کی
خستہ بھربھری ایک بار کھائے نان نعمت کا مزہ پائے تمام عمر ہونٹ چاٹتا رہے ہمارے کباب اس آب و تاب
کے کہ مرغ و ماہی کا دل سیخ آہ پر حسرت محرومی سے کباب اورک کا لچھا میاں خیراللہ کی دوکان
کا بال سے باریک کترا ہاضم نایاب حسینی کے حلوا سوہن پر عجیب جوبن اُس کی شیرینی کی گفتگو
میں لب بند جہاں کو پسند پپڑی دبیز بسی بسائی لذیذ ہونٹ سے کھائے دانت کا اُسپر تمام عمر
دانت رہے دانت لگانے کی نوبت نہ آئے جوزی خوب حبشی اہل ہند کو مرغوب دو دھیا شیرخوارہ
نوش کرجائے ہر کنجڑن کی وہ تیکھی چتون آدمی صورت دیکھتا رہے رعب حُسن سے بات
نہ کرسکے سِن کرنین پریزاد سرو قامت رشک شمشاد دوکانوں میں انواع و اقسام کے میوے
قرینے سے چنے روز مرے محاورے اُنکے دیکھے نہ سُنے کبھی کوئی پکار اٹھی میاں ٹکے کو ڈھیر لگا
دیا ہے کوئی موزوں طبیعت یہ فقرہ سناتی مزہ انگور کا ہے رنگتروں میں کسی طرف یہ صدا آتی ہے
گنڈیریاں ہیں پونڈے کی ایک طرف تنبولن سرخروئی سے یہ رمز کنایہ کرتے بولی ٹھولی میں
چباچبا کر ہر دم یہ دم بھرتے مسّی کا منھ کالا ہو باگرد کر ڈالا عبیر ہے نہ گلال ہے کتھے چونے سے
اڈھی میں مکھڑا لال ہے. گلیوں میں گجردم یہ آواز آتی ہے شیرمال ہے گھی اور دودھ کی مفلس
کا دل اچاٹ ہے ٹکوں کی چاٹ ہے. کدھر لینے والے ہیں نمش کی قفلیاں اور کھیر کے پیالے
ہیں. کیا خوب بھنے بھربھرے ہیں چنے. پربل اور مُرمُرے ہیں جیٹھ بیساکھ کی وہ گرمی جسمیں چیل
انڈا چھوڑتی ہے دو پیسے کی برف کی قفلی جمی دو کھائے بدن تھرتھرائے زیادہ ہو کا کھپے لقوے
و فالج میں مرے سیر چوک ہمیشہ شانے سے شانہ چھلا نسیم و صبا کو سیدھا رستہ نہ ملا شیخ گولی کی
مٹھائی جس نے کھائی جہاں کی شیرینی سے دل کھٹا ہوا انار رس کا کھجلا بھولا متھرا کے پیڑے
کا ٹھٹھا ہوا برفی کی نفاست بو باس در در این نقرئی ورق کا جوبن کسی اور شہر کا رکابدار اگر
دیکھ پائے یا ذائقہ لب پر آئے زندگی تلخ ہو ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے امرتی مسلسل کا ہر پیچ
ذائقہ کو پیچ و تاب دیتا یا قوتی مفرح کا مزہ جب منھ میں رکھا اصل تو یہ ہے عسل مصفی جنت کی

نہر کا حلق سے اُترا ابراچیون کی گلی کی کھجور لذت ٹپکتی ذائقے میں چو رہبتر از انگور نہایت آب و تاب ہم خرما و ہم ثواب بالائی نورا کی دوکان پر جب نظر آئی بے قند و شکر شکر گزار علی نور کہکر چھری سے کاٹ کر کھائی مدار پیٹے حقے وہ ایجاد ہوئے کسگر ایسے استاد ہوئے کہ جب تڑاقا انکا سنا پیچوان کا دم بند ہوا پچھانا کا تمباکو مشک و عنبر کی خوشبو جس نے ایک گھونٹ کھینچا اسی کا دم بھرنے لگا علی الخصوص مرد تماش بین کے واسطے یہ شہر خراد ہے یہاں ہر فن کا اُستاد ہے سیکڑوں گھامڑ بدشکل کندہ ناتراش اطراف و جوانب سے آ ہفتہ عشرے میں چھل چھلا وضع دار ہو گئے جب ابو تراب خان کے کٹڑے میں جا میاں خیراتی سے کسی کی خیرات میں خط بنوایا بارہ برس کے سِن کا گالوں سے مزہ آیا چار پہر کھونٹی ٹوٹی پتہ نہ پایا کاتب قدرت کا لکھا مٹاتا ہے ایسا خط بناتا ہے سید حسین خاں کے دروازے پر عبداللہ عطر فروش کی دوکان جائے نشست ہر وضعدار جوان ہے دو پیسے میں بیلے چمبیلی کا تیل ریل پیل فتنہ برپا کرنے والا ایسا ملا کہ سہاگ کا عطر گرد ہوا جو پھویے سے دل تر ہوا عطر کی روئی رکھی کان میں پھر جا بیٹھا کسی افیونی کی دوکان میں سفید سفید چینی کی پیالیاں خوبصورت رنگتیں نرالیاں افیون فیض آبادی لائے کی وہ رنگین جس نے تریاک مصر کے نشے کرکرے کیے زیادہ پی جانے والے کو جان کے لالے ہوئے ایسے متوالے ہوئے جھگڑا بادہ ارغوانی و زعفرانی کا بیدا تبدیل ذائقہ کو فرنی کے خوانچے نقرئی ورق جمے پستے کی ہوائی چھڑکی ہوئی مہیا چسکی پی ایک دم کے بعد دم حقہ کا کھینچا آنکھوں میں سرور موجود ہوا وہاں سے بڑھا کان میں آواز آئی بیلے کے ہار ہیں شوقین البیلے کو پہن لے چلا جا فرنگی محل کے میلے کو جب سج بنی بگڑا بانکوں کے بل چلا یہ بھولا کہ وطن کی چال ڈھال راہ رسم بھولا اکثر باہر سے آیا دھج بنا جو بنور کے قاضی ہونے کو مفتی ہیں راضی ہو گئے برسات کا اگر موسم ہے شہر کا یہ عالم ہے ادھر مینھ برسا پانی جا بجا بہہ گیا گلی کوچہ صاف رہ گیا ساون بھادوں میں زرد و زری جوتا پہن کر پھریے کیچڑ تو کیا مٹی نہ بھرے فصل بہار کی صنعت پروردگار کی قدرت رضوان جس کا شایق دیکھنے کے لایق روز عیش باغ میں تماشہ کا میلہ ہر وقت چمن کا جلسہ موتی جھیل کا پانی چشمۂ زندگانی کی آب و تاب دکھاتا پیاسوں کا دل لہراتا سڑک کے درختوں کی فضا جدا کھجوا موجیں مارتا ہار سنگار کے جنگل میں لوگوں کا جمگھٹا زنگار رنگ کی پوشاک آپس کی جھانک تاک تختۂ لالہ و نافرمان جنیر

قربان بندہ ہائے خاص کی سبکروی خرام ناز ہر قدم پر کبک دری چال بھولکر جبین نیاز رگڑتی شاخ سرو اُنکے روبرو نہ اکڑتی شایق ہزار در ہزار شمع پر پروانوں کا عالم غول کے غول ہاں آم کے درختوں میں ٹپکا لگا خاص جھولا وہیں پڑا جھولنے والوں پر دل ٹپکا پڑتا محبت کے پینگ بڑھتے دیکھنے والے درود پڑھتے باغ میں کوئل پپیہے مور کا شور جھولے پر گھٹا رہی وہ بھی گھنگھور ساون بھادوں کے جھالے وہ رنگین جھولنے والے دشت غربت میں یہ جلسہ جو یاد آجاتا ہے دل پاش پاش ہوجاتا ہے کلیجہ منھ کو آتا ہے نہ کہ کانپور کی برسات ہیہات ہیہات دخل کیا دروازے سے باہر قدم دھرے اور پھسل نہ پڑے گلی میں پانوں رکھا کیچڑ کا چھپکا سر پہ پہونچا دو اس فصل میں ہاہم نہ دیکھے مگر چھلے کے پھنسے اور جنھیں سواری کا مقدور نہیں دخل کیا جو وہ جائیں کہیں اُنکے حق میں برسات حوالات گھر جیلخانہ نہ کہیں جانا نہ آنا اگر خواب میں کہیں نکل گئے تو چونک پڑے کہ پھسل گئے اور جو بازاری کاروباری ہیں اُنکا یہ نقشہ دیکھا ہاتھ میں جوتیاں پائیجامہ چڑھا کیچڑ میں لت پت یہاں گرے وہاں گرے خدا خدا کر جیتے گھر پھرے اور جو شیخی کے مارے ننگے پاؤں نہ نکلے تو شعر دیکھی ہے

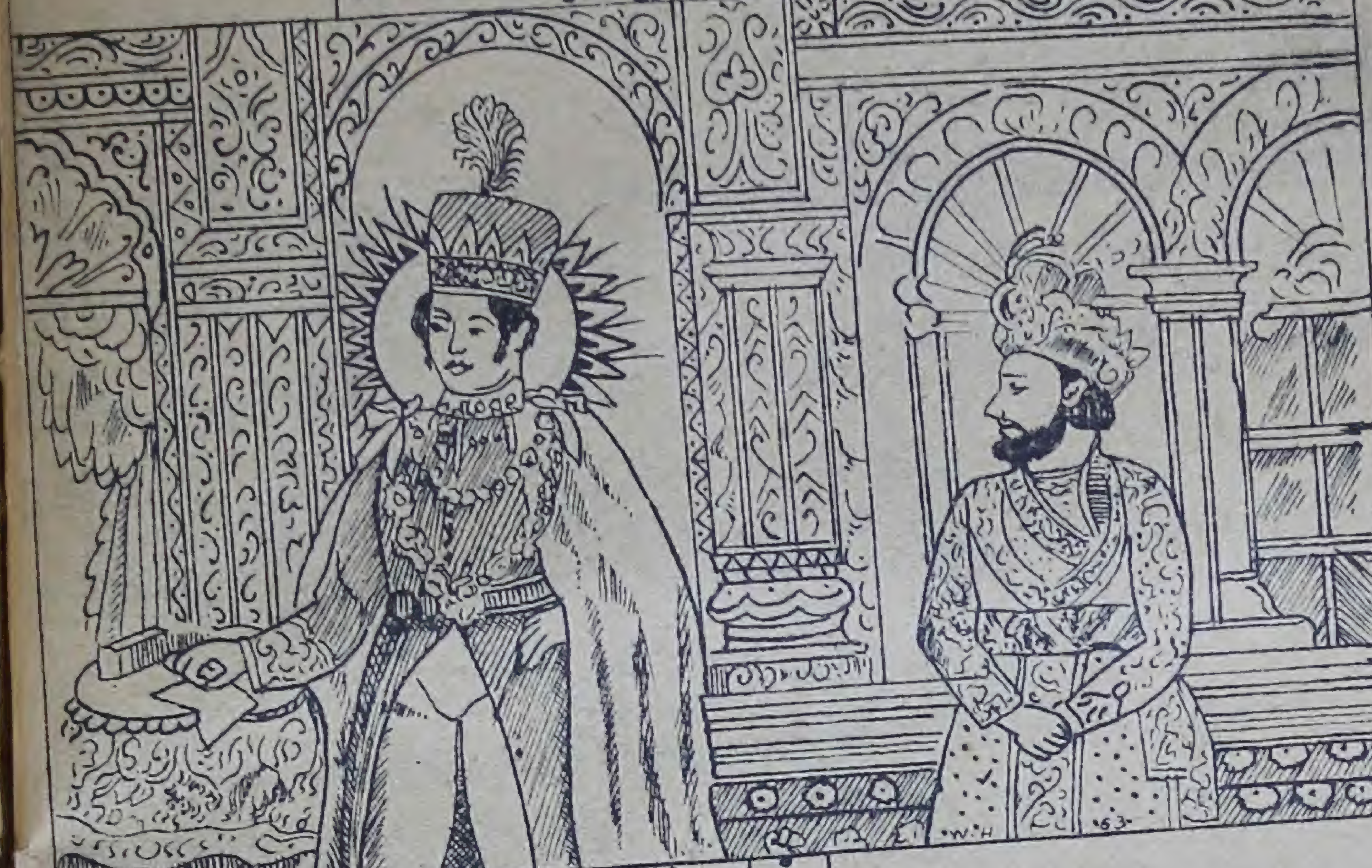
یہ رسم اس نگر میں ؎ جوتا ہے گلی میں آپ گھر میں ؎ پھر بر سر مطلب آیا خاص بازار کہ شہر سے خوش قطع ہے اسکے نقشے سے مانی و بہزاد نے خار کھایا شبیہ کشی تو کیا خاکہ خاک نہ کھینچا ہاتھ ٹھہرایا کوٹھیاں فرح بخش و دلکشا برج ہر ایک جہاں نما سلطان منزل اور استری منجن نشاط افزا تو بہشکن انسان کو دیکھ کر سکتہ ہو جائے کام اُن کا وہم و قیاس میں نہ آئے سر راہ کہ بارہ دری جواہر جڑی ہے پری کی صورت قریب نہر جاری تکلف کی تیاری پائیں باغ اُس کا جس نے دیکھا باغ ارم سمجھا سوسن صفت ہزاروں باتیں ہم پہونچیں تعریف نہ کر سکا گونگے کا سپنا ہوا رومی دروازہ اس رفعت و شان کا ہے گذرگاہ ایک جہان کا ہے اگر اُس پر چڑھ جائے بام فلک پست معلوم ہو فرشتوں کا مشورہ کان میں آئے سپہر اولیں اس کی زمین ہے شش جہت میں دوسرا نہیں ہے مسجد انتخاب ہے امام باڑہ لاجواب ہے مقبرے عالیشان وہ نادر مکان کہ فلک بدیدۂ انجم نگراں ہے اُنکے نظیر کی جستجو میں مشعل مہ و خورشید روز و شب روشن کیے کو بکو سرگرداں ہے اگر پاؤں پھیلانے کی جگہ نہیں ہاتھ آئے سر دست مرجانے کو جی چاہے گومتی کے انداز سے نہر کی کیفیت نظر آتی ہے طبیعت لہراتی ہے دولو یہ آبادی عمارت کہیں اسے کسی جا باغ ہے صبح و شام وہ بہار نظر آتی ہے کہ

شام اودھ اور بنارس کی سحر بھول جاتی ہے شہر نفیس مجمع رئیس ہر فن کا کامل یہاں حاضر ہے
خوشنویس حافظ ابراہیم صاحب سا اس قطع کا قطعہ لکھا جو میر علی یا آغا جیتے ہوتے اپنے لکھے کو
روتے اشک حسرت سے وصلیاں دھوتے مرزائی صاحب کا یہ حال تھا کہ کوئی پرچہ اُن کا
انکی نظر پڑجاتا نیریز نیریز بریز بریز کہتا یاقوت رقم ہیرا کھاتا مرثیہ خوان جناب میر علی صاحب نے
وہ طرز نو مرثیہ خوانی کا ایجاد کیا کہ چرخ کہن نے مسلم الثبوت استاد کیا علم موسیقی میں یہ کمال بہم
پہونچایا اس طرح کا دھرپت خیال پٹہ گایا اور بتایا کہ کبھی کسی نائک کے وہم و خیال میں آیا تھا
ایک رنگین احاطہ کھینچا ہے جو اسمیں آیا پھولا پھلا وہ اُن کا پیرو ہوا اور جس نے ڈھنگ جدا
کیا وہ ٹکسال باہر بدرنگ ہوا اگر تان سین جیتا ہوتا اُنکے نام پر کان پکڑتا بھیک نگ کھاتا مگر
نہ گاتا ہزاروں شاگرد جگت اُستاد ہوا مولوی سب میں پری زاد ہوا امیر و رئیس حسین علیخاں
بلبل ہزار داستاں خوش الحان مرثیہ گو بے نظیر میاں دلگیر صاحب باطن نیک ضمیر خلیق فصیح مرد مسکین
مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا اللہ کے کرم سے ناظم خوب دبیر مرغوب سکندر طالع بصورت گدا
بار احسان اہل دول کا نہ اٹھایا عرصہ قلیل میں مرثیہ سلام کا دیوان کثیر فرمایا طبیب ہر ایک مسیحائی
کرتا ہے قم باذنی کا دم بھرتا ہے جسے دیکھا بقراط سقراط جالینوس زماں ہے اس معنی میں یہ خطہ رشک
زمین یونان ہے میرک خانصاحب پرینے کے فن سے ایسے آشنا ہوئے کہ مردم بحر و بر سرگرم ثنا ہوئے شاعر زبان
دان ایسے کہ عرفی اور خاقانی کی غلطی بتائی فردوسی و انوری کی یاد بھلائی شیخ امام بخش ناسخ نے
یہ ہندی کی چندی کی اور روزمرے کو فصیح و بلیغ کیا کہ کلام سابقین منسوخ ہوا فصحائے شیراز و صفاہان
اس سیف زبان کا لوہا مان گئے اپنے قبح پر منفعل ہوئے اس زبان کا حسن جان گئے زمین شعر کو آسمان تک
پہونچایا سیکڑوں کو استاد بنایا خواجہ حیدر علی آتش کی آتش بیانی شرر افشانی سے دل جلوں کے
سینے میں سوز و گداز ہے مرد قانع شاعر ممتاز ہے فرنگی محل کا حال کیا لکھوں کہاں زبان دوست کا یارا
جو شمہ لکھتا مولوی فاضل عدیم المثال ہر شخص جمیع علوم کا استاد کتب درسی ابتدا سے انتہا تک
یاد منقول و معقول میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا ریاضی کے ریاض سے آسمان کو زمین کر دیا مولوی
انوار کا پرتو فیض جہاں میں روشن مولوی مبین دوربین سراج انجمن مولوی ظہور اللہ سبحان اللہ ایسے
فقیہ محقق کہاں ہوتے ہیں یہی لوگ نادر الزماں ہوتے ہیں ادھر رکن دین بلا کد میر سید محمد مجتہد

خوف سے یہ مذکور مختصر کیا اگر زیادہ لکھتا۔ قصہ ہوتا کوتاہ بیں لکھنؤ کے نام سے چڑھ جاتے ہیں رشک
کھاتے ہیں افترا پردازی کرتے ہیں جل مرتے ہیں اچھے آغاز کا انجام بخیر ہوتا ہے اللہ تعالی مشقت
کسی کی بیکار نہیں کھوتا ہے یہ فسانہ بعہد دولت شاہ غازی الدین حیدر شروع ہوا تھا و تمام بعہد
سلطان بن سلطان ابو النصر نصیر الدین حیدر دام ملکہ ہوا اللہ یہ عجب شاہ جمجاہ اریکہ نشین ہوا
کہ حاتم کا نام صفحۂ سخا سے مثل حرف غلط مٹا دیا فقیروں کو امیر بنا دیا عیش و نشاط کی طرف طبیعت
جو آئی ایک ایک ادنی کنجڑن ہفت ہزاریوں سے اعلیٰ بنائی محمد شاہ کی گور بھرائی شہزادیوں کو
کہاریوں پر رشک آیا خواصوں کو صاحب نوبت کیا چنڈول سکھپال میں چڑھایا ہزار بارہ سو جلسے
والی حور وش برق کردار کبک رفتار نغز گفتار از پا تا فرق دریائے جواہر میں غرق دست بستہ روبرو کھڑی رہی
جہاں کی نعمت انکے سامنے پڑی رہی اصیلوں کو کروڑوں روپیے دیئے بیش خدمتوں نے بادشاہت کے
چین کیے قدسیہ محل پر جو طبیعت آئی معًا رفعت شان فلک ہفتم پر پہونچائی کئی کروڑ روپیے اس منظور نظر
نے صرف کیے خزانے خالی کر محتاجوں کے گھر بھر دیئے ہر وقت راجہ اندر کا جلسہ ہا نہروں میں عطر بہا
مکان اس طرح کے بنوائے کہ فلک گردان نے صدقے ہو کر چکر کھائے اندر اسن گلشن ارم کا ایسا باغ
اور اس طرح کی کوٹھی چشم گوش عالم نے دیکھی نہ سنی دوازدہ امام کی درگاہ ایسی بنائی کہ چرخ گردان کو
خواب میں نظر نہ آئی اندر اسن میں عطر کا حوض چھلکتا رہا تمام شہر مہکتا رہا مغلانیوں نے گوٹے کناری
کی کترنوں سے چاندی سونے کے محل اٹھائے خاصے والیوں نے لونگ لائچی زعفران کے اپنے
گھروں میں خاصے ڈھیر لگائے مکا خیاط مال دنیا سے مالا مال ہے استغنا کا دم بھرتا ہے سینا تو کیا
ٹانکا کم بھرتا ہے بجز غم حسینؑ شہریار کو اندوہ و غم نہیں کون ہے جو اس زمانہ میں شاد و خرم نہیں
اربعین تک عزاداری ہوتی ہے خلق خدا ماتم حسین میں روتی ہے لاکھوں روپیہ اس راہ میں
صرف ہوتا ہے چالیس شب نہیں سوتا ہے تخم عمل نیک مزرعۂ آخرت میں بوتا ہے روز تولد ہر امام
و شب وفات جگر بندان خیر الانام لاکھ لاکھ روپیہ کا صرف ہے اسکی ہمت کے آگے فیاضان گذشتہ
پر حرف ہے حسن صورت و شوکت و حشمت جاہ و ثروت جتنی دنیا کی خوبیاں ہیں اللہ نے سب
دی ہیں ہر شب [illegible] و روز عیدین کی ہیں سیر دریا کی دفعتًا جو لہر آئی گنگا سے نہر منگائی
خوشہ چین خرمن اقبال کارندے مالا مال ہو گئے بس کہ مؤلف اختصار رقم ہے جتنا اس سے کے

صفت میں لکھئے بہت کم ہے لہذا اس غزل پر اختتام کیا یہ جملہ تمام کیا

تصویر نصیر الدین حیدر بادشاہ



غزل

تا ابد قائم رہے فرمان روائے لکھنؤ
یہ نصیر الدین حیدر بادشائے لکھنؤ

گو ملے جنت بھی رہنے کو بجائے لکھنؤ
چونک اٹھتا ہوں میں ہر دم کہہ کے ہائے لکھنؤ

رشک کھا کھا گو فلک مجھ سے چھڑائے لکھنؤ
تب میں جانوں دل سے جب تیرے بھلائے لکھنؤ

ہاتھ [illegible] پھرائے لکھنؤ
پھرتے ہیں آنکھوں میں ہر دم کوچہ ہائے لکھنؤ

یہ فلک پھر [illegible] میں یا ہوا یہ انقلاب
جام جم پر تف نہیں کرتے گدائے لکھنؤ

انکی استغنا سے کیا کیا آرزو کرتی ہے رشک
یاد آجائیں جو وہ نغمہ سرائے لکھنؤ

کیوں گماں زاغ و بلبل کے ترانے پر نہ ہو
چھوڑتے جیتا نہیں معجز نمائے لکھنؤ

ہر محلے سے بجا ناجی ہے عیسیٰ کو محال
ہے سلیماں ان دنوں فرماں روائے لکھنؤ

جن و انس و وحش و طائر کیوں نہ سب محکوم ہوں
دل سے اڑتی ہے کہ دل پہ ہوائے لکھنؤ

دشت غربت میں کیا برباد وحشت نے تو کیا
میں کہیں ہوں مانگتا ہوں [illegible]

یہ رہے آباد یا رب تا بہ دور مشتری

اصفہاں اُس نے کیے ہیں کوچہ ہائے لکھنؤ	بُلبلِ شیراز کو ہے رشکِ ناسخ کا سرور

الٰہی بحرمت سیّد ابرار احمد مختار و بہ تصدق ائمۂ اطہار لکھنؤ کو آباد رکھ والیِ ملک کو یہاں کے
کارفرما رعیت پرور مسند حکومت پر دلشاد رکھ جب تک گنگا جمنا میں پانی رہے یہ خطہ
دلچسپ فرح افزا آباد رہے فردوسِ الٰہی لکھنؤ بستا رہے دورِ قیامت تک ؛ سرور دشت پیما کا کبھی وہ
شہر سکن تھا اور مقلدی میں یہاں کے لوگ صاحبِ کمال ہیں باریک بین دقیقہ رس و فہم نازک
خیال ہیں یہ عجب ان صاحبوں کا دیکھا ہے مقلدی میں موجد سے بہتر ہو جاتے انھیں کو دیکھا ہے
اس شہر میں کئی مطبع سنگی ہیں نمونۂ نیرنگی ہیں لیکن ایک ہمارے عنایت فرما ہیں جناب میر حسن
صاحب صاحبِ حسن و جمال جوانِ خوشرو صاحبِ باطن حمیدہ خصال حسنِ خلق انکا خلق میں شہرہ ہے
عجب و نخوت انکے نزدیک سے دور ہے موسمِ شباب ہے چہرے پر جوانی کی آب و تاب ہے بیت
ابرو کا گل شکبو صفحۂ رخسار گل بیجار از سراپا ہر شے دیوان وجاہت میں انتخاب ہے محمود نگر
میں اُن کا چھاپہ خانہ جدید ہے عیاذاً باللہ پھولا گلشن بیخزاں ہے کہ دیدہ نہ شنیدہ ہے عقل دنگ ہے
کارخانہ کیا ہے تختۂ ارژنگ ہے ایک سمت خوشنویس ثانی آغا و میر صفت قلم اکطرف فاضل صاحب درس
و تدریس ہر ایک بےنظیر شیر و شکر کی طرح باہم ایک جا ولایتی کل جسے دیکھ کر جی بیکل ہو گیا ہے کیسا ہی جوان
قوی ہیکل ہو اگر چاہے پہاڑ اٹھائے مگر ایک کاپی میں ہاتھ کانپے کا کیا دخل ہے جو بے دریافت دس ورقے
نکالے اسکی ہر کمانی کو اگر کارسانی کہوں بدگمانی ہے بہزاد کی عقل کو حیرانی ہے پرنے پرنے پر جلا ہے جو
صفحہ ہے ید سحر کا ڈھلا ہے کہیں پتھر صاف صاف شفاف جنکے سنگ کا فرسنگوں نظر نہ آئے مردم دیدہ
اگر اسکی صفا کو نظر بند کریں آنکھ پھسل جائے ہر پتھر ہمسنگ کوہ طور ہے کسی پر جلی لکھا کوئی قلم خوسے
مسطور ہے کاریگر ہر ایک سرگرم فرمانروائی ہے کتب کہن از سرِ نو زندہ ہوتی ہیں ثبوت اعجاز مسیحائی ہے
سبکدست چست و چالاک استاد ہیں طبع بلند اُن کا مطبع دلپسند اپنے کام میں ذی استعداد ہیں
بے لن ترانی کہتا ہوں نئی تشبیہ ہاتھ آئی ہے بیلن کی سیاہی میں صاف کیفیت و تنائی ہے فریم
ہر ایک مرقع کی تصویر ہے لکھا مٹتا نہیں گویا خط تقدیر ہے الٰہی جب تک فلک کی کل چلتی رہے
اور خانہ چرخ زنگاری رہے یہ کارفرما سلامت رہے کارخانہ جاری رہے بندہ کمترین تلامذہ
اور خوشہ چین خرمن سخن جناب قبلہ کعبہ استاد شاگرد نواز معزز و ممتاز مجمع فضل و کمال نیکرت

فرخندہ خصال خرد آگاہ دانش آموز و یادگار جناب میر سوز عرفی عصر سعدی زمان رشک انوری و خاقانی نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خاقانی تخلص نوازش کا ہے حقیقت حال یہ مقام ہے طرز ریختہ اور روزمرہ اردو کا ان پر اختتام ہے شعر ان کے واسطے وہ شعر کی خاطر موضوع ہیں کہنے کے علاوہ پڑھنے کا یہ رنگ ڈھنگ ہے اگر طفل مکتب کا شعر زبان معجز بیان سے ارشاد کریں فیض وہاں تاثیر بیان سے پسند طبع سحبان وائل ہوئی زمانا تو کیا سابقین جو موجد کلام کوس لمن الملکی بجاتے تھے انکے دیوانوں میں دس پانچ شعر تناسب لفظی یا صنایع بدایع کے ہونگے وہ ان پر نازاں تھے اور متاخرین فخریہ سند گردانتے ہیں لہذا جس شخص کو فہم کامل یا اس فن میں مرتبہ کمال حاصل ہو اور طبع بھی عالی ہو آپ کا دیوان بچشم انصاف و نظر غور سے دیکھے کوئی غزل نہو گی جو ان کیفیتوں سے خالی ہو ہر مصرع گواہ ہزار صنعت ہر شعر شاہد لاکھ صفت مطلع سے مقطع تک ہر غزل مرقع کی صورت اکثر اشعار آپ کے تبرکاً و تیمناً بطریق یادگار بندے نے لکھے ہیں جہاں لفظ استاد ہے وہ آپ کا شعر ہے

باعث تحریر اجزائے پریشان و سرگذشت مجمع دوستان مکلف ہونا محبوب کا بیان داستان مرغوب کا

حسب اتفاق ایک روز مع چند دوست صادق و محبان صفا کیش و موافق باہم بیٹھا تھا مگر نیرنگی زمانہ ناہنجار و کجروی فلک سفلہ پرور دوں نواز جفا شعار سے سب دل حزین و زار اور ہجوم اندوہ و یاس سے اور کثرت حرمان و افکار سے کہ ہر دم یہ پاس تھے دل گرفتہ سینہ ریش اور اداس تھے انھوں نے کہا شعبدہ بازی چرخ مکار از آدم تا ایندم یوں ہی چلی آئی ہے اور تفرقہ پردازی اسکی سوا رنج و محن زیادہ مشہور ہے یہ اور برائی ہے اب یہی غنیمت جانیے اور لازم ہے کہ اس کا بھی احسان مانیے کہ تم ہم اس دم باہم تو بیٹھے ہیں **استاد** جو ہم تم پاس بیٹھے ہیں سنو یہ دم غنیمت ہے :: یہ ملنا ہو نہ ہو پھر تو کیا کم غنیمت ہے اور واقعی ہے اگر شدت رنج و الم میں دوست صادق یار موافق ہمنشیں ہو تو الم خیال میں نہیں آتا ہے اور صحبت غیر جنس میں اگر تخت سلطنت میسر آئے تو تختۂ تابوت کی طرح کاٹے کھاتا ہے **سعدی**
پائے در زنجیر پیش دوستاں :: بہ کہ با بیگانگان در بوستاں :: لیکن زمانہ کی عادت یہی ہے کہ باوجود کثرت غم و شدت اندوہ و الم دو شخص کو باہم نہیں دیکھ سکتا **مرزا** پھینکے ہے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ بیٹھ کر اک دم کہیں ہو ویں جو ہم کلام دو :: جب سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا اس زمرے میں ایک آشنائے

باصفا پرمزہ بندے کے تھے انھوں نے فرمایا اسوقت کوئی قصہ یا کہانی بہ شیریں زبانی ایسا بیان کرکہ رفع کدورت وجمعیت پریشانی طبیعت ہو اور غنچۂ سربستہ دل باہتزاز نسیم تکلم کھل جائے فرمانبردار نے بجز اقرار انکار مناسب وقت نہ جانا چند کلمے گوش گذار کیئے اگرچہ گریہ کردن زاہم دل خوش بیاید مگراس نظر سے مصرع ہرچہ از دوست میرسد نیکوست :: یہ فسانہ انھیں بہت پسند آیا کہا اگر بدلجمعی تمام تو اس قصہ پراگندہ کو از آغاز تا انجام زبان اُردو میں فراہم اور تحریر کرے تو نہایت منظور نظر اہل بصر ہو لیکن تقصیر معاف ہو لغت سے صاف ہو بندے نے کہا طبیعت ابنائے روزگار بیشتر متوجہ عیب جوئی و ہنر پوشی ہے بقول دلگیر شعر قبح کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دلگیر :: اور یہاں حُسن شناسان سخن تھوڑے ہیں :: وہ بولے چشم داشت صلہ طلب اجرت کسی سے متصور نہیں فقط ہماری خوشی مد نظر رکھ جیسا رطب ویابس کہے گا ہمیں پسند ہے بشرطیکہ جو روزمرّہ اور گفتگو ہماری تمھاری ہے یہی ہو ایسا نہ ہو کہ آپ رنگینی عبارت کے واسطے وقت طلبی اور نکتہ چینی کریں ہم ہر فقرے کے معنی فرنگی محل کی گلیوں میں پوچھتے پھریں بندے نے کہا یہ تو مقدمۂ تحریر ہے اگر سرکار کے کام آجائے تقریر نہیں مگر جلدی نہ کرنا بوقت فرصت لکھونگا وہ تو یار شاطر نہ بار خاطر تھے کہا اچھا فقیر کو اسی دن سے ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا عدم فرصت سے نہ کہتا تھا آخر الامر بمقتضائے عادت تلاش معاش کے حیلے میں فلک تفرقہ پرداز گردوں عربدہ ساز نے صورت مفارقت دکھائی مہاجرت استقبال کو آئی مسرت بوقت لقمہ خوردن لے مسرت گفتہ لبہایم :: کہ روزی سکندر از ہم جدا یاران ہمدم را :: ربیع الثانی کے مہینے میں کہ سن ہجری نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وصحابہ وسلم بارہ سو چالیس تھے آنے کا اتفاق مجبور کورده کانپور میں ہوا بسکہ یہ بستی پوچ ولچر ہے اشراف یہاں عنقا صفت ناپید ہیں احیاناً جو ہوں گے تو گوشہ نشین عزلت گزیں مگر چھوٹی امت کی بڑی کثرت دیکھی یہ طور دیکھ کر دل وحشت منزل سخت گھبرایا کلیجہ منہ کو آیا قریب تھا جنون ہو جائے تیرہ بختی سے روز سیاہ پیش آئے لیکن بہ شربت عنایت ومعجون شفقت ارسطو فطرت بقراط حکمت حکیم سید اسد علی صاحب شیر بیشۂ علم وکمال سخن فہم ظریف خوشحال طبع سودا خیز اور سر جنون انگیز کو آرام وتسکین حاصل ہوئی وہ حال فقیر دلگیر پر الطاف وکرم فرماتے تھے تدبیریں نیک واحسن دافع رنج ومحن بتاتے تھے ایک روز ان سے بعد اظہار حال مکلف فسانہ دوستانہ یہ بھی کہا کہ ایک کہانی لکھا چاہتا ہوں

سنکر فرمایا بیکار مباش کچھ کیا کر میسر نہیں تم پیر کاہلی اللہ لیے ‫:‬ نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہیے ‫:‬
اس وقت یہ کلمہ توسن طبع کو تازیانہ ہوا اگرچہ اس ہیچ میرز کو یہ یارا نہیں کہ دعوی اردو زبان پر لائے یا اس فسانہ کو بہ نظر نثاری کسی کو سنائے اگر شاہجہان آباد میں اہل زبان کبھی بیت السلطنت ہندوستان تھا وہاں چندے بود و باش کرتا فصیحوں کو تلاش کرتا تو فصاحت کا دم بھرتا جیسا میرامن صاحب نے چار درویش کے قصے میں بکھیڑا کیا ہے کہ ہم لوگوں کے ذہن و حصے میں یہ زبان آئی ہے دلی کے روڑے ہیں محاورے کے ہاتھ منہ توڑے ہیں پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر یہی خیال انسان کا خام ہوتا ہے سفت میں نیک بدنام ہوتا ہے بشر کو دعوی کب سزاوار ہے کاملوں کو بیہودہ گوئی سے انکار بلکہ ننگ و عار ہے مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید وہی مثل سننے میں آئی کہ اپنے منہ سے دھنا بائی لیکن تحریر اس کی ایفائے تقریر ہے یہ قصہ دلچسپ بنظر ہے امید ناظرین پر تمکین سے یہ ہے کہ بچشم عیب پوشی و بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرماکر جہاں سہو یا غلطی پائیں بہ اصلاح مزین فرمائیں کیسی ہی طبیعت عالی ہو ممکن نہیں جو بشر خطا سے خالی ہو اسکے مطالعہ سے خاطر عاطر شاد کریں عاصی کو دعائے خیر سے یاد کریں نیازمند کو تحریر سے نمود نظم و نثر وجودت طبع کا خیال نہ تھا شاعری کا احتمال نہ تھا بلکہ نظرثانی میں جو لفظ وقت طلب غیر مستعمل عربی و فارسی کا مشکل تھا اپنے نزدیک اسے دور کیا اور جو کلمہ سہل ممتنع محاورے کا تھا وہ رہنے دیا دوست کی خوشی سے کام رکھا فسانۂ عجائب اس کا نام رکھا انا المبدا والیہ المآب عنایات ایزدی سے تمام ہوئی کتاب

آغاز داستان نادر بیان صاحب سریر سلطانی مالک اورنگ کامرانی زینت تاج و تخت شاہنشاہ گردون بارگاہ شاہ فیروزبخت اور پیدا ہونا شاہزادۂ جانعالم کا اور شادی ماہ طلعت سے استاد

شل ہی سے نہ الفاظ تلازم سے یہ خالی ہے ‫:‬ ہر اک فقرہ کہانی کا گواہ بے مثالی ہے لا اعلم یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ ‫:‬ سن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ ‫:‬ گرہ کشایان سلسلہ سخن و تازہ کنندگان فسانہ کہن یعنی محرران رنگین تحریر و موشگافان جادو تقریر نے اشہب جہندۂ قلم کو میدان وسیع بیان میں باکرشمۂ سحرساز و لطیفہائے حیرت پرداز گرم عنان و جولان یوں کیا ہے کہ سرزمین ختن میں ایک شہر تھا مینوسواد بہشت نژاد پسند خاطر محبوبان جہان قابل بود و باش خوبان زمان شمیم صفت اس کی

معطر کن دماغ جان مسکن التہاب قلب و دافع خفقان زمین اس کی رشک چرخ بریں رفعت و شان
چشمک زن بلندی فلک ہفتمیں گلی کوچہ خجلت دہ گلشن آبادی گلزار اربسانِ تختۂ چمن بازار
ہر ایک بے آواز مصفا ہموار دوکانیں نفیس مکان نازک پائدار خلق خدا با خاطر شاد ایسے منسحت آباد کہتے
تھے سب طرح کی خلقت رغبت سے اسمیں رہتی تھی والی ملک وہاں کا شاہ گردوں وقار بہ تمکین افتخار
سکندر سے ہزار خادم دارا سے لاکھ فرمانبردار قباد شوکت کاؤس حشم مالک تاج و تخت والا مرتبت عالی مقام
شہنشاہ فیروز بخت نام موج بخشش سے اس بحر جود و عطا کے سائلان لب تشنہ سیراب اور نائرۂ غضب کے
شعلہ سے دشمن بد باطن جگر سوختہ بیتاب دبدبۂ دادہی و غلغلۂ عدالت سے دشمن و دوست جانی چور
مسافر کے مال کا نگہبان ڈکیتوں کو عہدۂ پاسبانی ملک و افر سپاہ افزوں از قیاس خزانۂ لاانتہا ور بے
دایہ جانفشاں تاج بخش و باج ستان محتاج اور فقیر کا شہر میں نام نہیں داد فریاد آہ و نالہ سے کسی کو
کام نہیں رعیت راضی سپاہ جان نثار دوست شاداں دشمن خائف شمع کا چور سر محفل لرزاں اس
نام سے یہ ننگ تھا کہ امیروں کا چور محل نہ ہونے پاتا تھا دزدِ حنا کا رنگ نہ جمتا تھا سر دست ہاتھ باندھا
جاتا تھا آنکھ چرانے سے ہمچشم چشمک کرتے تھے کار خیر سے اگر کوئی جی چراتا تو نامردی کی تہمت اوسپر
دھرتے تھے لیکن بایں حکومت و ثروت کاشانۂ امید کا چراغ گل اولاد بالکل نہ تھی خواہش فرزند
درد دل اور نہ ہونیکی کاہش متصل حسرت بسر میں رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ ہر ساعت
برزبان رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ولیا وظیفہ وہاں لڑکے کی تمنا میں بادشاہ مثل گدا دست دراز ایسا
لاپروا بے نیاز کی قدرت سے بانیاز آخرش جناب باری میں تضرع و زاری اسکی منظور ہوئی لاولدی
کی بدنامی دور ہوئی ساٹھ برس کے سن میں گوہر آبدار دُرِ شاہوار صدف بطن بانوئے خجستہ اطوار سے
پیدا ہوا چھوٹا بڑا اسکی صورت کا شیدا ہوا اس روح افزا کا فیروز بخت نے جانعالم نام رکھا شب و روز
پرورش سے کام رکھا حسن اللہ نے یہ عطا کیا کہ نیر اعظم چرخ چہارم پر رعب جمال سے تھرّایا
اور ماہ با وجود رخ غلامی تاب مشاہدہ نہ لایا اس نقش قدرت پر تصویر مانی و بہزاد حیران اور
صناعی آذر کی ایسے لعبت حقیقت کے روبرو پشیمان کاسۂ سر اسر شور جوانی زور شباب سے
معمور آنکھیں جھپکانے والی دیدۂ غزال ختن کی شراب عشق کے نشہ سے چکنا چور چہرے پر جلال
شاہی شوکت جہاں پناہی نمایاں حسن درخشندہ کی تڑپ بہ از انجم و اختر تاباں مصحفی سہ

اسے دیکھ طفلی میں کہتی تھی دایہ :: یہ لڑکا طرحدار پیدا ہوا ہے مرزا قتیل ع پارہ خواہد شد
ازیں دست گریبانی چند :: لکھا ہے کہ جب وہ مہر سپہر سلطنت برج حمل سے جلوہ افزا ہوا زینت بخش
کنار مادر زیب وہ آغوش دایہ ہوا خزانہ مجلس کھلا ہزار ہا قیدی رہا ہوا اپنے گھر آیا اور سیکڑوں لونڈی
غلام نے فرمان آزادی پایا شہر میں محتاج ناپید تھا اگر اشرفی روپیہ حاجیوں کے واسطے مکہ معظمہ اور
زائرونکی خاطر کربلائے مکرم میں بھیجا ایک سال کا خراج رعیت محتاج کو معاف ہوا شہزادے کے نام
کے گنج آباد ہوئے مسجدیں مدرسے مہمانسرا مسافرخانے تعمیر ہوئے اہل شہر دل شاد ہوئے نجومی پنڈت
جفر دان حاضر ہوئے بہت سوچ بچار کر برہمنوں نے عرض کی مہاراج کا بول بالا جاہ و حشم مرتبہ دوبالا
اعلیٰ رہے ہماری پوتھی کہتی ہے بھگوان کی دیا سے شہزادے کا چندرماں بلی ہے چھٹا سورج ہے جو
گرہ ہے وہ بھلی ہے دیگ تیگ کا مالک رہے دھرم سوت یہ بالک رہے جلد راج پر براجے پرتھوی میں
دھوم مچے ایسی شادی رچے مگر پندرھویں برس مشتری بارھویں آئیگی سینچر پاؤں پڑے گا ایک پکھیرو
دشوے کے برن میں ہاتھ آے گا تریا کے کھٹ پٹ سے وہ بچن سنائیگا کہ راج پاٹ چھوڑا دیس بدیس
لے جائے گا ڈگر میں شہزادہ بھٹکے کوئی پاس :: پھٹکے ساتھی چھٹیں اپنے ڈیل سے ڈانواں ڈول
پھر ایک منکھ ٹھاکر کا سیوک کرپا کرکے راہ لگائے کوئی کلنگن لوبھی ہو کشٹ دکھائے وہاں سے
جب چھٹے رانی ملے مہاسندر وہ چرن پر پران وارے پتا اس کا گیانی گن کی نکھتی دے اس سے
کئی پلچھ مارے دکھ میں آڑے آئے بگڑے کاج بنائے جب اُس نگر پہونچے جس کے چت میں
گھر چھوٹے تو لاب بہت ہو درب گھنے ہاتھ آئیں دور سب کلیس ہو جائیں پر ایک ہتی من کا
کپٹی استری پر دو جیبھا ہو کھٹائی کرے جُھ پڑیں نرناری لڑیں اور کچھ جل میں بھی بل چل پڑے
بڑھی لوٹ پھٹ جائیں نگر نگر کھوج میں بھرآئیں سب بچھڑے ملجائیں ماتا پتا کے ڈھک آئیں
استری تین ہو دوکا پرمان رہے ایک کی ہیں ہوڑا راج کرے دیا دھرم کے کاج کرے گسّیاں
کی کرپا سے جان کی کھیر ہے بڑی بڑی دھرتی کی سیر ہے یہ سن کر بادشاہ کو نہ ملول ہوا پھر
مستقل مزاجی سے یہ کلمہ فرمایا فِعلُ الحَکِیمِ لَا یَخلُو عَنِ الحِکمَۃ اُن سب کو بقدر حال فراخور کمال
مالا مال کیا خلعت و انعام دیا بہ بشاشت تمام سرگرم پرورش صبح و شام رہا کوئی برسوں میں
بڑھتا ہے وہ نہال نودمیدہ بستان سلطنت گھڑیوں بلند بالا ہوتا تھا چند عرصہ میں بحول و قوت

آہی وہ ہاتھ پاؤں نکالے دس برس کے سن میں اُس غزال چشم نے ہرن کے سینگ چیر ڈالے دست و بازو میں یہ طاقت ہوئی کہ درندہ فیل مست ہوا جوان رعنا چہرۂ زیبا رستم شوکت اسفندیار سے زبردست ہوا جو اُس کا رُوے منور دیکھتا یہ کہتا لااعلم منہ دیکھوں آئینہ کا تری تاب لاسکے ؛؛ خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے ؛؛ تصویر تیری کھینچے مصور تو کیا مجال ؛؛ دست قضا تو پھر کوئی تجھ سا بنا سکے ؛؛ تحصیل علم و فضل میں شہرۂ آفاق ہوا جتنے فن سپہ گری ہیں اُنکا مشاق جمیع علوم ہر فن میں طاق ہوا جل جلالہ باپ ویسا بیٹا ایسا محبوب محبت میں بسان یوسف و یعقوب جب وہ ہلال سپہر شہریاری بدر کامل ہوا او رچودھواں برس بھر گیا جوانوں میں شامل ہوا بصلاح و صوابدید ارکان سلطنت و ترقی خواہان دولت شادی کی تجویز ہوئی تلاش بے شمار و تجسس بسیار ایک شہزادی پری پیکر خوبصورت نیک سیرت حور نژاد گل اندام سیمین بر رشک شمشاد ماہ طلعت نام دودمان والا سے مقرر ہوئی وہ جو آئین دباہی طریق فرمانروائی ہے اُسی طرح اُسکے ساتھ اُس اختر تابندہ کو ہمقران کیا

ترانہ سنجی عندلیب خامہ گلشن بیان سواری شہزادہ جانعالم میں اور خرید نا طوطے کا اور کج بحثی ماہ طلعت کی طوطے سے اور مذکور حسن انجمن آرا اور شہزادے کا عاشق ہونا

بلبل نواسنج ہزار داستان طوطی خامہ زمزمہ ریز خوش بیان گلشن تقریر میں یوں چہکا ہے کہ بعد رسم شادی سیر و شکار کی اجازت سواری کا حکم شاہ ذوی الاقتدار سے حاصل ہوا گاہ گاہ شام و پگاہ جانعالم سوار ہونے لگا ایک روز گذر اُس کا گدڑی میں ہوا انبوہ کثیر جم غفیر نظر آیا اور غلغلۂ تحسین و آفرین از زمین تا چرخ برین بلند پایا شہزادہ اُدھر متوجہ ہوا دیکھا ایک مرد پیر نحیف ستر اسی برس کا سن نہات ضعیف پنجرا ہاتھ میں لیے کھڑا ہے اُسمیں ایک جانور مانند ساکنان جنان سبز پوش طائر بیمروت خانہ بدوش با منقار گلنار لطیفے لطیف رنگین اور نکتے قابل تعریف تمکین مثال طوطی پس آئینہ بیان کرتا ہے لااعلم در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ؛؛ انچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم ؛؛ شہزادے کے دیکھتے ہی طوطا اپنے مالک سے بولا اے شخص کو کب بخت ترا افلاس کے برج تیرہ سے نکلا نصیب چمکا طالع بر سر یاری زمانہ آمادۂ مددگاری ہوا دیکھ ایسا شہزادہ حاتم شعار ابر گہر بار متوجہ

تصویر شہزادہ اور پیر مرد کی مع پنجرے اور طوطے کے



اس مشت پر ذرۂ بیمقدار پر ہوا ہے وہ بیکار شئے کارگاہ بے ثبات میں ہوں جس کا طالب نہیں کہیں بجدیکہ جانور رہوں اور بلی کھا جا مگر یہ جو نظر عنایت کرے ابھی تیرا ہاتھ پر زر ہو دامن گہر سے بھرے جانعالم نے جو یہ سخن ہوشربا کلمۂ حیرت افزا سُنے طوطے عقل کے اڑے پنجرہ اس طائر ہمہ دان جانور سحر بیان کا ہاتھ میں لیکے مالک سے قیمت پوچھی طوطے نے کہا مؤلف کب لگاتا ہے کوئی اِس دل بیحال کا مول ؛ سب گھٹا دیتے ہیں مفلس کے غرض مال کا مول ؛ مگر جو حضور کی مرضی جانعالم نے لاکھ روپیے خلعت کے سوا عنایت لیئے اور پنجرہ ہاتھ میں لیئے دولت سرا کو روانہ ہوا گھر میں جا ماہِ طلعت کو طوطا دکھایا یہ مصرع انشا کا پڑھا انشا باز ارہم گئے تھے اک چوٹ مول لائے طوطے نے شہزادے کو سخنان دلچسپ قصص عجیب حکایات غریب شعر خوب خمسہائے مرغوب سنا اپنے دام محبت میں اسیر کیا یہ نوبت پہونچی کہ سوتے جاگتے دربار کے سوا جدا نہ ہوتا جب دربار جاتا پنجرا بتاکید حفاظت ماہ طلعت کو سونپ جاتا اور دربار سے دیوانہ وار بشوق گفتار بیقرار جلد پھر آتا ایک دن شہزادہ دربار گیا طوطا محل میں رہا اس روز ماہ طلعت نے غسل کیا اور لباس مکلف سے جسم آراستہ زیور پر تکلف سے پیراستہ ہو جواہر نگار کرسی پر بیٹھی ہوا جو لگی آئینہ میں صورت دیکھ خود محو تماشا ہوئی بحر عجب و نخوت میں آشنا ہوئی خواصوں سے جلیسوں سے جو جو مساز محرم اُلفت تھیں اپنے حسن کی داد چاہی ہر ایک نے موافق عقل و شعور تعریف کی کسی نے کہا ہلال عید ہو

کوئی بولی خدا جانتا ہے دیدہ ہو نہ شنیدہ ہو اللہ تعالیٰ نے بایں کثرت مخلوقات تمہارا ہمسر از قسم
جن و بشر بنایا نہیں پری نے یہ قد بالا حوروں نے یہ حسن کا جھمکڑا پایا نہیں جب وہ کہہ چکیں ماہ طلعت
نے کہا طوطا بہت عقلمند ذی شعور سیاح نزدیک و دور ہے اس سے بھی پوچھنا ضرور ہے
مخاطب ہوئی کہ اے مرغ خوش خو و طائر زمرد لباس سرخرو بدلہ سنج بیچ بیچ کہنا اس سج دھج کی صورت
کبھی تیرے طائرِ وہم و خیال کی نظر سے گذری ہے نیرنگی چرخ کج رفتار فتنہ پردازی گردون اژدون عیاں ہے

تصویر ماہِ طلعت و جانعالم مع طوطے اور خواصوں کے



آگاہ سب جہاں ہے اُسوقت طوطا رنجیدہ دل کبیدہ خاطر مضمحل بیٹھا تھا چپ ہو رہا شہزادی
نے پھر پوچھا طوطے نے بے اعتنائی سے کہا ایسا ہی ہو یہ نڈی معشوق مزاج طرہ یہ کہ شہزادے
کی جورو شوہر مالک تخت و تاج برہم ہو کے بولی میاں مٹھو جینے سے خفا ہو جو ہمارے روبرو چبا
چبا کر گفتگو کرتے ہو طوطے نے کہا سوال و جواب اور دھمکانا اور حکومت سے ڈرانا اور غصے
کی آنکھ دکھانا اور ہے کیوں الجھتی ہو شاید تمہیں سچی ہو پھر تو شعلہ غضب کا نون سینۂ شہزادی میں مشتعل
ہوا کہا کیوں جانور بے تمیز ناچیز تیری موت آئی ہے کیا بیہودہ ٹیں ٹیں مچائی ہے واہی بک رہا ہے
ہمارا مرتبہ نہیں سمجھتا ہے طوطے کے منہ سے نکلا کیوں اتنی خفا ہوتی ہو اپنا منہ ملاحظہ کرو صاحب
تم بڑی خوبصورت ہو یہاں تو یہ حیص بیص تھی کہ جانعالم تشریف فرما ہوا عجب صحبت دیکھی کہ

شہزادی بچشم پر آب و بادل کباب غیظ میں آ تھر تھراتے ہوئے طوطے سے بحث رہی ہے شہزادے نے فرمایا خیر باشد طوطا بولا آج ترا شر ہے خیر بخیر مگر چندے حیات مستعار اس وحشی کی اور آب و دانہ قفس میں پینا کھانا باقی تھا اگر آپ دو گھڑی بھر دیر لگاتے تشریف نہ لاتے تو میرا طائر روح گربہ غضب شہزادی سے مجروح ہو کر پرواز کر جاتا ہرگز جیتا نہ پاتے مگر پنجرہ خالی دیکھ مزاج عالی پریشاں ہوتا بحسرت و افسوس یہ فرماتے الشا طوطا ہمارا مر گیا کیا بولتا ہوا ؛ ماہ طلعت ان باتوں سے زیادہ مکدر ہوئی شہزادے سے کہا کہ اگر میری بات کا طوطا صاف جواب نہ دیگا تو اس نگوڑے کی گردن مروڑ اپنے تلووں سے اسکی آنکھیں ملونگی جب دانہ پانی کھاؤں پیونگی جانعالم نے کہا کچھ حال تو کہو طوطے نے گذارش کی کہ حضور یہ مقدمہ غلام سے سنیئے آج شہزادی صاحبہ اپنی دانست میں بہت نکھر بقا دیکھ آئینہ کو کہتی تھی کہ اللہ ری میں ؛ مجھ سے پھر فرمایا طوطے ایسی صورت کبھی دیکھی ہے مجھ اجل رسیدہ کے منہ سے نکلا خدا نہ کرے اس جرم قبیح پر شہزادی کے نزدیک کشتنی سوختنی گردن زدنی ہوں بقول میر تقی **شعر** بے جرم تہہ تیغ ہی رکھا تھا گلے کو ؛ کچھ بات بری منہ سے نہ نکلی تھی بھلے کو ؛ جانعالم نے کہا تم بھی کتنی عقل سے خالی حمق سے بھری ہو تم تو بری ہو جانور کی بات پر اتنا آزردہ ہو گو گویا ہے پھر طائر میاں مٹھو کو ان باتوں کی تاب نہ آئی آنکھ بدلکر روکھی صورت بنائی اور ٹیں سے بولا خداوند نعمت جھوٹ جھوٹ ہے سچ سچ ہے ہمسر جس کا کوئی نہیں ہے وہ ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہے اسکے سوا ایک سے ایک بہتر اور برتر ہے وہ خود فرماتا ہے فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ میں نے تو جھوٹ اور سچ دونوں سے بچکر ایک کلمہ کہا تھا اگر راستی پر ہوتا گردن کج کیے سیدھا گور میں سوتا یہ سن کے وہ رنجور ہوئی مثل مشہور ہے راج ہٹ تریاہٹ بالک ہٹ جانعالم نے مجبور ہو کر کہا جو ہو سو ہو مٹھو پیارے سچ کہدو طوطے نے بمنت عرض کی دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز مجھ سے سچ نہ بلوائیے میرا منہ نہ کھلوائیے نہیں انجام راستی حضور کو دشمنوں کو دشت نوردی بادیہ پیمائی غریب الوطنی کوچہ گردی نصیب ہوگی شہزادے نے کہا یہ حیلہ تم نے اور نیا سنایا اب جو کچھ کہنا ہے کہا چاہیئے باتیں بہت نہ بنائیے اس نے کہا میں نے ہرچند چاہا آپ رنج سفر مصائب شہر بشہر ایذائے غربت سے باز رہیں کہ سفر اور سقر کی صورت ایک ہے اس سے بچنا نیک ہے مگر معلوم ہوا کہ حضور کے مقدمیں

یہ امر لکھا ہے میرا اس میں قصور کیا ہے؛ رفیع سودا چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو ؎
سوزن تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے :: سنیئے قبلۂ عالم یہاں سے برس دن کی راہ شمال میں ایک
ملک ہے عجائب زرنگار ایسا خطہ ہے کہ مرقع خیال مانی و بہزاد میں نہ کھنچا ہوگا اور پیر دہقان
فلک نے مزرعۂ عالم میں نہ دیکھا ہوگا شہر خوب آبادی مرغوب لنڈی مرد حسین طرحدار مکان بلور کے بلکہ
نور کے جواہر نگار عقل باریک بینان مشاہدے سے دنگ ہو خلقت اس کثرت سے بسی ہے کہ اس
بستی میں وہم و فکر کو عرصہ تنگ ہو خورشید ہر سحر اسکے دروازے سے ضیا پاتا ہے بدر کامل اس
شہر میں غیرت سے کاہیدہ ہو ہلال نظر آتا ہے وہاں کی شہزادی ہے انجمن آرا اس کا تو کیا کہنا
کہاں میری زبان میں طاقت اور دہان میں طلاقت جو شمۂ مذکور شکل و شمائل اس زہرہ جبین فخر
لعبتان لندن و چین کا سناؤں استاد ایک ہیں کیا خوب گر دیکھے اُسے حسن آفریں :: اپنی صناعی
پہ حیران خود وہ صورت گر رہے :: لیکن سات سو خواصیں ایسی ہیں کہ تاج دلبری بر سر ماہرو عنبرین مو سرگروہ خوبان
جہان جان جان آرام دل مشتاقان اسکی خدمت میں شب و روز سرگرم خدمت گذاری بڑی تیاری سے
رہتی ہیں اگر اُنکی لونڈیوں کو شہزادی صاحبہ بنظر انصاف دیکھیں اور کچھ غیرت کو بھی کام فرمائیں
یقین تو ہے چلو بھر پانی میں محجوب ہو کر ڈوب جائیں ماہ طلعت یہ سن کے سن ہوئی سر جھکا لیا جانعالم
نے پنجرا اٹھا لیا دیوان خانہ میں لیجا مفصل حال دریافت کرنے لگا ہر دم سرد بھرنے لگا مولوی
جامی نہ تنہا عشق از دیدار خیزد :: بسا کین دولت از گفتار خیزد :: در آید جلوۂ حسن از رہ گوش :: ز جان
آرام برباید ز دل ہوش :: ز دیدن ہیچ اثر در میانہ :: کند عاشق کسانرا غائبانہ :: طوطے کو شہزادے
کی طرز گفتگو رنگ رو آنکھ کی تری ہونٹھ کی خشکی دل کی دھڑک کلیجے کی پھڑک سے کہ یہ نشان
عشق گمان خبط سب ہیں ثابت ہوا کہ شہزادے کا دل پُرزے پُرزے اور دماغ عقل سے خالی
ہوا خیال محال وصال انجمن آرا بھرا سخت نادم و خجل ہوا دل سے کہا کمبخت زبان نے حسن کے بیان
نے غضب کیا منتر کارگر ہوا پڑھا جن سر پر چڑھا حضرت عشق کا گذر ہوا چاہا کہ بلطائف الحیل اس
عزم بیجا سے باز رکھے کہا اے نادان دشمن جان یہ قصد لاحاصل ہے عمداً اس کوچہ میں پاؤں دھر اپنے
خون سے ہاتھ نہ بھر بقول مؤلف خدا کو مان یہ لے نام عاشقی کا سر در :: کہ منفعت میں بھی اسکے ہیں سو ضرر
پیدا :: بیان اس کا محال ہے مگر مختصر سا یہ حال ہے عقل اس کام میں دور رہتی ہے وحشت نزدیک آتی ہے لب خشک چشم تر زرد چہرہ

دل خون ہوتا ہے بھوک پیاس مر جاتی ہے خواب میں نیند نہیں آتی ہے جان شیریں تلخ ہو کلیجے میں درد آخر کو جنون ہوتا ہے لخت جگر کھاتا ہے خون دل پیتا ہے مر مر کے جیتا ہے رقیبوں کے طعنوں سے سینہ فگار ہوتا ہے لڑکوں کے پتھروں سے سر گلنار ہوتا ہے دن کو ذلت و خواری شب کو انتظار میں اختر شماری بیقراری سے قرار سب کی نظر میں ذلیل و خوار جنگل میں جی لگتا ہے بستی اجاڑ معلوم ہوتی ہے دربدر پھرنے میں دن تو کٹ جاتا ہے تنہائی کی رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے دل جلتا ہے دیدے سے دریا ابلتا ہے شجر تمنا بے برگ و بار رہتا ہے پھولتا ہے نہ پھلتا ہے جوانی کا گھن بری تک ادھیڑ بن رہتی ہے گونگا بہرا بن جاتا ہے طبیعت سن رہتی ہے ابھی پہلی بسم اللہ ہے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو لب پر آہ ہے دیکھا نہ بھالا ہے سینے کے پار عشق کا بھالا ہے آئینہ ہاتھ میں لے منھ تو دیکھو نقشہ کیا ہے معشوق باوفا گوگرد سرخ لال سپید سے نایاب سوا ہے کہاں کہاں ملتا ہے خاک میں ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے خواہاں ملتا ہے یہ جو زمانہ میں مشہور با مہر و وفا ہیں بانی صد جور و جفا ہیں عشق کمبخت بے پیر ہے اور نوجوان یہی ٹیڑھی کھیر ہے سنا نہیں کوہکن نے جان شیریں کس تلخی سے کھوئی یوسف کی چاہ میں زلیخا نے کیسے کنویں جھانکے کیا کیا روئی مجنوں کو اس دشت میں جنوں ہوا لیلیٰ کا کیا بگڑا پرویز کا اس کوچے میں خون ہوا شیریں نے کیا کیا افسوس تو یہ ہے کہ اتنا بھی کوئی نہ سمجھا جامی رحمۃ اللہ

غم چیزے رگ جاں را خراشد ٭ کہ گاہے باشد و گاہے نباشد ٭

ذلت اس کام میں عزت ہے درد کا نام یہاں راحت ہے دل اس کشمکش میں ٹوٹ جاتا ہے رستم کا اس معرکہ میں جی چھوٹ جاتا ہے اسفندیار سا روئیں تن ہو تو موم کی طرح پگھل کر بہہ جائے حسرت ہی حسرت رہ جائے لوگوں نے ہزاروں رنج و صدمے اس کام میں اٹھائے بعد خرابی بسیار بھی ناتجربہ کار کہلائے لیکن وہ برا کام ہے کہ اس میں مشاق اور مبتدی کی رائے ایک سی ہے اس کا آغاز ہے نہ انجام ہے مرض عشق میں کوئی دوست گرفتار نہ ہو مؤلف ع ۔ دوست تو دوست ہے دشمن کو یہ آزار نہو

مسدس

کیا میں اس کافر بدکیش کا احوال کہوں — یہی خونخوار پیا کرتا ہے عاشق کا خون
زار کر دیتا ہے انساں کو یہ اور زبوں — رفتہ رفتہ یہی پہونچاتا ہے نوبت بجنون
یہی خونریز تو خونخوار ہے انسانوں کا — دین کھوتا یہی کافر ہے مسلمانوں کا
یہی کرتا ہے ہر اک شخص کو رسوا ظالم — یہی کرتا ہے ہر اک چشم کو دریا ظالم

کوہ دکھلاتا ہے گاہے گہے صحرا ظالم　　کیا بتاؤں تمہیں کرتا ہے یہ کیا کیا ظالم
دربدر خاک بسر چاک گریباں کرکے　　جان لیتا ہے وہ لے بے سروساماں کرکے

یہی بانی تو زلیخا کی بھی تھا خواری کا　　یہی باعث دمن ونل کی ہوا یاری کا
یہی فرہاد کا حامی تھا تبرداری کا　　عشق کہئے نہ اسے قہر ہے یہ باری کا
تلخ کامی ہوئی شیریں کو اسی سے حاصل　　کئے بے پردہ وہ برباد ہزاروں محمل

اس نے مجنوں سے بنائے ہیں بہت دیوانے　　اس نے خود رفتگی میں اپنے کیئے بیگانے
گو کہ مشہور جہاں اسکے ہیں سب افسانے　　پر جو اس کام کا مشتاق ہو وہی جانے
کبھی معشوق کے پردے میں نہاں ہوتا ہے　　کبھی سر چڑھکے یہ عاشق کے عیاں ہوتا ہے

ناقۂ لیلیٰ مضطر کا شتربان یہ تھا　　نجد میں قیس سے پہلے ہی حدی خواں یہ تھا
چاہ میں ڈال کے یوسف کا نگہباں یہ تھا　　جان ہر شیر کی۔ اپنے کو نیستاں یہ تھا
حسن بنجاتا ہے انداز کہیں ناز کہیں　　درد دل ہے یہ کہیں سوز کہیں ساز کہیں

مثل فرہاد بہت مر گئے سر پھوڑ حزیں　　دی ہے شیریں کی طرح کتنوں نے جان شیریں
پاس عذرا کے گیا اور کبھی وامق کے قریں　　اس سے آوارہ بچا اور نہ بچا گوشہ نشیں
اس سے ملتا ہے جسے رنج ومحن ملتا ہے　　گور ملتی ہے کسی کو نہ کفن ملتا ہے

طور کو نور کے جلوے میں جلایا اس نے　　کبھی آتش کو ہے گلزار بنایا اس نے
جان چھوڑی نہیں جیتا جسے پایا اس نے　　اور نیرنگ جہاں اپنا دکھایا اس نے
کام مردوں سے لیا زندوں کو ناکام رکھا　　درد کا نام بھی بیدرد نے آرام رکھا

اسکے افسانے ہیں دنیا میں بہت طول طویل　　جس کا ہمدم یہ ہوا ہو گیا وہ خوار و ذلیل
اس کا بیمار پڑا رہتا ہے بستر پہ علیل　　دھونس دیدے کے بجا دیتا ہے یہ کوس رحیل
رنج و ماتم کے سوا اور یہ کیا دیتا ہے　　وصل کی شب سحر ہجر دکھا دیتا ہے

یہی اخفا ہے بصد زیب رگ ہر گل میں　　سوز و نالہ یہ اسی کا ہے دل بلبل میں
یہی ہے جزو میں گر دیکھو یہی ہے کل میں　　گر فرشتہ ہو تو آجاتا ہے اسکے جل میں
خون بیجرم زمانے کا بہاتے دیکھا　　میل چتون پہ کبھی اسکے نہ آتے دیکھا

ایک شمّہ ہے لکھا حال جو میں نے اس کا
دشت غربت میں وہ آوارہ و گشتہ ہوا
جس پہ اس دیو نے الطاف کا سایہ ڈالا
دوست بھی چھوٹتے ہیں شہر بھی چھوٹے اپنا
پاس جسکے یہ گیا خلق سے وہ دور ہوا
کونسا شیشۂ دل تھا کہ نہ وہ چور ہوا
ہجر کے رنج میں کتنوں کا ہوا اس میں وصال
اسکی گردش سے ہر اک ماہ ہوا بدر ہلال
لے گئے سینے میں فرقت کا سبھی درد و ملال
کس کی طاقت ہے جو تحریر کرے اس کا حال
زیست کرنا غم ہجراں سے ہے سب کو شاق
جان دیتے ہیں کہہ کہہ کے یہی ہائے فراق

وصل میں یہ مزا ہے ہجر کا رنج و لے جانگزا ہے چاہ کنویں جھکواتی ہے یہ وہ بیماری ہے جو جان کے ساتھ جاتی ہے ہمیشہ سے اس کام والے آہ و نالہ برلب خاک بسر چاک گریباں سب رہے ہیں اگر عاشق کی عزت و توقیر ہوتی تو دنیا میں اس سے بہتر کوئی شے نہ تھی کچھ کچھ ان لوگوں کے مرتبہ شناس قدر دان ہیں مگر ہر جگہ کہاں ہیں اور یہ قصہ جو میں نے کہا فقط بات کی تیج کا جھگڑا تھا ورنہ کہاں ملک زرنگار کجا شہزادی عالی تبار جانعالم نے کہا استغفراللہ اگر وہ جھوٹ تھا تو یہ فقرہ کب سچ ہے یہ تو نری کھڑ پیچ ہے سوز خدا ہی کی قسم ناصح نہ مانوں گا کہا ابتو ٭ نہ چھوٹیگا ترے کہنے سے میرا دل لگا ابتو ٭ اسی تقریر میں یہ حال ہوا کہ دل میں درد چہرہ زرد ہونے لگا لب پر آہ سرد گرفتار رنج و تعب عشق کے آثار سب ظاہر ہوے ضبط کا پردہ درمیان سے اٹھا شور و فغاں سے اٹھا جنوں پیرا ہوں عقل بیچارہ نو گرفتار سلسلہ محبت میں اسیر بقول میر ہو گیا میر طبع نے اک جنوں کیا پیدا ٭ اشک نے رنگ خوں کیا پیدا ٭ ہاتھ جانے لگا گریباں تک ٭ چاک کے پاؤں پھیلے داماں تک ٭ بیقراری نے کج ادائی کی ٭ تاب و طاقت نے بیوفائی کی طوطا یہ حال دیکھکر بہت محجوب ہوا کہ ناحق رنڈی کی کج بحثی سے شہزادے کو مرگ کا مستعد کیا۔ بیٹھے بٹھائے خون بیگناہ اپنی گردن پر لیا اب اسطرح کا سمجھانا مانع ہونا ابھارنا بھڑکانا بلکہ مزا جلانا ہے گھبرا کر تسکین و تشفی کرنے لگا اور زخم شمشیر عشق کو مژدۂ وصال سے بھرنے لگا کہا آپ ہوش و حواس بجا رکھئے اگر مجھے ایسا سچا جانا کہ میرا جھوٹ سچ مانا اس شرط سے آپ کو لیچلوں گا جو میرا کہا نہ مانوگے زک اٹھاؤگے دھوکا کھاؤگے پھر مجھ کو نہ پاؤگے پچھتاؤگے جانعالم نے فرمایا اے رہبر کامل رنج کے غمگسار راحت کے شامل تیرے جادۂ اطاعت سے ہرگز قدم باہر دھرونگا

جو تو کہے گا وہی کروں گا مگر جلد حال مفصل اور بُعد منازل و سمت شہر دوست سے نشان کامل دے دگرنہ یہ دلِ بیتاب خجلت دہ بیقراری سیماب کہ قطرۂ خون سے فزوں نہیں تڑپ کر از راہ چشم نادیدۂ روئے دوست نکل جائے گا پھر بجز حسرت و افسوس تیرے کیا ہاتھ آئے گا۔ میر۔ دل تڑپتا ہے متصل میرا ۞ مرغ بسمل ہے یا کہ دل میرا ۞ طوطے نے کہا اضطراب کا کام خراب ہوتا ہے اتنی جلدی موقوف کیجئے آج کی رات اس شہر میں کاٹ صبح اُدھر کی راہ لیجئے اگر کشش صادق اور طالع بھی موافق ہے انشاء اللہ منزل مقصود کو پہونچیں گے عزم بالجزم درکار ہے اور شہر پناہ پر خانۂ یار ہے جانعالم یہ خوشخبری سنکر بشاش ہوا پھر کہا استاد۔ مژدۂ وصل ہے کل رات کی نیت ہو حرام ۞ دے اگر طالع برگشتہ نہ تدبیر الٹ ۞ اُس رات کی بیقراری گریہ و زاری اختر شماری شہزادے کی کیا کہوں ہر گھڑی بحال پریشان سوئے آسمان مضطر نگران تھا کہ رات بسر ہو جلد سحر ہو تا عزم سفر ہو اور یہ کہتا تھا سعدی سعدیا نوبت امشب دہلِ صبح نکوفت ۞ یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را ۞ آخرش تاثیر دعائے سحری و اثر نالۂ نیم شبی سے ظلمت شب بنور روز منور ہوئی وزیرزادے کو باوجود خود فراموشی یاد فرمایا لڑکپن سے تا زمانہ عشق انجمن آرا اس سے بھی الفت رکھتا تھا جب وہ حاضر ہوا حکم کیا دو گھوڑے صبا رفتار برق کردار جنکی جھپٹ نسیم تند رو کو کھندل ڈالے انکے قدم سے کمیت صرصر کی ڈپٹ پاؤں نہ آگے نکالے جلد لا بحکم ارشاد اصطبل خاص میں جا گھوڑے لایا کچھ اسباب ضروری وہ بھی بمجبوری لیکے وہ دونوں خستہ تن بقول میر حسن چل نکلے۔ میر حسن

نہ سُدھ بُدھ کی لی اور نہ منگل کی لی	نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

پہلا سفر عازم شہر دلدار کا مع وزیرزادہ اور راہبر ہونا طوطے کا ہرن کا ملنا اور تفرقہ باہم کا ملاقات مرشد کامل کی پھر حوض میں کودنا شہزادے کا طلسم گرفتاری جانعالم کی بے قراری پھر بدولت نقش سلیمانی رہائی پانی

بادیہ پیمان مراحل محبت و صحرا نوردانِ منازل مودت رہروان دشت اشتیاق قطع کنندگان جادۂ فراق مسافران بار ناکامی بردوش بجز راہ کوچۂ یار دین و دنیا فراموش عشق سر پر سوار خود پیادہ رہتے ہیں دل سیر مرگ کے آمادہ رکھتے ہیں کہ جب بایں ہیئت کذائی وہ پروردۂ دامن ناز و آغوش شاہی گھر سے نکلا اور در شہر پناہ پر پہونچا پھر کر عمارات سلطانی شہر کی آبادانی دیکھ آہ سرد کھینچی غریب الوطنی پر

کمر چُست کی اور فراق یاران وطن میں دل کھول کے خوب رویا پھر فاتحہ خیر پڑھکر آگے بڑھ طوطے کو پنجرے کھول دیا گھوڑوں پر شہزادہ اور وزیرزادہ سمند صبا پر میاں مٹھو پیادہ نیا دانہ کھاتے نیا پانی پیتے روانہ ہوئے بعد طے منازل و قطع مراحل اُن کا گذر ایک دشت عجیب صحرائے غریب میں ہوا ہر تختہ جنگل کا بروش باغ تھا جو پھول تھا تازہ کن دل معطر نمائے دماغ تھا جہانتک پیک نگاہ جاتا بجز گلہائے رنگین و یاسمین و نسرین اور کچھ نظر نہ آتا شہزادہ شگفتہ خاطری سے صناعی باغبان قضا و قدر کی دیکھتا جاتا تھا ناگاہ ایک سمت سے دو ہرن برق وش صبا کردار سُبک چُست تیز رفتار سامنے آئے زربفت کی جھولیں پڑیں جڑاؤ سنگوٹیاں جڑیں گلے میں مغرق ہیکلیں مثل طاؤسان طناز عربدہ ساز سرگرم خرام ناز چھم چھم کرتے چوکڑیاں بھرتے جانعالم بےچین ہوا وزیرزادے سے کہا کسیطرح انکو جیتا گرفتار کیجیے اُس سعی میں گھوڑے ڈالے یا تو وہ اپنی وضع پر چلے جاتے تھے جب گھوڑوں کی آمد دیکھی سنبھل کنوتیاں بدل چوکڑی با جست و خیز بھرنے لگے انھوں نے گھوڑے ڈپٹائے انکے گھوڑے دوڑانا وہ طائر فرزانہ چوکڑی بھول کے پکارا ہاں ہاں لے نوجوان کیا غضب کرتا ہے یہ دشت پر سحر ہے بیہودہ کیوں قدم دھرتا ہے ہرچند پکارا سر دے مارا مگر سناٹے میں کسی نے نہ سُنا طوطے نے لاکھ سر دھنا آخر مجبور ایک درخت پر بیٹھ رہا وہ چلے گئے دو چار کوس دونوں ہرن بھاگے پھر ایک اور سمت دوسرا اور طرف چلا ایک کے ساتھ شہزادہ دوسرے کے تعاقب میں وزیرزادہ یہ بھی جدا ہوئے

تصویر جانعالم مع وزیرزادہ اور دو ہرن بھاگتے ہوئے اور طوطا بالائے سر پران



القصہ تا غروب آفتاب وہ شمس سپہر سلطنت گھوڑا ایکٹٹ پھینکے گیا دفعتہً ہرن نظر سے غائب ہوا اُس نے باگ روکی گھوڑا عرق عرق خود پسینے میں غرق رہے یا تک بحال مضطر حیران و پریشان دم و پشیمان دیکھا تو نہ وزیرزادہ نہ طوطا آپ یا دشت پرخطر گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا بوے انسان حیوان مشام جان تک نہ آئی طبیعت سخت گھبرائی جب کسی کو نہ دیکھا یہ کہا شعر سے اٹھے یہ ترنگ مانی کی کیا جس نے مجھ کو جلا وطن ؞ ہوا ایسا پیش ازین کاہیکو میں نکل کے گھر سے خراب تھا ؞ اور کبھی جو یاد یاران ہمراہی جی میں آتی تو یہ شعر دردناک میر سوز بادلِ صد چاک آہ جگر دوز پڑھتا میر سوز نے کہیو اے باد صبا بچھڑے ہوے یاروں کو ؞ راہ ملتی ہی نہیں دشت کے آوارون کو ؞ کچھ آگے بڑھا چشمۂ آب نظر پڑا گھوڑے سے کودا ہاتھ منھ دھویا اپنی تنہائی پر خوب رویا اسی حال گریہ و زاری میں دست دعا بجناب باری اٹھا کر پکارا کہ اے کس بیکسان ولے مددگار رہ گم کردگان مجھ خستہ و پریشان دور از یار انکی رہبری کر تیرے بھروسے پر سلطنت کو خاک میں ملا گھر سے ہاتھ اٹھا آوارہ صحرائے غربت مبتلائے رنج و مصیبت ہوا ہوں لا اعلم ہ بونسے رفیقے نہ ہمدمے دارم حدیث دل بکہ گویم عجب غمے دارم ؞ تیری ذات ہے یا یہ جنگل وحشت انگیز بلا خیز جہاں بوے عمرانات نہیں آتی یہ کہہ کے زار زار مانند ابر نو بہار رونے لگا فریاد و زاری تڑپ اور بیقراری اسکی بدرگاہ مجیب الدعوات قبول ہوئی تیر دعا ہدف اجابت سے لب معشوق ہوا ایک پیر مرد سفید داڑھی والے سبز عمامہ سر پہ عبائے عنابی کندھے پر ڈالے

تصویر شہزادے کا چشمہ پر بیٹھنا اور پیر مرد کا وہاں آنا



ہاتھ میں عصا خضر صورت بزرگ سیرت پارسا وارد ہو پکارا السلام علیک اے نو بادۂ چمن سلطنت والے گرفتار محنت و محبت شہزادے نے آنسو پونچھ سلام کا جواب دیا پیر مرد نے فرمایا اے عزیز کیا حاجت رکھتا ہے بیان کر یہ سن کے ایسا خوش ہوا کہ رنج راہ بھولنے کا بھولا وزیر زادہ اور طوطا کی جدائی بھی یاد نہ آئی کہا آپ کو قسم اسی کی جس نے میری رہبری کو بھیجا ہے جلد نشان ملک زرنگار کا دکھا دیجئے یا در دلدار تک پہونچا دیجئے وہ ستودہ صفات ہنسا اور کہا اللہ ری بیخودی ابھی بلائے ناگہانی آفت آسمانی جیسی آپ پھنسے ہیں اس سے نجات نہیں پائی معشوقہ یاد آئی جان عالم نے کہا کوئی آفت و ستم و بلا ہجر جانان اور مفارقت دوست کے سوا نہیں ہے میر سوز نہ لگے درد جدائی کو قیامت کا رنج ؛ روز محشر کو نہ میری شب ہجراں سے ملا ؛ اس صاف باطن نے فرمایا صاحبزادے یہ صحرائے غضب دشت پر تعب ہے ہر تختہ اس کا دام ستم گل بوٹا زار خار غم و الم ہے یہاں کا پھنسا الجھا حشر تک نہیں چھوٹتا یہ سب کارخانہ طلسم ہے شہزادے نے کہا ہم سحر محبت میں گرفتار ہیں ہیں جینا مرنے سے فزدن ہے دل کا حال دگرگوں ہے شیفتہ ؎ ہمیشہ آگ نکلتی ہے مرے سینے سے ؛ الٰہی موت دے گذرا میں ایسے جینے سے ؛ اس کریم النفس کو اسکے حال پر رحم آیا فرمایا بجز اس تہو نظر بخدا رکھ کہ وہ چارہ ساز عالمین جامع المتفرقین ہے شہزادے نے کہا فی الحقیقت مگر برائے خدا ایک نظر ملک زرنگار اور وہ معشوقہ طرحدار اگر نظر آئے جان زار بچ جائے زیست کا کیا اعتبار ہے مرگ ہر دم ہمکنار ہے حسرت دید تو نکل جائے اس خدا پرست نے فرمایا کہ آنکھ بند کر ملک سے پلک شہزادے کی لگی ملک زرنگار میں گذر ہوا اور صورت اس حور کردار کی نظر پڑی بجز نگاہ دل سے آہ کی بیہوشی ساری غشی طاری ہوئی مرد بزرگ نے سمجھایا اس امر لاطائل سے کیا حاصل زندگی درکار ہے ایک روز دوست بھی ہمکنار ہے سمجھانے سے اتنی تسکین ہوئی کہ آنکھ کھولی رات ہو گئی تھی پیر مرد نے کچھ کھلا لب چشمہ سلایا جس وقت افق چرخ سے راہ گم کردہ مسافر مغرب یعنی آفتاب عالمتاب جلوہ افروز ہو کر حصۂ چہارم آسمان پر آیا شہزادے کی آنکھ کھلی وہاں آپ کو پایا جہاں ہرن کے پیچھے گھوڑا اٹھایا تھا سجدۂ شکر ادا کر سرگرم راہ دوست ہوا راہ کا پتا اس ہر خیل سبز پوشان سے پوچھ لیا تھا قدم بڑھا جاتے جاتے ایک روز آفتاب کی تمازت بدرجۂ اتم تھی پیاس کی شدت ہوئی آب وہاں گوہر نایاب تھا خضر تک اس دشت میں لاعلاج پانی کا محتاج تھا

زبان میں کانٹے پڑے ریت کی گرمی سے تلوے جلتے تھے دو گام قدم نہ چلتے تھے لوں کا شعلہ یہ سرگرم آزار جگر سوختگان تھا کہ پرندے پتوں میں منہ چھپاتے تھے درندے نظر نہ آتے تھے دشت کرۂ آہنگران تھا ہر طرف شعلۂ جوالہ دوان تھا ریگ صحرا کیفیت دریا دکھاتی تھی پیاسوں کی دوڑ دھوپ میں جان جاتی تھی صدائے زاغ و زغن سے سناٹا دھوپ کا تڑاقا دشت کا پتھر تپنے سے انگارا تھا جانور ہر ایک پیاس کا مارا تھا وہ تابش شمس جس سے ہرن کالا ہو ندکو سے زبان میں چھالا ہو باد سموم سے وحشیوں کے منہ پر سیہ تاب تھا لوں سے گاؤ زمین کا جگر کباب تھا مچھلیاں پانی میں بھنتی تھیں جل جل کر کنارے پر سر دھنتی تھیں سرطان فلک جلتا تھا کیکڑا لب دریا اُبلتا تھا ایسے موسم کے سفر میں مفر کیونکر ہو مسافر خواب میں بر اتے چلو بھر پانی دو درخت خشک سوکھے پتے کھڑکھڑاتے تھے جانور پر کھولے پھڑپھڑاتے تھے چارپائے ایک سمت ہانپتے تھے گرمی کے خوف سے کانپتے تھے یہ حرارت مستولی تھی کہ دستوں کی گرمی سے جی جلتا تھا مسافر وہم یا گمان سے راہ نہ چلتا تھا خورشید حشر کی طرح آفتاب تاباں تھا صحرائے قیامت وہ بیابان تھا اسی حال خراب میں شہزادہ سرگشتہ دل برشتہ حیران و پریشان ایک طرف درخت گنجان سایہ دار دیکھ کر آیا تو وہاں حوض مصفا پانی سے لبالب بھرا ہوا پایا پانی دیکھ کر جان رفتہ تن میں آئی آنکھوں نے لہروں سے ٹھنڈک پائی گھوڑے سے اتر پانی پینے کو جھکا حوض نے نیرنگی دکھائی

تصویر جان عالم کے حوض میں کودنے کی



دہی معشوقۂ مرغوبہ مطلوبہ جسکے میں تلاش میں غریق محیط الم گرفتار لطمۂ غم شش گاہ بہا بہا پھرتا تھا
حوض میں نظر آئی آنکھ چار ہوتے ہی وہ بولی اے شناور بحر محبت والے غواص چشمۂ الفت دیر سے
تیری منتظر تھی للہ الحمد تو جلد پہونچا تامل نہ کر کود پڑا اُسے تو وہ آنکھ بند کرنے کا نقشہ ہر پل نظر تھا
بے تامل نہنگ آفت کے منھ میں کود پڑا زیست سے سیراب ہو کر یہ کہتا شعر۔ کودا کوئی یوں گھر
میں ترے دھم سے نہ ہوگا: جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا: کودتے ہی سر تلے ٹانگیں اوپر
غلطاں پیچاں تحت الثریٰ کو چلا گھڑی بھر میں پاؤں تہہ کو لگا آنکھ کھولی نہ حوض نظر آیا نہ اُس
دُرِ شہوار کو پایا مگر صحرائے لق و دق جسے دیکھ رستم و اسفندیار کا رنگ فق ہو دیکھا اسوقت سمجھا یہ
دوسری زک اٹھائی طوطے کی بات آگے آئی۔ ع۔ وائے بر باد گرفتاری ما: یہ کہکر آگے چلا دور سے
چار دیواری معلوم ہوئی جب قریب آیا باغ و عمارت مفصل دیکھی در باغ بستان آغوش مشتاق
وا اور سرد ہوا یہ تو گرمی کا مارا تھا بے تکلف قدم اندر رکھا باغ میں آیا قطعۂ دلچسپ پایا تختہ بندی
معقول پٹریاں خوش قطع خوبصورت پھول روشیں صاف نہریں شفاف چشمے ہر سمت جاری نئی تیاری
درختوں پر جانوران نغمہ سرا برگ و بار گل سے بالکل باغ بھرا باغبانیاں پریوش ہر روش پر روش دلبری
خراماں شاخوں پر بلبلیں غزل خوان بیچ میں بارہ دری عالیشان سب تکلف کا سامان اس کے
متصل چبوترہ سنگ مرمر کا بادلے کا سائبان کھنچا مسند مغرق بچھی ایک عورت خوبصورت عجیب
آن بان سے بیٹھی خواصیں گرد و پیش وہ مغرور حسن و جمال خویش شہزادے کو دیکھ کر ایک خواص
پکاری اے صاحب تم کون ہو جان نہ پہچان بے دھڑک پرائے مکان میں چلے آئے یہ تو
زیست سے بیزار مرگ کا طلبگار تھا اسے جواب نہ دیا بے تامل مسند پہ برابر جا بیٹھا یہ شعر پڑھتا
تھا استاد۔ پھر بیٹھے ہم دو زانو وضع مودب اُس سے: وضعی جو تھا تو ہم کو داب ادب نہ آیا:
وہ تو فریفتۂ قدیم تھی ہنس کے چپ ہو رہی پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں شہزادہ متحیر باغ کو
دیکھ رہا تھا جو پیڑ تھا بر دار جانور کی صورت پھل لگے پھول پر بہار آپس میں سرگرم گفتار
جس میوے پر رغبت ہو اُس درخت کا جانور سامنے آ رقص کرے پھل بے ہاتھ لگائے
منھ کے پاس آئے جتنا اُسے کھاؤ ثابت پاؤ جب طبیعت سیر ہو اسے درخت میں دیکھ لو
یہ حرکتیں اسکی خواصیں شہزادے کے دکھانے کو در پردہ ڈرانے کو کرتی تھیں اس قرینے سے

جانعالم کو یقین ہوا کہ سب جادو کا ڈھکوسلا ہے پیر مرد سچ فرماتا تھا افسوس بُرے پھنسے
یہ تو اِن خیالوں میں تھا اُس نے مکرر پوچھا شہزادے نے جواب دیا کہ ہمارا آنا جانا تحقیق
خوب جانتی ہو اجنبی ہیں لیکن تم پہچانتی ہو وہ مسکرائی خواصوں سے کہا آپ مہمان ہیں مروت
شرط ہے انھوں نے کچھ اشارہ کیا کشتیاں شراب کی قابیں گزک و کباب کی مع جام و صراحی
خود بخود آئیں اور مینائے بے زبان پنبہ دہان رقصاں یہ بولی حافظ ؎ اگر شراب خوری
جرعہ فشان برخاک ؛ ازاں گناہ کہ نفعی رسد بہ غیر چہ باک ؛ پھر دفعتاً جام لبریز بریز بریز کہتا
خندہ زنان جانعالم کے قریب آکر بولا حافظ ؎ بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند ؛ چناں نماند
وچنیں نیز ہم نخواہد ماند ؛ شہزادے نے انکار میں مصلحت نہ دیکھی ڈرا کہ اگر عذر کروں اور اسطرح
شراب حلق میں اُترے تو کیا لطف رہے یہ کہا لا اعلم ؎ یار سے ہے لطف مے کا آہ یہ ہو وہ نہ ہو ؛
یہ کوئی صحبت ہے ساقی واہ یہ ہو وہ نہ ہو ؛ پھر اُس جام کو ناکام ہاتھ میں لیکر لہو کے سے
گھونٹ گلا گھونٹ پئے وہ دور بے سر انجام پر آلام گردش میں آیا جب دو چار ساغر متواتر

تصویر اختلاط جان عالم اور جادوگرنی کی مع سامان مسہری



جادوگرنی نے پیۓ کاسۂ دماغ عقل سے دور دلولۂ مستی سے مملو ہوا چھیڑ چھاڑ کرنے لگی شہزادہ
اس کا اختلاط کج بحثی سے بدتر جانتا تھا مجبور گردش گردوں دیکھکر سر نگوں ہو کچھ ہاں ہوں
کر دیتا سچ ہے جسے جی پیار کرتا ہے اسکی گالی بدرجہا بوس و کنار سے زیادہ مزہ دیتی ہے
اسی صحبت میں آدھی رات گذری خاصہ طلب کیا دو چار نوالے جانعالم نے بجبر پانی کے سہارے
اُگل اُگل حلق کے نیچے اتارے اُس مربھکی نے قرار واقعی ہتے مارے کھانا زہر مار کر شہزادے
کا ہاتھ پکڑ بارہ دری میں لے گئی جواہر نگار مسہری پر بٹھایا ایک تو شراب کا نشہ دوسرے عالم تنہائی
بیٹھتے ہی شرم و حجاب کا پردہ اٹھا پٹ گئی وہ سر کا پھر تو خفیف ہو کر بولی تو نے سنا ہوگا
شہپال جادو شہنشاہ ساحران جہاں فخر سامری و جیپال جس کا نام میں اسکی بیٹی ہوں تمام باغ بلکہ
نواح اس کا سب سحر کا بنا ہے برسوں سے تیری فریفتہ اور شیدا ہوں تمنائے وصال خراب حال
جیتی تھی بجز لخت جگر اور خون دل کچھ نہ کھاتی نہ پیتی تھی آج لات و منات کی مدد سے تو میرے
اختیار میں آیا دل کا مطلب بھر پایا جس چیز کا شائق و طلبگار ہو جو شے تجھے درکار ہو بجز ملاقات
انجمن آرا جہاں کا سامان مہیا ہے بشرط اطاعت و اظہار محبت جانعالم پہلے ڈرا پھر جی مضبوط
کرکے بولا یہ سب سچ ہے جو تو نے کہا مگر تیری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ تو راہ و رسم محبت سے
آشنا ہے نوش وصل نیش فصل کا مزہ چکھا ہے انصاف کر جس کے واسطے خانماں آوارۂ غربت کا مارا
سرگرداں ہوا ہوں تو اسی کے نام کی دشمن ہے میں تیری دوستی پر کیونکر اعتماد کروں دنیا میں تین
طرح کے دشمن ہوتے ہیں ایک تو وہ جو صریح اپنا عدو ہو دوسرا دشمن کا دوست تیسرا دوست کا
دشمن یہ سب سے بُرا ہے اُس سے کنارہ اچھا ہے یا یہی شرط محبت ہے کہ ایک شخص کا نام خراب کرکے
جہاں آسایش ملے وہاں بیٹھ رہے فکر سلطنت جستجوۓ دولت میں سر بصحرا نہیں ہوا ہوں جو تیرے
جاہ و ثروت پر اکتفا کروں تجھے معلوم ہوگا اللہ کی عنایت سے گھر کی سلطنت حکومت کرنے کو کافی
تھی مگر میرا تو یہ حال ہے میر تقی سے ایک مدت پاۓ چنار رہے ایک مدت گلخن تابی کی ؛ برسوں ہوۓ
ہیں گھر سے نکلے عشق نے خانہ خرابی کی ؛ یہ سُن کے وہ کھسیانی کتیا سی جھنجلائی کہا قدرت سحر
میری سُن لے مغرب و مشرق کا فاصلہ گردش چشم ہے زرنگار جانا کیا پشم ہے ادھر پلک جھپکائی
اتنے عرصے میں زرنگار گئی اور آئی خیر اگر میری ہم صحبتی کریہ جانتا ہے تیری امید بھی قطع کر دیتی ہوں

ابھی انجمن آرا کو لا تیرے روبرو جلا اپنا دل ٹھنڈا کرتی ہوں جانعالم بدحواس ہوا کہ رنڈی کے غصے سے ڈرا چاہیئے سخت غضب میں گرفتار ہوئے انکار میں قتل معشوق مد نظر اور اقرار کرنے میں اپنی جان کا ضرر دونوں طرح مشکل ہے حیران ہو مآل کار سوچنے لگا منھ نوچنے لگا۔ واقعی یہ مقدمہ بہت پیچدار ہے جس پر گذرا ہو وہ جانے دل کا یہ حال ہوتا ہے جدہر آیا آیا جس سے پھرا پھر اور کیا عذاب عظیم ہے فراق محبوب وصال نامرغوب آخر کار شہزادے کو بجز اطاعت مصلحت نہ بن پڑی دلکو تسکین دیکر کہا اگر اس سے موافقت کروگے انجمن آرا کی اور اپنی زندگی ہوگی خالق رحمۃ للعالمین جامع المتفرقین ہے کوئی صورت نکل آئیگی کہ اس بلا سے رہائی اور دلدار تک رسائی ہو جائیگی الّا حیلہ شرط ہے یہ خیال کر ساحرہ سے کہا ظالم ہم تیرا جی دیکھتے تھے ہم نے سنا تھا کہ عاشق و معشوق کے ناز بردار ہوتے ہیں مگر یہ جھوٹ تھا دھمکاتے ہیں ڈراتے ہیں عاشقی میں حکومت کسی نے کانوں سے نہ سنی ہوگی ہم نے آنکھوں سے دیکھی تو یہ نہ سمجھی ایسا کون احمق ہوگا جو تجھ سا معشوق عاشق خصال اور یہ سلطنت لازوال چھوڑ کے امر نادیدہ کی جستجو کرے امید موہوم پر جنگل جنگل ڈھونڈھتا پھرے یہ فقط اختلاط تھا یہ کہہ کے گردن میں ہاتھ ڈالدیا وہ قحبہ تو ازار بند کھولے بیٹھی تھی لپٹ گئی ناچار باخاطر افکار اُس تیرہ بخت کا منھ کالا کر ہاتھ منھ دھو اسکے ساتھ سو رہا وہ مُردار بدمست لیٹتے ہی جہنم واصل ہوئی یہاں نیند کہاں جی سینے میں بیقرار پہلو میں وہ خار ہر دم آہ سرد دل پر درد سے بلند چشم جاری فریاد و زاری دوچند جگر میں سوز فراق نہاں لب پہ دود پنہاں عیاں یہ رباعی بر زبان لا اعلم

ع کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے ٭ کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے ٭ ہماری یہ شب کیسی شب ہے الٰہی ٭ نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے ٭

مگر جب وہ کروٹ لیتی جان اسکی نکلتی خوف سے دم بخود ہو جاتا جھوٹ موٹ سو جاتا اسی حال سے بہزار خرابی و مشاہدہ بیتابی جانعالم گریبان سحر چاک ہوا جادوگرنی اٹھی شہزادے کو حمام میں لے گئی وہاں اور عجائبات سحر دکھائے نہا کر دونوں باہر آئے خاصہ چنا گیا بعد فراغت صحبت طعام اُس نے یہ کلام کیا کہ میرا معمول ہے اس وقت سے پہر دن رہے تک شہپال کے دربار میں حاضر رہتی ہوں تیری اجازت پاؤں تو جاؤں جانعالم نے دلمیں کہا الحمد للہ جو دم تیری صورت پر کدورت نہ دکھائی دے غنیمت ہے مگر ظاہر میں زمانہ سازی سے کہا فرقت گوارا نہیں رکنے کا یارا نہیں جس طور بنے جلد آنا ساحرہ اس کلمہ سے بہت خوش ہو چل نکلی اسکے جانیسے باغ سنسان ویران

وحشت انگیز ہو کا مکان ہو تنہا شہزادہ باخیال دلبر پھر تو بے تکلف ہو کر جی کھولکر رویا یہ سہ غم دل کو زبان پر لایا ؛ آفت تازہ جان پر لایا ؛ کہا ہم سا بھی بدنصیب دور از حبیب دوسرا نہ ہوگا جس کا یار نہ مددگا کس سے دل کا درد کہیے تا تسکین ہو صحبت انکی ملی ہے جنھیں دیکھ چپ ہو رہیے کہ عشق اور کا نہ اُنکے ذہن نشین ہو ایک جانور جو رہبر تھا یوں اُڑا دوسرا وزیرزادہ جو لڑکپن سے جان نثار اور یار تھا وہ دن چھپا ہوس سے

سوائے اندوہ و یاس و حرماں ہوا نہ حاصل جہاں سے ہمکو
اٹھائیں کاندھے پہ بار ہستی سفر ہے بہتر یہاں سے ہمکو

اسی سوچ میں کچھ گھڑی دن باقی رہا جادوگرنی چمکی چمکائی آئی جانعالم کو اسکی صورت دیکھ کر رونا آیا لیکن ڈر کے مارے جو ہنسنے لگا نالہ گلے میں پھنسنے لگا پھر وہی اکل و شرب کا چرچا مچا جب نصف شب گذری تو وہ سو رہی ان کو بیداری اختر شماری نصیب ہوئی فرد ؎ شاہد رہیو تو اے شب ہجر ؛ جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی ؛ اسی انداز سے دو مہینے گذرے جانعالم کا روز کی کوفت سے یہ عالم ہوا کہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا بدن ڈھانچہ ہو گیا استاد ہموں کاہ سے کاہیدہ بس زار اسے کہتے ہیں ؛ عیسی سے نہ ہو اچھا بیمار اسے کہتے ہیں ؛ بن ہاتھ لگے دس کے جا سے نہیں ہلتا میں ؛ لاغر اسے کہتے ہیں تیار اسے کہتے ہیں ؛ تصویر مرقع ہوں سکتہ کا سا عالم ہے ؛ جنبش ہی نہیں نقش دیوار اسے کہتے ہیں ؛ قضارا ایک روز وقت رخصت ساحرہ بولی جانعالم تیری تنہائی کا اکثر خیال بلکہ مجھے ملال رہتا ہے تو اکیلا تمام دن گھبراتا ہوگا باغ خالی کاٹے کھاتا ہوگا مجبور ہوں کوئی ترے دل بہلانے کی گون نہیں جسے چھوڑ جاؤں یہ لونڈیاں بدسلیقہ ہیں انکو کہانتک آدمیت سکھاؤں ہنوز انھیں نشست و برخاست کا قرینہ نہیں آیا ان سے تو اور برخاستہ خاطر ہوگا شہزادے نے کہا ہم کیا گھبرائیں گے تنہا پیدا ہوئے تمام عمر اکیلے رہے ہماری قسمت میں دوسرا لکھا نہیں ہم صحبت ہمارا خدا نے خلق کیا نہیں لیکن یہ اندیشہ ہمیشہ رہتا ہے کوئی ہمیں مار ڈالے تو دن بھر مفت ہٹی خراب کر رہے ہیں تم کون جا کر کہے ہنسنے کی جلتے ہے رونے والا ناپید ہے وہ بولی یہ مکان طلسم ہے باد مخالف کا گذر محال ہے تیرا کدھر خیال ہے شہزادے نے کہا اگر کوئی جادوگر یہ قصد کرے اسے کون روکے وہ فریفتہ بشدت تھی بند ہوئی وہم یہ ہوا کہ میرے بعد کوئی جادوگرنی آئے اور اس پر عاشق ہو جائے مار ڈالنا کیسا یہاں سے لے اُڑے تو تو کہاں سے پائے سب محنت برباد ہو جائے فرط محبت انتہائے الفت میں انجام کار نہ سوچی بے تامل نقش سلیمانی صندوق سے نکال اس کے بازو پہ باندھا کہا اب نہ تاثیر سحر نہ دیو کا گذر نہ پری سے ضرر ہو گا۔

دل کا کھٹکا مٹا مزے اُڑایا یہ کہہ کے وہ تو بدستور چلی گئی جانعالم کے سر پر خرابی آئی وہی بلبلانا شور
مچانا باغ کو سر پر اٹھانا اور گاہ انجمن آرا کے تصور سے یہ کہنا مؤلف ؎ لکھا ہوا یہی قسمت کا تھا
سو جان ملا ٭ کہ میری خاک میں محنت دے آسمان ملا ٭ ہزار صدمے پہ دل نے ہمارے اُف بھی کی ٭
جو اک رفیق ملا وہ بھی بے زبان ملا ٭ نہ ہم نے چین بزیر فلک کبھی پایا ٭ عنایت ازلی سے
عجب مکان ملا ٭ تری تلاش میں در در بھٹکتے پھرتے ہیں ٭ ملا نہ تو ہی جو جوتی سے گو جہان ملا ٭
نہ کہہ تو پیر فلک پر کہے گی ساری خلق ٭ کہ خاک میں ترے جوروں سے کیا جوان ملا ٭ بہت جہان
کی کی سیر اے سرور حزیں ٭ پہ بے خزاں نہیں کوئی بوستان ملا ٭ ایک دن عالم تنہائی میں
جانعالم کو یہ خیال آیا کہ اس نقش کی تعریف اس نے بہت کی تھی کھولوں تو شاید عقدہ کار بستہ
کھلے یہ سوچ کے اسے کھولا اس کا یہ نقشہ تھا بست در بست کا نقش ہر خانے میں اسمائے الٰہی مع
ترکیب و تاثیر تحریر تھے دیکھتے دیکھتے خانہ مطلب میں نظر پڑی لکھا تھا کہ کوئی شخص کسی ساحر کی
قید میں اگر ہو یہ اسم پڑھے نجات پائے یا مکان طلسم میں پھنسا ہو اسے پڑھتا جدھر چاہے چلا جائے
اور جو کوئی سحر کرتا ہو اس پر دم کر پھونکدے اسی دم اسکی برکت سے سحر کو پھونکدے یہ ساحر
اس میں دیکھ کے قریب تھا کہ شہزادے کو شادی مرگ ہو جلد جلد وہ سب اسم یاد کر نقش بازو پر
باندھا اس عرصہ میں جادوگرنی موجود ہوئی جان عالم کے تیور بُرے دیکھے پوچھا آج مزاج کیسا ہے
وہ بولا الحمد للہ بہت اچھا ہے دیر سے تیرا منتظر تھا اے تجھے شیطان علیہ اللعن کو سونپا ہمارا اللہ
نگہبان ہے یہ سنتے ہی روح قالب سے نکل گئی سمجھی پیچ پڑا جانعالم چل نکلا سحر سے روکنے لگی تاثیر نہ کی
سر پیٹ کر کہا سعدی ؎ کس نیاموخت علم تیر از من ٭ کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد ٭ یہ کہہ کر ناریل زمین پر مارا
وہ پھٹا ہزار ہا اژدہا شعلہ فشاں پیدا ہوا شہزادے نے کچھ پڑھا وہ سب پانی ہو گئے فانی ہو گئے پھر تو منت
کرنے لگی پاؤں پر سر دھرنے لگی جادوگرنیاں سمجھانے لگیں کہ یہ شرط مروت نہیں جو اپنا والہ و شیدا ہو اس سے
دغا کیجے شہزادے نے کہا گریباں میں منہ ڈالو سوچو تو ہم بھی کسی کے عشق میں عزیزوں سے جدا مصیبت
کے مبتلا سر بصحرا ہوئے تھے ہمیں جبر سے قید کیا ہزار طرح کا الم مفارقت دیا یہ احسان کچھ کم ہے ہم نے
طلسم درہم برہم نہ کیا وہ سمجھی یہ نہ ٹھہریگا عاشقی کا کام نصیحت و پند و قید و بند سے نہیں ہوتا اور جبر
کا کام حباب آسا ناپائیدار ہے اس کا کیا اعتبار ہے حسن ؎ سدا ناؤ کاغذ کی چلتی نہیں ٭

اور یہ قضیہ اتفاقیہ ہے ع ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے ۞ حسن کبھی یوں بھی ہے گردش روزگار ۞ کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار ۞ لیکن سوچو تو لاکھ طرح کا راحت و آرام ہو جو جی لگے تو کیا کرے استاد دولتِ کونین حاصل ہو تو اٹھے لات مار ۞ پھر نہیں لگتا ہے جی جس جا سے ہو جس کا اچاٹ ۞ الغرض وہ سر پیٹتی رہی جانعالم نے بہ برکت اسمائے الٰہی اس طلسم سے رہائی پائی اپنی راہ لی چند روز میں پھر اس حوض پر وارد ہوا دیکھا اسپ وفادار پتھر سے سر مار مار مر گیا تھا اسکی لاش دیکھ دل پاش پاش ہوا خوب رویا اب اور رنج پیادہ پائی کا قدمبوس ہوا سبحان اللہ کہاں وہ شہزادہ پروردہ ناز و نعم کہاں یہ سفر پیادہ پائی کا دور دراز تنہائی کا ڈر درد و الم ہر قدم خار ہر گام آزار مگر تصویر یار پیش نظر ہر قطرۂ اشک میں سوسو لخت جگر آہ و نالہ در دہان یہ شعر سر سات زبان ناسخ ؎ مانع صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں ۞ دل دکھا دیتا ہے لیکن ٹوٹ جانا خار کا ۞ کیوں نہ کھٹکوں آسمان کو رات دن میں ناتواں ۞ آبلے کی شکل اسمیں مجھ میں عالم خار کا ۞ رنگ رو فق دل میں قلق سینہ فگار پا آبلہ دار چھاتی غم دوری سے شق کبھی حکایت شکایت بیزگاہ یہ غزل مؤلف کی دردآمیز پڑھتا چلا جاتا تھا مؤلف ؎ توڑ کر خم اور ٹپک کر آج پیمانے کو ہم ۞ سوئے مسجد جاتے ہیں زاہد کے بہکانے کو ہم ۞ شمع رو محفل میں کب دیں بار پروانے کو ہم ۞ ایک کیڑے سے بھی کیا کچھ کم ہیں جل جانے کو ہم ۞ خواب سا کرتے ہیں ہم ایام عشرت کو قیاس ۞ دھیان میں لاتے ہیں جس دم گذرے افسانے کو ہم ۞ کل تلک تھا جس مکاں میں شمعرویوں کا ہجوم ۞ چھانتے ہیں اب وہاں پر خاک پروانے کو ہم ۞ اشک گلگوں کا نشان پھٹ کچھ پتہ ملتا نہیں ۞ جب خزاں میں ڈھونڈھتے ہیں اپنے کاشانے کو ہم ۞ جرم کچھ صیاد کا اپنی اسیری میں نہیں ۞ رہتے ہیں کنج قفس میں آب و دانے کو ہم ۞ رشک زلف یار سب عقدے ہیں میرے لئے سرور ۞ اور الجھ اٹھتے ہیں مشکیں جبکہ سلجھانے کو ہم ۞ چشم تر رنگ زرد آہ سرد دل میں درد پاؤں کہیں رکھتا آبلہ پائی سے کہیں اور جا پڑتا نہ راہ میں بستی نہ گاؤں ہیں میل نہ سنگ نشان راہ کا سر نہ پاؤں دل صفا منزل میں عزم در دلدار آبلوں کو انس خار سخت بد حواسی تھی کانٹوں کی زبان تلووں کی خون کی پیاسی تھی نہ کوچ کی طاقت نہ یارائے مقام گھبرا کے وہ ناکام یہ کہتا مؤلف ؎ بدل دے اور دل اس دل کے بدلے ۞ الٰہی تو تو رب العالمین ہے ۞ ولہ اور اس پر نقد جان دیکر بدل لیتا سرور ۞ گر دل بیچ چڑھتا کسی کا دھیان میں

اور جب جنون عشق کا ولولہ از حد ہوتا تو سر پکڑ کر رو دیتا اور یہ کہتا مؤلف ؎ قرار باقی نہیں جان زار
بن تیرے ؛ ستا رہا ہے دلِ بیقرار بن تیرے ؛ گھمنڈ تھا مجھے جن جن کا سب وہ بھاگ گئے ؛ حواس
و ہوش و شکیب و قرار بن تیرے ؛ سر و رکشتۂ محبوب خاک شرح کرے ؛ بسر جو کرتا ہے لیل و نہار بن تیرے
خلاصہ کلام یہ کہ اسی حال خراب اور دل بیتاب سے ہر روز سرگرم منزل تھا دیدۂ دیدار طلب سے روان خونابۂ دل تھا

رہائی طلسم سے اس گرفتار محبت کی اور پہونچنا وادی فرحناک بخیر و خاشاک میں پھر ملاقات بانی مہر و فا یعنی ملکہ مہر نگار پر تمکین با وقار سے پیر مرد کا لوح دینا شہزادے کا رستہ لینا

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال ؛ ہر جگہ اسکی اک نئی ہے چال ؛ کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے ؛ کہیں یہ
خونچکاں حکایت ہے ؛ گہ نمک اسکو داغ کا پایا ؛ گہ پتنگا چراغ کا پایا ؛ کہیں طالب ہوا کہیں مطلوب ؛
اسکی باتیں غرض ہیں دونوں خوب ؛ یہاں سے دشت نوردان وادی سخن جگر افکار غربت زدگان
پر محن سینہ ریش با پائے زخمدار و دل خار خار بیان کرتے ہیں کہ وہ مسافر صحرائے اندوہ حرمان بے توشہ
و زاد راہ ہر روز با دل پر سوز گراہ گراہ بادیہ گردی کرتا نہ جیتا نہ مرتا ایک روز نواح دلکشا و صحرائے
فرح افزا میں گذر ا دیکھا کہ باغبان قدرت نے صفحۂ دشت گلہائے مختلف رنگ سے بہشت ہشتم رشک صحن چمن اور
بوٹا پتا گھانس کا بہ از گل باغ ارم خجلت دہ نسرین و نسترن بنایا ہے گرد جدول آب رواں چشمہ ہر ایک
چشمۂ حیوان اور لکہ ہائے ابر نے چھڑکاؤ سے عجب رنگ جمایا ہے نسیم بہار اور درخت گلزار سے میدان
رشک ختن و تاتار ہے نہ کہیں گرد ہے نہ غبار ہے درختوں پر فیض ہوا اور ترشح سے سرسبزی ہے اور چمک کا
جوبن ہے گل خود رو سے جنگل نمونۂ گلشن ہے یہ تو مدتوں کا مسافت دیدہ مسافرت کشیدہ تھا وہ
زمین خجستہ آئین بہت پسند آئی دل میں آیا کہ آج کی شب اسی جا سحر کیجیے قدرت حق مد نظر کیجیے ایک
سمت زمین ہموار درخت گنجان چشمہ ہائے آب رواں دیکھکر جا بیٹھا جنگل کی کیفیت جی بیکل کرنیوالی
جانوروں کی اچھل کود کی دیکھا بھالی خوش فعلی کی سیر کلیل میں وحش و طیر بو باس ہر برگ گل کی
دھوم دھام طائروں کے غل کی بوٹے پتے کی نشو و نما سرد ہوا ابر سیاہ کہیں گھرا سرخ و سفید
اودی ساون بھادوں کی گھٹا رعد زور و شور سے میخواروں کو سنا یہ کہہ رہا ہے میر سوز ؎ کی
فرشتوں کی راہ ابر نے بند ؛ جو گنہ کیجیے ثواب ہے آج ؛ ندیاں نالے چڑھے دریا بڑھے جھیلیں

تالاب لبریز ڈبرے موج خیز پپیہے کا ستوں سے مخاطب ہونا پی پی کہہ آپی جان کھونا کوئل کی کو کو اور تو تو سے کلیجہ منہ کو آتا تھا مور کا شور برق کی چمک رعد کی کڑک ہوا کا زور شور رنگ دکھاتا تھا شام کا وقت غروب آفتاب کا عالم جانوروں کا درختوں پر بیٹھنا باہم زمین پر فرش زمردین بچھا وہاں لہریں لے رہا آسمان میں رنگا رنگ کی شفق پھولی شام اودھ کی سیر بھولی ایک سمت قوس قزح جسے دھنک کہتے ہیں بصد عظم و شان فلک پر نمایاں سرخ سبز زرد دھانی لکیریں عیاں بلبل کے چہچہے درخت سبز کے لہلہے کوسوں تک سبزہ زار پھولوں کی بہار کہیں ہرن چرتے کہیں پرند سیر کرتے کسی جا طاؤسان طناز سرگرم رقص و ناز لب ہر چشمہ آب مرغابی آبی و سرخاب کبھی نمود ہونا ماہ کا چکور کا دوڑنا بھرنا آہ کا دونوں وقت ملتے اس دید کی خراش سے دل پاش پاش زخم جگر چھلتے یہ سیر جو ہجر جاناں میں نظر سے گذر جائے کیونکر دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو چھاتی بھر نہ آئے اُستاد ؎ کار اخگر کرتی ہے ہر بوند تن پہ یار بن ؛ کیا عجب گر ہوں ہرے داغ جگر برسات میں ؛ قاعدہ ہے جب آدمی کو سامان عیش و نشاط اس طرح کی سیر فرحت و انبساط میسر ہوتی ہے جسے جی پیار کرتا ہے وہ یاد آتا ہے شہزادے نے مدت کے بعد یہ فرحت جو پائی یار کی یاد آئی ۔ شعر ۔ میں وہ نہیں جو کروں سیر بوستاں تنہا ؛ بہشت ہو تو نہ منھ کیجیے باغباں تنہا ؛ اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ ایک طرف سے رنڈیوں کا غول پیدا ہوا یہ دھوکا کھا چکا تھا سنبھل بیٹھا اور اسمائے ردّ سحر پڑھنے لگا بموجب مثل دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے جب وہ آگے بڑھیں غور سے دیکھا چار پانچ سو عورت پری زاد حور وش نازنین کمر نازک تن سیم جسم چست و چالاک کمسن اللّٰہ ٹپنے کے دن اچھلتی کودتی پیادہ اور جواہر نگار ہوادار پر ایک آفتاب محشر سوار گرد پریوں کی قطار تاج مرصع کج سر پر لباس شاہانہ پر تکلف در بر نیمچہ سلیمانی اُس بلقیس وش کے ہاتھ میں سیماب وشی بات بات میں صید کرنے کی گھات میں بندوق چقماقی طائر خیال گرانے والی برابر رکھی شکار کھیلتی سیر کرتی چلی آتی ہے حسن میں بے مثال کاہش بدر غیرت ہلال میر حسن ؎ (برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن ؛ جوانی کی راتیں مرادوں کے دن) طالع بیدار یاور اقبال دم ساز غمزہ و عشوہ و انداز و ادا جلو میں آفت جان عاشق سراپا ناز جان عالم نے بآواز بلند کہا میر تقی ؎ کیا تن نازک ہے جان کو بھی حسد جس تن پہ ہے ؛ کیا بدن کا

تصویر صحرائے پُر فضا و جانعالم و ملکہ مہر نگار کا بہ سواری ہوا دار جانعالم کے پاس آنا



رنگ ہے تہ جس کی پیراہن پہ ہے ÷ یہ صدا جو اہتمام سواری آگے آگے کرتی تھیں اُنکے
کان میں پڑی اور نگاہِ جمال جانِ عالم سے لڑی سب کی سب لڑکھڑا کر ٹھٹھک گئیں کچھ سکتے کے
عالم میں سہم کر جھجک گئیں کچھ بولیں ان درختوں سے چاند نے کیفیت کیا ہے کوئی بولی نہیں ری
سورج چھپتا ہے کسی نے کہا غور سے دیکھ ماہ ہے ایک جھانک کر بولی باللہ ہے ایک نے
غمزے سے کہا چاند نہیں تو تارا ہے دوسری چٹکی لے کر بولی اچھال چھکّا تو بڑی خام پارا ہے
ایک بولی سرو ہے یا چمن حسن کا شمشاد ہے دوسری نے کہا تیری جان کی قسم پرستان کا
پری زاد ہے کوئی بولی غضب کا دلدادہ ہے کسی نے کہا دیوانو چپ ہو خدا جانے کیا اسرار ہے ایک نے
کہا چلو نزدیک سے دیکھ آنکھ سینک کر دل ٹھنڈا کریں کوئی کھلاڑن کہہ اٹھی دور ہو ایسا نہ ہو اسی حسرت
میں تمام عمر جل جل مریں ایک نے خوب جھانک تاک کے کہا خدا جانے تم سب کے دیدوں میں چربی کہاں
کی چھا گئی ہے کیا ہوا ہے یہ تو بھلا چنگا ہٹا کٹا مردوا ہے سواری جو رُکی ملکہ نے پوچھا خیر ہے۔
سب نے دست بستہ عرض کی قربان جائیں جان کی اماں پائیں تو زبان پر لائیں ہمیشہ سواری حضور
کی اسی راہ سے جاتی ہے مگر آج خلافِ معمول ان درختوں میں سے ایک شکل دلچسپ ایسی
نظر آتی ہے فرد۔ سُنا یوسف کو حسینانِ جہاں بھی دیکھے ÷ ایسا بے مثل طرحدار نہ دیکھا نہ سُنا ÷

ملکہ متعجب ہو کے پوچھنے لگی کہاں ایک نے عرض کی وہ حضور کے سامنے جیسے ہی ملکہ کی نگاہ چہرۂ
بے نظیر صورت دل پذیر جانِ عالم پر پڑی دیکھا ایک جوان رشکِ مہ کنعان عناصر قامت سہی
بالا بحر حسن و خوبی کا دریکتا کاسۂ سر سے فرشاہی نمایاں بادۂ حسن دل فریب سے معمور ہے دماغ
میں کشورستانی ہے اٹھتی جوانی ہے نشۂ شباب سے چکنا چور ہے خم ابرو محراب حسینان سجدہ گاہ
پردہ نشینان چشم غزالین سرمہ آگیں ہے آہوئے رم دیدہ کشور چین ہے چتون سے رمیدگی پیدا
ہے مستِ مے محبت ہے اس پر چوکنا ہے دیدے کی سفیدی اور سیاہی لیل و نہار کو آنکھ دکھاتی
سوادِ چشم پر حور سویدا لئے دل صدقے کیا چاہتی ہے حلقۂ چشم میں کتنے ہموار مردم دیدہ دھرے ہیں
صانع قدرت نے موتی کوٹ کوٹ بھرے ہیں مژہ نکیلی اُس کمان ابرو کی دل میں دو سار ہونے کو
لیس ہے رشک لیلیٰ یہ غیرتِ قیس ہے ناوک نگاہ سے پیر چرخ تک پناہ نہیں لڑ و زی بیگناہوں
کی اسکی ملت میں ثواب ہے گناہ نہیں لوح پیشانی تختۂ سیمیں یا مطلع نور ہے یا طباشیر صبح یا شمع طور
ہے کاکل مشکیں سے زلف سنبل کو پریشانی ہے بو باس سے ختن والوں کو حیرانی ہے عنبر بیچ یوں
کو زندگی وبال ہے بال بال پر پیچ و خمدار ہے روئے تاباں بسان چشمۂ حیواں ظلمت سے نمودار ہے
ہما اپنے پر و بال سے اس صاحب اقبال کا مگس راں ہے رخ تابندہ کی چمک سے نیّر اعظم
لرزاں ہے لب گل برگ تر پر سبزے کی نمو ہے یا دھواں دھار مشاقوں کے دل کا دود ہے
نظر کام نہیں کرتی قدرت و دود ہے ہر حلقہ گیسوئے معنبر کا کمند گرہ گیر ہے مگر بالوں کے الجھنے سے
کھلتا ہے کہ کسی کی زلف پیچاں کا اسیر ہے خندۂ دنداں نما سے ہونٹ لعل بدخشاں کا رنگ
مٹاتا ہے دانتوں کی تاب سے گوہر غلطاں بے آب ہوا جاتا ہے معشوقوں کا اُن پر دانت ہے
دل و جان وارتے ہیں جو نظر سے پنہاں ہو دھاڑھیں مارتے ہیں دم تقریر درج دہاں جو کھلتا ہے
سامع موتی رولتا ہے ہر کلمہ اعجاز نما ہے بیار محبت کا مسیحا ہے ہاتھ ہر ایک نہال الفت کی
شاخ باردار ہے دل کی دست بردی کو اور خزانۂ قارون بانٹ دینے کو سردست تیار ہے
کف دست کی لکیریں دستاویز محبت ید قدرت سے تحریر ہے سرنوشت سے یہ کھلتا ہے کہ
سلسلۂ الفت میں کسی کی رگ و پے بستۂ زنجیر ہے مرآت سینہ میں عکس افگن کوئی صاحب جمال
ہے مدنظر کسی کا خیال ہے کمر نازک جستجو پر باندھے چست ہے بیٹھا سست ہے چلنے کو

مثل صبا آندھی ہے پاؤں وادی تلاش میں سرگرم رفتار ہیں ویر قدم دشت و کہسار ہیں قسمت برسر یاری ہے کہ ہمارے دام میں یہ ہمارے اوج شہریاری ہے یہ تصور دل میں تھا کہ کارپردازان محکمۂ ناکامی حاضر ہوئے اور مشاطۂ حسن و عشق نے پیش قدمی کر متاع صبر و خرد نقد دل و جان اسبابۂ ہوش و حواس تاب و توان بلکہ جگر افگار ارمغان رونمائی میں نذر شاہزادۂ والا تبار کیا عقل و دانش گم صمٌ بکمٌ کا نقشہ ہوا حضرتِ عشق کی مدد ہوئی سب بلا رد ہوئی شوق وصل پیدا ہوا جی شیدا ہوا دفعتاً کیا تھا کیا ہوا میر تقی سے تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی :: وہ نظر ہی وداع طاقت تھی :: ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ :: صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ :: دل پہ کرنے لگا طپیدن ناز :: رنگ چہرے سے کر گیا پرواز :: ملکہ تھرتھرا ہوا اور پر غش ہوئی خواصوں نے جلد جلد گلاب اور کیوڑہ بید مشک چھڑکا کوئی نادعلی پڑھنے لگی کوئی سورہ یوسف دم کرنے کو آگے بڑھنے لگی کسی نے بازو پر رومال کھینچکر باندھا تلوے سہلانے لگی کوئی مٹی پر عطر چھڑک کر سونگھانے لگی کوئی ہاتھ منھ کیوڑے سے دھوتی تھی کوئی صدقے ہو ہو روتی تھی بولی چہل گنجی کا کٹورہ لانا کسی نے کہا یشب کی تختی دھو کر پلانا کسی نے کہا لاریب آسیب ہے کوئی بولی عجیب مہ پارہ ہے جسے دیکھنے سے دل ناشکیب ہے کوئی سمجھی یہ شخص ہمجنس نہیں قسم جن سے ہے کوئی بولی یہ غشی تقاضائے سن سے ہے غرضکہ دیر میں ملکہ کو افاقہ ہوا مگر دل مضطرب طپیاں خواہش اسیطرف کشاں جذب عشق سے مقناطیس اور آہن کا عالم کشش محبت سے کاہ و کہربا اسی دم ہو گئی رنگ رو طائر پریدہ صبر و ضبط دامن کشیدہ مشورہ ہوا سواری ادھر سے پھیر و ملکہ کو بیچ میں گھیرو لیکن تاب تحمل و یارائے صبر ملکہ کو بالکل نہ تھا فرمایا دیوانیاں ہو یہ کوئی مسافر بیچارہ خانماں آوارہ غربت کا مارا تھک کر بیٹھ رہا ہے اس سے ڈرنا کیا چلو نزدیک سے دیکھیں ناچار وہ سب فرمانبردار چلیں مگر جھجکتی ایک دوسرے کو تکتی جوں جوں سواری قریب جاتی تھی ملکہ کی چھاتی دھڑکتی تھی دل میں تڑپ زیادہ باقی تھی اگرچہ جمال ملکہ مہر نگار بھی سحر سامری کا نمونہ مہ و مہر سے دونا عابد کش زاہد فریب تھا جانعالم بھی بیچین ہوا مگر دامن ضبط دستِ استقلال سے نہ چھوڑا جس طرح بیٹھا تھا جنبش نہ کی تیوری پر میل نہ آیا ایک خواص خاص باشارۂ ملکہ آگے بڑھی پوچھا کیوں جی میاں مسافر تمھارا کدھر سے آنا ہوا اور کیا مصیبت پڑی ہے جو اکیلے سوائے اللہ کی ذات ہیہات نہ کوئی سنگ ساتھ اس جنگل

وارد ہو شہزادے نے مسکرا کر کہا مصیبت تجھ پر پڑی ہو گی معلوم ہوا یہاں آفت زدے آتے ہیں کہو تم سب کی کیا کمبختی ایاموں کی گردش نصیبوں کی سختی ہے جو چڑیلوں کی طرح ناکام سرشار پھرتی ہو ملکہ یہ سن کر پھڑک گئی خود فرمانے لگی واہ واہ صاحب تم بہت گرما گرم تند مزاج حاضر جواب ہو حال پوچھنے سے اتنا برہم ہو کر کڑوہ فقرہ سنایا کہ اس مردار کے ساتھ تھو تھو مجھ چھٹ سبکو چھلپائیاں بنایا جان عالم نے کہا اپنا دستور نہیں کہ ہر کس و ناکس سے ہمکلام ہوں دوسرے مردار سے بات حرام ہے خیر دھوکے میں جیسا اُس نے سوال کیا ویسا ہم نے جواب دیا اب تمھارے منھ سے مُردار نکلا ہم سمجھ گئے چپ ہو رہے ملکہ نے ہنس کر کہا خوب یک نشد دو شد صاحب چونچ سنبھالو ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالو کیا میرے دشمن درگور مُردار خور ہیں آپ بھی کچھ منھ زور ہیں بھلا وہ تو کہہ کے سن چکی میں آپ سے پوچھتی ہوں حضور کس سمت سے رونق افروز ہوئے دولت سرا چھوڑے کے روز ہوئے اور قدوم میمنت لزوم سے اس دشت پُر خار کو کیوں رشک لالہ زار کیا جان عالم نے کہا چہ خوش آپ در پردہ بناتی ہیں بگڑ کر طنز سے یہ ناتی ہیں ہم حضور کاہے کو مزدور ہیں تم جیتے جی چار کے کندھے چڑھی ہو تم البتہ حضور ہو جو جلیسیں تھیں بولیں ملکہ عالم آپ کس سے گفتگو دو بدو کرتی ہیں یہ مرد وا تو لٹھ ہے سخت منھ پھٹ ہے ملکہ بولی چپ رہو ان باتوں میں دخل نہ دو ایسا نہ ہو یہ بدمزہ ہو جائے تو صلواتیں سنائے وہ سب ہٹیں آپس میں کہا خدا خیر کرے آج جنگل میں منگل ہوا چاہتا ہے یہ پردیسی پنچھی مسافر راہ بھولا چاہتا ہے ملکہ نے کہا اے صاحب کچھ منھ سے بولو سر سے کھیلو نذر بھینٹ جو چاہو لے لو جان عالم نے کہا امرائیت کو کام نہ فرماؤ نیچے آؤ معلوم ہوا تم بڑی آدمی ہو سواری مانگے کی نہیں خواصیں بھی تمھاری ہیں خاک نشینوں کی ہمبستری کرو تکلف تہ کر رکھو طبیعت حاضر ہو گی تو تمھارے بیٹھنے سے کچھ کہہ اٹھیں گے تم ہوا دار کیا ہوا کے گھوڑے پر سوار ہم فقیر بستر خاک پر سایہ دار حافظ ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؎ ملکہ بولی اس مدۃ العمر میں ایسا مسافر جریدہ دہن دریدہ تمھارے سوا بخدا نہیں دیکھا استاد ؎ زبان سنبھالو یہ منھ زوریاں غریبوں پر ؎ خدا کی شان کوئی تم سا بھی بدلگام نہیں ؎ تم کوئی اور چیز ہو یکہ و تنہا ٹٹو نہ گھوڑا گٹھری نہ بقچہ ننگا لچا وہی مثل ہے رہے جھوپڑے میں خواب دیکھے محلوں کا ہر بات میں ٹھنڈی گرمیاں کرتے ہو جو یہی خوشی ہے تو لو یہ کہہ کے ہوادار سے اتر شہزادے کے برابر بیٹھ گئی خواصوں

نے بہت بھیانک ہو کے کہا بی بی یہ موا کیا سحر بیان جادو کا انسان ہے ملکہ سی پری کو گالیاں دے دیکر کیسا شیشے میں اتار لیا بیٹھے بٹھائے میدان مار لیا ایک بولی تجھے اپنے دیدوں کی قسم سچ بولیو ایسا جوان رنگیلا سجدار نکیلا ٹھٹھول طرار آفت کا پرکالا دنیا سے نرالا تو نے یا کبھی تیری ملکہ نے دیکھا بھالا تھا اری دیوانی نادان خوبصورتی عجب چیز ہے اس کا دوست طالب دشمن کا مطلوب ہے حسن خوب کو مرغوب ہے جہان کو عزیز ہے غرضکہ جب ملکہ بیٹھی جانعالم دم سرد بھر کے بول اٹھا الا اعلم؎ چہ گویم از سر و سامان خود عمریست چوں کاکل ؛ سیہ بختم پریشاں روزگارم خانہ بردوشم ؛ مؤلف؎ سراسر دل دکھاتا ہے کوئی ذکر اور ہی چھیڑو ؛ پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو اپنے ٹھکانے کا گرفتار رنج والم خوشی سے دور مبتلائے غم بے یار و مددگار دوست نہ غمخوار آفت کا مارا گھر بار سے آوارہ ہمہ تن یاس باختہ حواس توشۂ راہ بجز غم جانکاہ نہیں اور رہبر سوائے دل مضطر ہمراہ نہیں گو پاؤں میں طاقت رفتار نہیں لیکن ایڑیاں رگڑنا بھی اس راہ میں ننگ و عار نہیں یہ حال ہے وہ سب نام ہیں کوہ و دشت اپنے مقام ہیں اور دریا چند شعر میر سوز صاحب کے مطابق حال ہیں میر سوز؎ ظاہر میں گرچہ بیٹھا لوگوں کے درمیاں ہوں ؛ پر یہ خبر نہیں ہے میں کون ہوں کہاں ہوں ؛ اے ساکنان دنیا آرام دہ گے اک شب ؛ بچھڑا ہوں دوستوں سے گم کردہ کارواں ہوں ؛ ہاں اہل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو ؛ تنہا نہیں ہوں بھائی با نالۂ و فغاں ہوں ؛ سوراخ چاک لاکھوں داغوں کی کون گنتی ؛ گلشن دل و جگر ہے گو صورت خزاں ہوں ؛ نام و نشاں نے یارب سوا کیا ہے مجھ کو ؛ جی چاہتا ہے حق ہو بے نشان و بے نشاں ہوں ؛ قاتل پکارتا ہے ہاں کون کشتنی ہے ؛ کیوں سوز چپ ہے بیٹھا کچھ بول اٹھ نہ ہاں ہوں ؛ یہ پڑھ کے چپ ہو رہا ملکہ سمجھی یہ مقرر شاہزادہ عالی تبار ہے مگر کسی کا عاشق زار ہے بات میں یہ تاثیر ہے کہ ہر کلمہ ناوک کا تیر ہے دل میں آیا کسطرح گھر لے چلیے پھر حال مفصل معلوم ہو جائے گا کہاں تک چھپائے گا بمنت و سماجت کہا اے عزیز یہ سرزمین ہمارے علاقہ میں ہے تم یہاں مسافرانہ اتفاقات زمانہ سے وارد ہو مہمانی ہم پر واجب ہے چند گام اور قدم رنجہ کیجیے غریب خانہ قریب ہے آج کی شب استراحت فرمائیے نان خشک کھانے صبح اختیار باقی ہے جانعالم نے تبسم کرکے کہا پھر در پردہ امارت کی لی یعنی ہم تو یہاں سے

مالک ہیں آپ بھوکے پیاسے سالک ہیں چلو یہ فقرہ کسی فقیر کو سُناؤ محتاج کو کرو فرجاہ و حشم دکھاؤ جادۂ اعتدال سے زبان کو گام فرسا نہ فرماؤ یہاں طبیعت اپنی اپنے اختیار میں نہیں اور رواداری سے فرصت قلیل ہے مکان پر جانا دعوت کھانا جبر ہے اسکی کیا سبیل ہے ملکہ نے افسردہ خاطری سے کہا دعوت کا رد کرنا منع ہے آیندہ آپ مختار ہیں ہم مجبور ناچار ہیں جانِ عالم نے دلمیں خیال کیا برسوں کے بعد ہمجنسوں کی صحبت میسر آئی اور یہ بھی شاہزادی ہے اس کا آزردہ کرنا نری بیحیائی ہے آدمیت کا لحاظ انسانیت کا پاس اپنی بے اعتنائی کا حجاب کرکے کہا کھانے پینے سونے بیٹھنے کی ہوس دل سے اٹھ گئی ہے مگر دل شکنی کسی کی اپنے مذہب میں گناہِ عظیم ہے خدا علیم ہے شعر۔ عوض ہے دل شکنی کا بہت محال اے یار ؛ جو شیشہ ٹوٹے تو کیجیے جواب شیشے کا ؛ لیکن اتنی رکھائی اور رکج ادائی جو ظہور میں آئی اس نظر سے تھی شعر۔ درمحفل خود راہ مدہ ہمچو منے را ؛ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را ؛ دلفگاروں کی صحبت سے ملال حصول ہوتا ہے غمگین کا ہمنشین ہمیشہ ملول ہوتا ہے میر درد ۔ نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہووے دوستو درد کو محفل میں تم نہ یاد کرو ؛ اور جو یوں ہی مرضی ہے تو بسم اللہ یہ کہہ کر اٹھا ساتھ ساتھ ہاتھ میں ہاتھ پیادہ پا باتیں کرتا چلا بسکہ شاہزادہ لطیف و ظریف تھا کوئی فقرہ نوک جھوک رمز و کنایہ سے خالی زبان پر نہ لاتا تھا ملکہ کا ہر بات میں دل گھلا جاتا تھا مگر دل سے کہتی تھی کہ اے ناکام وبخت نافرجام ایسا نہ کرنا کہ ہاتھ ننگ و ناموس سے دھونا پڑے بیٹھے بٹھائے الم مفارقت میں رونا جان کھونا پڑے ظاہر ہے کہ یہ کسی کا عاشق زار ہے نشۂ محبت میں سرشار ہے دوسرے غریب الوطن بقول میر حسن ۔ مسافر سے کوئی بھی کرتا ہے پیت ؛ مثل ہے کہ جوگی ہوے کس کے میت ؛ مگر تپش دل متصل ترقی میں تھی خواہش جی کی کاہش میں بیقراری کو اُس پر قرار تھا خدا کے کارخانے میں کسی کو دخل نہیں ہوا اسے نادان جو دم وصل ہے اسے غنیمت جان آغاز عشق میں انجام سوچنا خلاف ہے اسمیں شرع کی تکلیف معاف ہے مؤلف ۔ غنیمت جان لے یہ صحبتیں آپس کی اے دلِ ناداں ؛ دگرگوں حال ہو جاتا ہے اک دم میں زمانے کا ؛ القصہ تا در باغ پہونچے دروازہ کھلا اندر آئے جہاں کی فزائے صحرا وہ تھی وہاں کے باغ کا کیا کہنا اگر ایک تختہ کی صفت تحریر کروں ہزار تختۂ کاغذ بر بخط ریحاں نہ لکھ سکوں

دم تسطیر قلم میں برگ نکلتے ہیں لکھنا بار ہوتا ہے ہاتھ پاؤں بالکل پھولتے ہیں صفحۂ قرطاس پر
گل پھولتے ہیں حاسد کو خار ہوتا ہے بہت آراستہ و پیراستہ عرض مربع میں چاروں کونوں پر بنگلے
گرد سبزۂ نوخاستہ دروازہ عالی شان نفیس مکان زیر دیوار خندق پر کیلے اکیلے نہیں قطار در قطار
تختہ بندی کی بہار روش کی پٹریاں قرینے کی مہندی کی ٹٹیوں میں رنگت سینے کی گل مہندی
سرخ و زرد پرافشاں عباسی کے پھولوں سے قدرت حق نمایاں نرگس دیدہ منتظر کی شکل دکھاتی تھی
گل شبو سے بھینی بھینی بو باس آتی تھی میوہ دار درخت یک لخت جدا بار کے بار سے ٹہنیاں
جھکیں درخت سرکشیدہ پھل لطیف و خوشگوار پھول نازک و قطعدار روشیں بلور کی نہریں لہر کی
حوض و نہریں میں فوارے جاری چمنوں میں باد بہاری موسم کی تاک میں تاک کا مستونکی روش جھومنا
غنچۂ سربستہ کا منہ تاک تاک کر نسیم کا چومنا انگور کے خوشوں میں ڈال آبلہ دار کا تیا زربفت کی تھیلیاں
چڑھیں نگہبانی کو گوشوں میں باغبانیاں الست کھڑیں ہر تختہ ہرا بھرا روش کی پٹریوں پر چینی کے
ناندوں میں درخت گلزار معنبر و معطر بیلا و چنبیلی موتیا موگرا مدن بان جوہی کیتکی کیوڑا نسرین و نسترن
کی نرالی آن بان ایک سمت تختوں میں لالہ خوف خزاں سے بادل داغدار گرد اس کے نافرمان
کی بہار سرو و شمشاد لب ہر جو فاختہ اور قمری کی اس پر کوکو حق سرہ شاخ گل پر بلبل شوریدہ کا شور چمن
میں رقصاں مور کہیں خندۂ کبک کی آواز کہیں تدرو کی خرام ناز نہروں میں قاز بلند آواز تیز پرواز
ایک طرف قرقرے سے سر پا تک درخت گل و بار سے لدے سیب بہی و ناشپاتی سے زنخ گلعذار کی
کیفیت نظر آتی سنبل سلسل میں پیچ و تاب زلف مہوشان کا ڈھنگ سوسن کی اودا ہٹ
مستی خوبرویوں کا جوبن دکھاتی داؤدی میں صنعت پروردگار عیاں صد برگ میں ہزار جلوے
نہاں آم کے درختوں میں کیریاں نہ مردنگار مولسری کے درخت سایہ دار باغبانیاں خوبصورت
سرگرم کار خواجہ سرا امرد انکے مددگار حور و غلمان کا عالم بیلچے کھرپیاں جواہر نگار ہاتھوں میں
باہم درخت اور روشوں کو دیکھتی بھالتی گل و بار چمن سے چنتی گلا برگ سر بار جھڑا پڑا خار صحن سے
نکالتی پھرتی تھیں بیچ میں بارہ دری پُر شوکت با رفعت و شان پرستان کا مکان ہر کمرہ سجا سجایا صناع
نادردست کا بنایا غلام گردش کے آگے چبوترہ سنگ مرمر کا حوض مصفا پانی سے چھلکتا فرش
سب نورافشاں پتھر کا شامیانہ تمامی کا تنا سفید بادلے کی جھالر کلابتو کی ڈوریاں

سراسر مغرق بنا چودھویں رات ابر کھلا آسمان صاف شب ماہ سامان اس تکلف کا برسات
کی چاندنی سبحان اللہ فوّاروں کے خزانے میں بادلہ کٹا پڑا ہزارے کا فوارہ چڑھا پانی کے ساتھ
بادلہ کی چمک ہوا میں پھولوں کی مہک فوارے نے زمین کو ہمسر آسمان بنایا تھا ستاروں کے
بدلے بادلے کے تاروں کو بچھایا تھا بڑی چمک دمک سے ملکہ کے مکان پر چاندنی دیکھنے کا
سامان تھا شہزادے کے آنے کا کسے گمان تھا غرضکہ جانعالم کو لیجا شامیانے تلے مسند مغرق
پر بٹھایا شراب ارغوانی کی گلابیاں کشتیوں میں لے کردہ زن پری پیکر زیب دہ انجمن ہوئی کہ بطِ
رشک و خجالت سے بحر ندامت میں غوطہ زن ہوئی ایک طرف جام و سبو ایک سمت نغمہ سرائیاں
خوبرو و خوش گلو سفید سفید صوفیانی پوشاک سر سے پاؤں تک الماس کا زیور دو دو صف باندھکر

تصویر باغ پُر تکلف چار کونوں پہ بنگلہ بیچ میں بارہ دری و شہزادہ
و ملکہ مع صُراحی و نغمہ سرائیاں



کھڑی ہوئیں اُنکے بیٹھتے ہی گانا شروع ہوا سارنگی کے سُر کی زوں زوں ٹوں کی صدا چرخ
پُر زہرہ کے گوش زد ہوتی تھی طبلے کی تھاپ بائیں کی گمک خفتگانِ خاک کا صبر و قرار کھوتی تھی
ہر تان اُپج تان سین پر طعن کرتی باربد اور نکیسا کے ہوش پرّاں تھے چھجو خاں کو غش تھا غلام رسول
حیران تھے زمزمے اور تحریر گٹکری پر شوری زور و شور سے ہاتھ ملتا تھا ہر پسے فقرے اور سُر کے
پلٹے پر الٰہی بخش پوربی کا جی نکلتا تھا ناچنے کو ایسے ایسے برق وش آئے اور اس تال و سُر
سے گھونگرو بجائے کہ ملوجی شرمائے کتھک جو بڑے استاد تھک تھے انھوں نے سم کھائے ٹھوکر
مردہ دلوں کی مسیحائی کرتی تھی گت کے ہاتھ پر یہ گت تھی کہ مجلس کفِ افسوس ملتی تھی اور دم
سرد بھرتی تھی جب ہنگامۂ صحبت باین نوبت پہونچا کہ راجہ اندر کی محفل کا جلسہ نظر سے
گر گیا بہشت کا سامان پیش چشم پھر گیا اُس وقت ملکہ مہر نگار نے گلاس شراب سے بھر کر شہزادے
کو دیا کہا اسے نوش کر لیجیے تا رنج سفر خاطر انور سے دور ہو مجھے استفسار حال ضرور ہے جانعالم
نے باسباب ظاہر انکار کیا مہر نگار نے کہا آپ دل شکنی روا نہیں رکھتے اس پہلو تہی کرنے میں
ملال خاطر کے سوا کیا متصور ہے شہزادے نے مسکرا کر ساغر لیا یہ کہہ کر باطبع شگفتہ پیا اشعار
گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیے ؛ زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں ؛ پھر جان عالم نے
جام شراب اپنے ہاتھ سے ملکہ کو دیا دور جام بے دغدغۂ نیرنگی ایام چل نکلا دو چار ساغر
آب آتش رنگ جوانی کی ترنگ میں بہم متواتر جو پیے دونوں کو گونہ سرور ہوا رنج سفر ادھر سے
تیز دخیال خیر و شر ادھر سے دور ہوا اُس وقت جان عالم نے کہا میر درد سے ساقیا یاں
لگ رہا ہے چل چلاؤ ؛ جب تلک بس چل سکے ساغر چلے ؛ یہ سُن کر وہی خواص گرما گرم
جس نے شاہزادے سے پہلے گفتگو کی تھی ملکہ کے بہت منھ لگی تھی یہ بولی بقا لطف شب
مزائے دل اُس دم تجھے حاصل ہو ؛ اک چاند بغل میں ہو اک چاند مقابل ہو ؛ ملکہ نے بحسرت فرمایا
کہ مردار ہم تیری چھیڑ چھاڑ سب سمجھتے ہیں کیا کریں افسوس کی جا ہے حال اپنا موافق قول
سودا ہے رفیع السودا سے جو طبیب اپنا تھا دل اس کا کسی پہ نزار ہے ؛ مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ
آپ ہی بیمار ہے ؛ جانعالم نے یہ سنکر اسی خواص کو سنا کر متنبہ کیا استاد سے میں مسافر ہوں مجھ سے
دل نہ لگا ؛ کیا بھروسہ مرا رہا نہ رہا ؛ ملکہ ٹال کر حال پوچھنے لگی کہ تمھیں بخدائے عز وجل سچ کہو

تم کون ہو کہاں سے آئے ہو کس کی تلاش میں خود رفتہ گھبرائے ہو اس وقت جانعالم کو بجز راستی مفر نظر نہ آیا کہا ملکہ میں شاہ فیروز بخت کا بیٹا ہوں جان عالم نام ہے سرزمین ختن وطن ہے فسحت آباد سلطنت کا مقام ہے میں نے ایک طوطا مول لیا تھا بہت طرار سحر گفتار اسکی زبان سے شہرۂ حسن انجمن آرا سُنکے نادیدہ دیوانہ وار بیقرار بیابان مرگ آوارہ وطن مور دِ رنج و محن ہوا ہوں پھر طوطے کا راہ میں اُڑ جانا وزیر زادے کا پتہ نہ پانا شمہ بیان گرفتاری طلسم اور اپنی خواری جادوگرنی کا نقش سلیمانی کا دینا اور اپنا راستہ لینا کہہ کر کہا بے ملک زرنگار پہونچے نہ جان کو نہ دل کو قرار ہے زیست بیکار ہے اور یہ غزل پڑھی مؤلف ؎ بسوز شمع دیاں اسطرح کا سینہ سوزاں ہوں ٭ کہ رفتہ رفتہ آخر جلوۂ سرو چراغاں ہوں ٭ نسیم صبح ہوں یا بوئے گل یا شمع سوزاں ہوں ٭ میں ہوں جس رنگ میں پیارے غرض دم بھر کا مہماں ہوں ٭ نہ پھل پایا لگانے کو بجز افسوس و حسرت کے ٭ میں نخل بے ثمر کس مرتبہ مردود دہقاں ہوں ٭ عبث تدبیر ہے گور و کفن کی اُس کے کوچے میں ٭ میں ننگ دو جہاں ننگے ہی رکھ دینے کا شایاں ہوں ٭ نہ مرتے مرتے منہ پھیرا محبت سے کبھی میں نے ٭ جفائیں کس قدر جھیلیں وفا پر اپنی نازاں ہوں ٭ تنی رہتی ہے اکثر چادر مہتاب تربت پر ٭ کہ تا معلوم ہو سب کو قتیل مہ جبیناں ہوں ٭ سرور غم رسیدہ ہوں مجھے طوفان محشر میں ٭ ترا نا تو خداوندا غریق بحر عصیاں ہوں ٭ ملکہ نے جب سُنا کہ یہ فریفتہ جمال پری تمثال انجمن آرا سے ہے آہ دلدوز نعرۂ جانسوز کھینچکر رونے لگی امید قطع ہوئی جان عالم نے بیقرار ہو کے کہا ایں ملکہ بہر گار خیر باشد ملکہ نے اسی حال میں کہا استاد ؎ مائل اس فتنۂ عالم پہ کیا جو مجھ کو ٭ سوئے بیداد مگر مرضی دوراں آئی ٭ چاک دل تک تو کچھ اے دست جنوں پردہ تھا ٭ یہ کھلا تو کہ نوبت بگریباں آئی ٭ اے شاہزادۂ والا تبار غارتگر کشور دل عاشق زار میرا حال سُن ع ؎ عجیب واقعہ و طرفہ ماجرائے ہست ٭ باپ میرا شہنشاہ تھا بہت سے تاجدار خراج گذار تھے مگر ابتدا سے طبیعت متوجہ فقر تھی اور عبادت کی عادت تھی آخر کار کارخانہ دنیائے دون ہیچ و پوچ جان کے یہ شعر ورد زبان کیا شعر ؎ جب ہیچ ہی ہم پوچھ چکے وضع جہاں کو ٭ غم ہیچ الم ہیچ طرب ہیچ عطا ہیچ ٭ اور حکومت کا بکھیڑا چھوڑ چھاڑ معاملہ سلطنت بیکار جان اور بے ثباتی جہان گذران مد نظر کر دینا سے ہاتھ اُٹھا بادشاہت کو مٹا آبادی سے منہ موڑا اس

صحرائے پرخار میں مکان بنا کر بیٹھ رہا ہرچند مجھ سے شادی کو ارشاد کیا میں نے بسبب مفارقت انکار کیا اب دفعتاً آفت آسمانی و بلائے ناگہانی مجھ پر ٹوٹ پڑی کہ بیک نگاہ عاشق کیا دیوانی ہوگئی ہوش و حواس سے بیگانہ ہوگئی میرے رسوا ہوا خراب ہوا مبتلا ہوا: کیا جانیئے کہ دیکھتے ہی مجھ کو کیا ہوا: اور تو اُس کا عاشق و طلبگار ہے جس کا نظیر اس زمانہ میں ہاتھ آنا بہت دشوار ہے میرے محل نشیں ہیں کتنے خدام میں یاں : لیلےٰ کا ایک ناقہ سو کس قطار میں یاں : اب بجز مرگ کیا چارہ ہے ننگ خاندان ذلت دہ و خراب کنندۂ خاندان فقط خواری ماں باپ کی اور گریہ و زاری اپنی چاہتی تھی صبح تو کہاں اور میں کہاں یہ صحبت شب خواب ہوجائے گی نمود صبح مفارقت شام غربت کا رنگ دکھائے گی دامن صحرا کی طرح گریبان صبر چاک ہوگا ہمارے سر پر آفت و خرابی آئے گی انصاف کیجیے کس سے کہونگی بیقراری ستاتی ہے جانعالم کی جدائی سے روح بدن سے جدا ہوتی ہے جان جاتی ہے ہم صحبتیں طعنے دیں گی انیسیں چھیڑ چھیڑ کر جان لیں گی جب لونڈیوں پر خفا ہوں گی بڑبڑائیں گی زبان پر یہ کلمہ لائیں گی ملکہ عاشقی کا رنج و ملال یوں در پردہ ٹالتی ہیں شہزادہ چلا گیا نہ رک سکا اس سے بس نہ چلا غصے کی جھانجھ ہم پر نکالتی ہیں باپ پر حال کھلا تو خجالت ہوگی ماں نے اگر سُنا تو ندامت سے کیا حالت ہوگی۔ رسوائی کے خوف سے دل کھول کر نہ رو سکوں گی بدنامی کے ڈر سے جی نہ کھو سکوں گی جب دل بیتاب ہجر سے گھبرائے گا تو فرمایئے کون تسکین فرمائے گا۔ کیا کہہ کے سمجھائے گا آپ ادھر تشریف لیجائیں گے ہم ادھر غم فرقت سے گھٹ گھٹ کر مرجائیں گے ہماری سرنوشت پر رونا روا ہے ماجرا ہمارا عبرت و حیرت افزا ہے ہرچند ظل سبحانی عامل بے بدل ساحر بےمثل ہیں علوی سفلی سب کچھ پڑھا لکھا ہماری پیشانی اور لوح جبیں کی تحریر نہ دیکھی کہ کیا پیش آنی ہے اور خط شکستہ سے ایسے نستعلیق نے کیا بُرا لکھا ہے افسوس صد افسوس مؤلف سے وہ بھی ہوگا کوئی امید بر آئی جسکی : اپنے مطلب تو نہ اس چرخ کہن سے نکلے : یہ باتیں کر دل پر ہاتھ دھر رونے لگی دامن و گریباں آنسو سے بھگونے لگی شہزادے کو ثابت کیا یقین ہوا کہ ملکہ بشدت فریفتہ و شیدا ہے بات سے حزن و ملال ہویدا ہے دل دکھنے کے مزے سے زبان لذت پاچکی تھی جان ہجر کے صدمے اٹھا چکی تھی بےچین ہو کر بولا ارمان کو

تسکین کی باتوں میں کھولا کہا آپ کا کدہر خیال ہے بندہ فرمانبردار بہر حال ہے جو کہو گی بجا لاؤنگا بار اطاعت سے سر نہ اٹھاؤں گا مگر برائے چندے صبر و جبر ضرور ہے اگر اسکی جستجو میں نہ جاؤنگا تمہیں میری کیا امید ہوگی ہمچشموں کو کیا منہ دکھاؤں گا سبحان اللہ وہ وقت دیکھا چاہیئے کہ معشوق عاشق کی تسکین کرے اپنی اطاعت اس کے ذہن نشین کرے خوش قسمتوں کو ایسے بھی مل جاتے ہیں کہ عاشق کے رنج کا غم کھاتے ہیں دلداری کرکے سمجھاتے ہیں اس کا لوگ رشک کرتے ہیں آتش حسد سے جل مرتے ہیں ملکہ یہ سنکر شاد بند غم سے آزاد ہوئی یہ بات امتحان کی ہے جسے جی پیار کرتا ہے اگر وہ جھوٹ بھی بولے تو عاشق کو سچ کیا بمنزلہ آیت و حدیث ہوجاتا ہے مگر یہ کہا مصحفی عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل ؛ وہ کام تو کہتا ہے جو آتا نہیں مجھ کو ؛ لیکن خیر ہم تو اسے بھی جھیل لیں یہ کھیل بھی کھیل لیں اگر ہماری یاد تمہیں فراموش نہ ہو وحشت کا جوش نہ ہو جانعالم نے قسمیں شدید کھائیں اختلاط کی باتیں درمیان میں آئیں کہ اس میں سر مو فرق نہ ہوگا اور مژدہ وصل سے سرور کیا خیال مفارقت ملکہ کے دل سے دور کیا کہا اب ہنسی خوشی کی باتیں کرو یہ بکھیڑا جانے دو مفارقت سر پر کھڑی ہے رات تھوڑی کہانی بڑی ہے فلک سفلہ پرور جفا کیش ہے عاشق و معشوق کا بد اندیش ہے استاد ۔ بشب وصل شکوہ ہا مکنید ؛ شب کوتاہ قصہ بسیار ست ؛ مگر شب وصل ہمیشہ سے کوتاہ ہے خدا گواہ ہے دو کلمے ہنسی کے ہنوز پورے نہ ہونے پائے گردوں کو رشک آیا یکایک مرغ سحر بیدار باش پکارا زاہد نے نعرۂ اللہ اکبر مارا اجگر کی آواز بھی دونوں کے کانوں میں آئی یساولان سلطان خاور نے صبح کی دھوم مچائی ملکہ پریشان ہوکے بولی مؤلف ۔ وصل کی شب چونک اٹھے ہم سن کے زاہد کی صدا ؛ یاں دم تکبیر ہی اللہ اکبر ہو گیا ۔ ولہ ۔ زاہد بھی تیسرا ہے شب وصل میں حریف ؛ مشہور گو جہان میں صبح خروش ہے ؛ جانعالم نے نماز پڑھکر کمر بعزم سفر چست کی ملکہ سہم کر آبدیدہ ہو یہ شعر پڑھنے لگی جراَت ۔ نہ آیا اور کچھ اُس چرخ کو آیا تو یہ آیا ؛ گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجراں کا ؛ جب شہزادے نے چلنے کا قصد کیا ملکہ نے کہا اگر ہرج متصور نہ ہو میرے والد سے ملاقات کرلو یہ امر فائدے سے خالی لاابالی نہ ہوگا جانعالم نے کہا بہتر ہے پھر وہی خواص ہمراہ ہوئی جب وہاں پہنچا

دیکھا بوریائے بے ریا بچھا ہے مصلے پر ایک پیر مرد مہذب بذکر حق مشغول با دل ملول بیٹھا ہے
یہ رسم سلام بجا لایا اس نے دعائے خیر دیکھ ہاتھ بڑھایا چھاتی سے لگایا قریب بٹھایا پھر فرمایا
ماجرائے شب تیرہ ملکہ فقیر پر روشن ہے ایسی بدقسمت دوسری خلق میں خلق نہیں ہوئی ہمارے
کہنے سے انکار کیا بڑے بول کا سر نیچا ہوا تو تم سے کیا کیا دار و مدار کیا جو تم اتنی تسکین نہ کرتے تو اسکا
زندہ رہنا محال تھا اس طرح کا دل پر صدمہ اور ملال تھا اگر ایفائے وعدہ کروگے اللہ بھلا کریگا

تصویر جانعالم مع ایک خواص پاس پیر مرد کے آنا اور اس کا لوح دیکر رخصت کرنا



دگرنہ یہ رنج برا ہے دیکھئے اُس کا کیا حال کرے گا دلداری جگر فگاروں کی عیادت مرض محبت
کے بیماروں کی جوانمردوں پر فرض ہے یہ سمجھنا ساحل را از خس و خاشاک گذار و گل را از
صحبتِ خار ننگ و عار نمی باشد شہزادے نے سر جھکا عرض کیا آپ کیوں محجوب فرماتے ہیں
مجبور ہوں اس عزم میں گھر چھوڑا عزیزوں یگانوں کو ترک کر شہر سے منہ موڑا وہ کہیں گے
سخت کم ہمت اور بے جرائت تھا راہ میں آسایش ملی بیٹھ رہا خوف سے نہ جا سکا جھوٹا تھا ناحق

عشق کا دم بھرا پیر مرد نے فرمایا مرحبا جزاک اللہ یہی شرط جوانمردی و ثابت قدمی ہے ہمیں بھی تمہارے اس عزم سے ایفائے وعدہ کی امید ہوئی پھر ایک لوح عنایت کی اور کہا جب کوئی مہم سخت روبکار ہو بطرز فال اُس حال میں اُسے دیکھنا جو نکلے اُس پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ وہ مشکل سخت ایک آن کی آن میں آسان کرے گا بحفظ حافظ حقیقی سپردم اللہ معکم اینما کنتم و فرد بسفر رفتنت مبارک باد ❊ بسلامت روی وباز آئی ❊ شہزادہ رخصت ہوا لوح لیکر ملکہ کے پاس آیا یہ شعر زبان پر لایا مؤلف ؎ کوچ کی اپنے اب تیاری ہے ❊ تیرا حافظ جناب باری ہے ❊ ملکہ نا کام گردش ایام دیکھ اور یہ کلمۂ جانکاہ سُنکر کلیجہ تھام سر دُھنکر یہ اشعار پڑھنے لگی استاد میں مرگئی سُن اُسکے سرانجام سفر کا ❊ آغاز ہی دیکھا نہ کچھ انجام سفر کا ❊ کہتے ہیں کہ وہ جاتا ہے کچھ ایسی دعا کر ❊ مسدود ہو رستہ دل ناکام سفر کا ❊ ست جان سمجھ مجھے اے جان لیئے چل ❊ کرتی چلونگی ساتھ ترے کام سفر کا ❊ میں کشور ہستی ہی سے اب کوچ کرونگی ❊ آگے نہ مرے لیجیو تو نام سفر کا ❊ چلنے کی صلاح اُسکے ٹھہرتی نہیں اب ساتھ ❊ موقوف نوازش ہوا آرام سفر کا ❊ آخر جبرًا قہرًا رخصت کیا کہا خدا حافظ امام ضامن ثامن کو سونپا۔ ع ؎ ترا موسیٰ رضا ضامن ترا اللہ والی ہے ❊ جس طرح پیٹھ دکھاتے ہو اسی صورت اللہ تمہارا منہ دکھائے غم دوری ہمارا دور ہو جائے جانِ عالم یہ سنکر روانہ ہوا یہاں تپش دل کا بہانہ ہوا دریائے سرشک چشم خون جگر سے موج زن ہوا غریق لجۂ مفارقت جان و تن ہوا جلیسیں بولیں ملکہ کیوں جی کھوتی ہو جو اس طرح بلک بلک کر روتی ہو مسافر کے پیچھے رونا زبون از حد ہے۔ بی بی خیر ہے یہ شگون بد ہے وہ بھی دن اللہ دکھائے گا جو وہ پردیسی صحیح و سلامت خیر سے پھر آئے گا تو اُن کو وہ غم کی ماری یہ سمجھاتی سوزے چشم کا کام اشکباری ہے ❊ چشمۂ فیض ہے کہ جاری ہے مؤلف ؎ بیدرد کوئی اتنا سمجھتا نہیں ہے ہے ❊ دل دکھے تو کس طرح سے فریاد نہ ہوئے ❊ دلہ ؎ مجھ کو رونے کو نہ تم منع کرو ہم نفسو ❊ غم دل کرتی ہوں میں دیدۂ تر سے خالی ❊ اور جب آنسو کمی کرتے تو دل و جگر سینے میں برہمی کرتے اس وقت گھبرا کر یہ کہتی مؤلف ؎ درد اے سوز جگر تا کہ نہ ہوئے خفت ❊ نوک مژگاں ہوئی پھر لخت جگر سے خالی ❊ پھر نہ منہ اُس نے کیا میری طرف اے ظالم ❊ سخت تم بھی مرے نالو ہوا اثر سے خالی ❊ نہ لگا اس کو مری بات کو تو مان سرور ❊

دل کا لگنا نہیں اے یار مزار سے خالی ٭ غرض کہ جوں جوں شہزادے کی مفارقت بڑھتی تھی ملکہ صدمۂ ہجر سے دوں دوں گھٹتی تھی بدر سا چہرہ کاہیدہ ہو کر ہلال ہوا تب جدائی سے عجب حال ہوا کبھی کہتی تھی وائے ناکامی اگر دل کا حال کہوں شرم آتی ہے چپ رہوں جان جاتی ہے یہ سب کہتے ہونگے ملکہ کو غیرت نہیں آتی ہے راہ چلتوں سے بیٹھے بٹھائے دل لگاتی ہے آپ روتی ہے ہمیں مفت رلاتی ہے اس سمجھانے والے کو کہاں سے لاؤں جسے دل کا حال سناؤں زیست اسی میں ہے جو مر جاؤں اب کون آنسو پونچھ رونے کو منع کرے گا کون میرے دم گرم پر آہ سرد بھرے گا پیار سے سر چھاتی پر دھرے گا جب ملکہ کا یہ حال مصیبت چپکے چپکے جی سے باتیں کرنا دیکھ کر لوگ گھبرتے دست شفقت سر وحشت انگیز پر پھیرتے اور پوچھتے کہ اے جی کے دشمن ہمیں تو بتا دل کا حال کیا ہے تو وہ کہتی اور تو کچھ جانتی نہیں پر یہ نقشہ ہے کہ ہاتھ پاؤں سنسناتے ہیں خود بخود غش چلے آتے ہیں دم سینے میں بند ہے گھبراتا ہی مکان کاٹے کھاتا ہے باغ ویران گل و بوٹا خار معلوم ہوتا ہے گھر زندان بات کرنا بیکار معلوم ہوتا ہے جان بیقرار ہے بند بند ٹوٹتا ہے دامن صبر دست استقلال سے چھوٹتا ہے جنگل پسند ہے ویرانی کا دل خواہشمند ہے دشت کا سناٹا بھاتا ہے بلبل کا نالہ دل دکھاتا ہے خدا جانے کس کی جستجو ہے دل کو مرغوب قمری کی کو کو ہے تنہائی خوش آتی ہے آدمیوں کی صورت سے طبیعت نفرت کھاتی ہے سینہ جلتا ہے دل کو کوئی مسوس کر ملتا ہے آنکھ ظاہر میں بند ہوئی جاتی ہے مگر نیند مطلق نہیں آتی ہے ہاتھ چاہتے ہیں درست چاک گریباں دیکھیں پاؤں چل نکلے ہیں کہ بیاباں دیکھیں نل دمن کی مثنوی سے ربط ہے لیلیٰ مجنوں کا قصہ پڑھتی ہوں یہ کیا خبط ہے دل کی تمنا ہے کہ بے قراری کر آنکھیں اُڈی ہیں کہ اشکباری کر جہاں کی بات سے کان پریشاں ہوتے ہیں مگر جان عالم کا ذکر دل لگا کر سنتی ہوں جو کوئی سمجھاتا ہے رونا چلا آتا ہے سر دھنتی ہوں ناکامی مجھ خستہ و پریشان کا کام ہے آہ مجھ بے سروسامان کا تکیہ کلام ہے منھ کی رونق جاتی رہی زردی چھا گئی. بہار حسن پر خزان آگئی ہر دم لب پر آہ سرد ہے ایک دل ہے اور ہزار طرح کا درد ہے جان جانے کا وسواس نہیں. بزرگوں کا لحاظ و پاس نہیں زیور طوق سلاسل ہے زیب و زینت سے بد مزگی حاصل ہے

دل وجگر میں گھاؤ ہے بگاڑ بناؤ ہے بستر نرم خار ہے ارے لوگو یہ کیا آزار ہے سب سے آنکھ چراتی ہوں ہم صحبتوں سے شرماتی ہوں اب صدمہ اٹھانے کا یارا نہیں بے موت اِس بکھیڑے سے چھٹکارا نہیں عجب حال ہے اکثر یہ خیال ہے ۔ مؤلف ؎ افسوس یہ حال ایک عالم دیکھے ؛ ایسا نہ ہوا کہ جان عالم دیکھے ؛ اگر اسی کا عشق عاشقی نام ہے تو میں درگذری میرا اسلام ہے جو لوگ عشق کرتے تھے کیونکر جیتے تھے بتاؤ تو کیا کھاتے کیا پیتے تھے دو دن سے کچھ نہیں کھایا مگر پیٹ بھرا ہے کھڑی ہوں جی بیٹھا جاتا ہے پہلے مجھے نہ منع کیا ہے سہے تیرے جان کے دشمنوں یہ کیا کیا اللہ کی مرضی کسی کا کیا بگڑا میری قسمت کا لکھا جو کیا وہ اچھا کیا یہ سُن کے ایک کھیلی کھلائی عشق کے صدمے اٹھائی قریب آئی کہا قربان جاؤں واری ابھی سلامتی سے تو گرفتاری ہے جو اتنی آہ وزاری اور بیقراری ہے سہتے سہتے عادت ہو جائیگی تو تسکین آئیگی ان باتوں سے جو دل بھر آیا بے اختیار خونابۂ دل لخت جگر چشم تر سے متصل بہانے لگی دیدہ دیدار طلب سے سمندر کی لہر لہرانے لگی نظم میں دل کا حال سنانے لگی ۔ مؤلف ؎ حالت ہے اک بارے کی برق وشرار کی ؛ کیا کیا تڑپ سناؤں دل بیقرار کی ؛ پھوڑے تپش سے دل کے یہ سب آبلے مرے ؛ منت کشی نہ کرنی پڑی نوک خار کی ؛ دل اپنا قبر میں بھی جلے گا اسی طرح ؛ حاجت رہے گی ہم کو نہ شمع مزار کی ؛ وعدے کی شب کو دیدۂ اختر جھپک گئے ؛ دیتے مثل ہیں لوگ مرے انتظار کی ؛ لے جائیو ادھر سے جنازہ مرا سرور ؛ حسرت بھری ہے دل میں مرے کوئے یار کی

رخصت ہونا جانعالم کا ملکہ مہر نگار سے اور پہونچنا ملک زنگار مملکت دلدار میں ملاقات خواجہ سرا کی دریافت ہونا حال ملال جادوگر کا پھر اسکو قتل کر کے لانا اس ماہ پیکر کا

بیت ؎ یہاں کا تو قصہ یہ چھوڑا یہاں ؛ سنو پھر اُسی غمزدے کا بیاں ؛ طلسم کشایان گنجینۂ سخن سحر سامری درہ نوردان اقلیم حکایات کہن مشاق جادو و شعبدہ گری و مشتاقان جفاکش محنت کشیدہ و سحر سازان سخن سنج دریں لشکر سر رنج روئے راحت ندیدہ گوسالۂ سخن کو دیر خراب آباد میں یوں گویا کرتے ہیں کہ ملکہ مہر نگار کے باغ سے چالیس منزل ملک زنگار کشور آفت روزگار تھا شہزادہ دل از کف دادہ یکہ و تنہا صعوبت سفر کا بتلا پاؤں میں چھالے لب پر

آہ ونالے کرتا پڑتا کئی مہینے کے بعد اُس زمین حجستہ آئین میں پہونچا اور جو جو پتے طوطے نے بتائے
تھے وہ سب اُس جوار میں پائے واقعی عجیب نواح شگفتہ و شاداب ہر سمت چشمہ ہائے آب
جنگل سب سبزہ زار گل بوٹے خودرو کی انوکھی بہار ہوا فرحت انگیز بو باس مشک بیز جنون خیز
جانعالم خوش وخرم جلد جلد قدم اٹھاتا چلا جاتا تھا ایک روز چار گھڑی دن ہے کیا دیکھتا ہے کہ
ایک شے مثل آفتاب بصد آب وتاب شمال کی سمت درخشان ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی عقل
حیران ہے دل سے کہا آثار حشر نمود ہوئے یہ کیا قیامت ہے ہم مشاہدۂ جمال جاناں سے محروم
رہے مشرق ومغرب کو چھوڑ سورج شمال کی طرف جانکلا افسوس صد افسوس ابتک دل کا مدعا نکلا
جب قریب پہونچا دیکھا دروازہ ہے عالیشان سر بفلک کشیدہ دیدۂ روزگار ندیدہ بسکہ مطلا
ہے اور لعل ویاقوت اس کثرت سے جڑے ہیں کہ جوہری وہم وگمان حیران کھڑے ہیں شعاع آفتاب
سے یکرنگی خورشید حاصل ہے شرمندہ اس کے روبرو بدر کامل ہے یقین ہوا اب بر سر مطلب
پہونچا یہ وہی دروازہ ہے باب امید جس کا ذکر وہ سرخرو زمرد لباس کرتا تھا۔ سجدۂ شکر
بدرگاہ منزل رسان راہ گم کردگان کیا اور خوش ہوکر دوڑا فرد ؎ وعدۂ وصل چون شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد ٭ غرض افتاں وخیزاں در شہر پناہ پر آیا دروازہ جواہر نگار رفعت فلک
دکھاتا دیوار ودر جگمگاتا بلور کی اینٹیں یاقوت کی تحریر ہر خشت مُصفّا و مُطلّا در بہشت کی طرح
وحصن حصین بصد فر وتمکین بنا جابجا برج برنجی وآہنی ڈھلی ہوئی توپیں چڑھیں گولہ انداز جوان
جوان بنفشہ بادلے کے دگلے گلنار پہنے ایک پیچ سے چست وچالاک توپوں کے بائیں دہنے
ٹہل رہے زمین وآسمان ان کی ہیبت سے دہل رہے گلی کوچے صاف خس وخاشاک
دروازے پر پانچ ہزار سوار لاکھ پیادے کی چھاؤنی کچھ جنگ کے لیے آمادہ تیار جانعالم نے
اُن سے پوچھا اس شہر کا کیا نام ہے اور حاکم یہاں کا کون ذی احترام ہے انھوں نے دیکھا
ایک جوان سرو قامت قمر طلعت خوف سفر خاک رہگذر میں نہاں ہے مگر دبدبۂ شوکت
وصولت نشان جرأت چہرۂ انور سے عیاں ہے وہ خوش کہنے لگے آپ کہاں سے تشریف لائے
ہیں شہزادے نے کہا بھائی سوال دیگر جواب دیگر آخر ایک شخص نے کہا قبلہ اس ملک کو
زرنگار کہتے ہیں سنتے ہی چہرہ بشاشت سے کندن کی طرح دمکنے لگا جو ریت کا ذرہ تھا افشاں کی صورت

منھ پر چمکنے لگا دل سے کہا یہ خواب ہے یا بیداری طالع گردش دہ سے امید یاری و مددگاری نہ تھی ایسی قسمت رہبر ہماری نہ تھی پھر کچھ نہ پوچھا یہ کہتا چلا۔ مؤلف ؎ للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری ٭ طے ہوئی آج کی منزل میں مسافت میری ٭ دروازے سے آگے بڑھا شہر دیکھا قطعہ دار ہموار قرینے سے بازار کرسی ہر دوکان کی کمر برابر مکان ایک سے ایک بہتر و بترتیب نہر جا بجا فوارے سب عمارت شہر پناہ کے میل کی جواہر نگار سانچے کی ڈھلی ہاتھ کا کام معلوم نہ ہوتا تھا نہ کہیں بلندی نہ پستی ہموار بسی ہوئی بستی ایک کا جواب دوسری طرف ادھر بزاز تو اُدھر بھی صراف کے مقابل صراف بازار کا صحن نفیس شفاف جوہری کے روبرو جوہری زر و جواہر کا ہر سمت ڈھیر نقد و جنس سے ہر شخص سیر کوئی شے کسی طرح کا اسباب ایسا نہ تھا کہ اس بازار میں نہ تھا مغرب و مشرق کی اشیائے نادرہ کا ہر جا انبار تھا جنوب و شمال کا خریدار تھا حلوائی نانبائی کنجڑے قصائی سقوں کے کٹوروں کی جھنکار میوہ فروشوں کی پکار دلالوں کی بول چال جہان کا اسباب و مال نہر کی کیفیت جدا قد آدم آب مصفا فواروں سے کیوڑہ گلاب اچھلتا بازار مہکتا ہر طرف دھوم دھام خلقت کا ازدہام چلنے پھرنے والوں کے کپڑے لتے ہوئے جاتے تھے وہم و گمان کشمکش سے بار پاتے تھے جا بجا عالم قدرت حق دیکھتا جاتا تھا ہوش بر جا نہ آتا تھا دل سے کہتا تھا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کیا ملک کیا سلطنت کیا شہر کیا بازار ہے کیا کیا بیوپاری ہیں کیسا کیسا خریدار ہے ہر شخص کو آرام و راحت ہے کیا بند و بست کیا انتظام ہے کیا حکومت ہے جب چوک میں آیا پوچھا ایوان جہاں پناہ دولتسرائے شاہ کدھر ہے لوگوں نے کہا دست راست سیدھے چلے جائیے بازار طے کر عمارات بادشاہی پاس جب آیا ان مکانوں کو نرا طلسم پایا عقل کام نہ کرتی تھی ہر کنگرہ ایوان فلک سے اونچا برج ہر ایک جہاں نما خورشید سا چمکتا لیکن جو لوگ درباری یا ملازم سرکاری آتے جاتے دیکھے سب سیاہ پوش خمخانۂ الم کے جرعہ نوش اس کا ماتھا ٹھنکا پاؤں ہر ایک کئی من کا ہو گیا ہر شخص کا منھ تکتا تھا قدم اٹھ نہ سکتا تھا کہتا تھا خدا خیر کرے شگون بد ہے دل کو بیقراری از حد ہے چند قدم اور بڑھا سواری کا سامان سامنے آیا بچو بڑھیو کا شور بلند پایا دیکھا ایک خواجہ سرا پڑھا نازیرک و دانا محبوب علی خاں نام نواب ناظر سرا پردۂ شاہی با حترام وہ بھی بخاطر حزین غمگین سیاہ پوش حواس باختہ ہوش فراموش

اندوہ و رنج سے ہم آغوش جانعالم نے سلام کیا وہ جواب دے کر شاہزادے کو دیکھنے لگا حیران
و ششدر متحیر سا اور سواری وغیرہ کی کہا سبحان اللہ وبحمدہ کیا تیری قدرت کی شان ہے جنس
بشر میں کس کس طرح کا پری پیکر خلق کیا ہے کہ چشم کو تاب جمال زبان کو صفت کی مجال نہیں نہایت
متوجہ ہو کر پوچھا کہ شمشاد نورستہ چمن جہانبانی و سرو نوخیز بوستان سلطنت و حکمرانی حضور
کہاں سے رونق بخش اس شہر نحوست اثر کے ہوئے شہزادے نے کہا میاں صاحب خیر ہے ہم فقط
اس شہر اور یہاں کے شہریار کے شوق دید میں وطن سے بعید ہو خستہ و خراب با دل مضطر و
جان بیتاب یہاں پہونچے ہیں برائے خدا یہاں کی نحوست اپنی سیاہ پوشی کی علت بیان کیجیے
خواجہ سرانے یہ سنکر نعرہ مارا بیچین ہو کر پکارا کہ اے جوان رعنا تو نے یہ قصہ سنا ہوگا زینت تخت
سلطنت رونق شہر موجد آبادی صاحب جاہ و حشمت مالک عفت و عصمت انجمن آرا یہاں کی
شہزادی تھی شہرۂ جمال بیمثال اس حور طلعت پری خصال کا از شرق تا غرب و جنوب سے شمال
تک زبان زد خلق خدا تھا اور ایک جہان حسن کا بیان سنکر نادیدہ اسکا مبتلا تھا آجتک چشم و گوش
چرخ کج رفتار نے بایں گردش لیل و نہار ایسی صورت دیکھی نہ سنی تھی بہت سے شاہ شہریار
اُسکے وادی طلب میں قدم رکھکر تھوڑے عرصہ میں آوارۂ دشت ادبار پتھروں سے سر مار مار
مصرع ؎ رہرو اقلیم عدم ہو گئے ؞ اب چار پانچ روز سے ہمارے طالع بیدار جاگتے جاگتے دفعتہً
سو گئے ایک ساحر مکار جفا کار بزور سحر اسے محل سے اُٹھالے گیا ہنوز یہ جملۂ غم ناتمام تھا کہ جانعالم
کا کام تمام ہوا آہ سرد کھینچکر بحال خستہ و پریشان مثال قالب بیجان زمین پر گرا اور رنجیدگی سے
پکارا شعر ؎ جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی ؞ حیف ہے اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی ؞
اے گردون جفا پرداز و اے فلک عربدہ جو یہ کیا تیری خو ہے اتنی دور لاکر ناکام رکھا مؤلف
؎ عشرت کدے جہاں میں ہوئے سیکڑوں ولے ؞ اک دل ہمارا تھا کہ وہ ماتم کدہ رہا ؞ تاثیر آہ
دیکھی نہ گریہ میں کچھ اثر ؞ ناحق میں اس امید پہ کرتا بکا رہا ؞ کیا دیکھتا ہے کو میسے تو لے سر دار ؞
اجڑا دیار آسمیں نہیں دوسرا رہا ؞ شعر ؎ یہ کہہ کر وہ اس طرح غش کر گیا ؞ کہ تو کہ جیتے ہی جی مر گیا ؞
خواجہ سرا سخت گھبرایا سمجھا کہ یہ شخص بھی گرفتار محبت اسیر دام الفت اسی کا ہے مجھ سے بڑی
غلطی ہوئی دفعتہً خبر بد سنانی نہ تھی آفت اسکی جان پر جا نکرلانی نہ تھی ہر چند گلاب کیوڑہ چھڑکا ہوش نہ آیا

بدحواس بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کی آج ماتم انجمن آرا تازہ ہوا بادشاہ نے فرمایا
کیا ماجرا ہے اُس نے عرض کی کہ کسی ملک کا شاہزادہ اسکی محبت میں سلطنت سے ہاتھ اٹھا فقیرانہ
سج دھج بنا یہاں تک پہونچا ہے مجھ سے جادوگر کے اٹھا لیجانے کی خبر سنکر آہ کھینچ زمین پر گرا ہے
ابتک ہوش نہیں آیا ہے عجب صدمہ دل پر دھر گیا ہے خدا جانے جیتا ہے یا مرگیا ہے کیا عرض کروں
غلام کی نظر سے اس سج دھج کا جوان پری پیکر آجتک از قسم بشر نہیں گذرا اگر ان دونوں کی صورت
آئینۂ چشم میں بہم نظر آتی قران السعدین کی کیفیت کھل جاتی جو حضور ملاحظہ فرمائیں گے شہزادی
کو بھول جائیں گے بسکہ بادشاہ غم مفارقت انجمن آرا سے بیقرار تھا ارکان سلطنت سے کہا جلد
جاؤ جس طرح ہو اسے لاؤ لوگ دوڑے مُردے کی صورت اٹھائے گئے اس عرصہ میں

تصویر جان عالم کی بیہوشی اور خواجہ سرا کا اٹھا لیجانا



شام ہوئی بادشاہ نے ہاتھ منھ دُھلوایا بید مشک چھڑکا کیوڑہ منہ میں چوایا لخلخہ سنگھایا جان عالم کو
ہوش آیا گھبرا کر اُٹھ بیٹھا دیکھا ایک شخص تاج خسروانہ بر سر چارقب ملوکانہ در بر سن رسیدہ
لیل و نہار دیدہ بڑے کروفر سے تخت پر جلوہ گر ہے اور چار ہزار غلام زرین کمر با شمشیر و خنجر
اذبکی بنا دست بستہ روبرو کھڑا ہے گرد امیر وزیر سپہ سالار پہلوان گردن کش اپنے اپنے قرینے سے

ہر ایک زینت دہ کرسی و دنگل ہے تہمتنوں کا جنگل ہے جانعالم اٹھا بطور شاہ شہریار و شہزادہائے
عالی تبار رسم سلام بجا لایا بادشاہ نے گلے لگایا پاس بٹھایا جب سے بادشاہ کی نظر پڑی تھی
محو حسن دلفریب مفتون چہرۂ مہروش و صورت پُرزیب ہو گیا تھا اور حضار مجلس بھی سب دنگ تھے
سکتے کے ڈھنگ تھے سب کو صدمۂ تازہ یہ ہوا کہ ایسا وارث تاج و تخت ہاتھ آئے اور محروم
رہ جائے اُسوقت کا رنج و قلق شہزادے کا کوئی فراق کشیدہ سمجھے بقول مرزا حسین بیگ صاحب
شعر حسرت پر اُس مسافر بیکس کی رویئے ؛: جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے ؛: مگر باعثِ
شرم و حیا کہ لازمۂ شرفا و نجبا ہے خاموش سینے میں غم کا جوش و خروش بادشاہ نے
استفسار وطن اور نام جد و آبا کیا یہاں فرط الم کثرت غم سے گلا گھٹ رہا تھا مگر ضبط کو
کام کرکے حسب و نسب اور ملک کا پتہ بتایا پھر سر جھکا شہزادی کا حال پوچھا بادشاہ نے
فرمایا اے گرامی اختر سپہر شہریاری مدت سے ایک جادوگر اس فکر میں تھا یہاں بمرتبہ نگہبانی
ہوتی تھی لیکن وہ کافر دھوکا دے کرے گیا آج تک محل میں نہیں گیا ہوں وہ محل جو عشرت کدۂ خاص
تھا ماتم سرائے عام ہے ہر سو شور رقت ہر سمت نالۂ پرآفت بلند ہے کھانا پانی حرام چھوٹا بڑا
مبتلائے آلام ہے جانعالم نے کہا کچھ بھی ثابت ہوا کدہر لے گیا بادشاہ نے فرمایا پانچ کوس تک
پتہ ملتا ہے آگے قلعہ ہے سربفلک کشیدہ آگ سب بھری ہے شعلۂ سرگرم تا چرخ چنبریں ہے
اور انگاروں کا انبار تا کرۂ نار ہے وہاں کا حال نہیں کھلتا عقل بیکار ہے مگر قرینے سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ سحر کا کارخانہ ہے شہزادے نے کہا خیر اگر حیات مستعار باقی ہے بمدد
ایزد کہاں جاتا ہے یہ کہہ کر اٹھا کہ قبلہ خدا حافظ بادشاہ لپٹ گیا کہا بابا خدا کے واسطے اس خیال
محال سے درگذر طائرِ خیال کے اُس دشت میں پر جلتے ہیں پیک صبا کے پاؤں میں چھالے پڑتے
ہیں دو سرے مجھے مفارقت تیری کب گوارا ہے ایک کو دھوکے میں کھو یا تجھے دانستہ جانے
دینے کا کہاں یارہ ہے ایسی آفت میں تجھ سے جوان کو جانے دوں بڑھاپے میں بدنامی لوں
سلطنت حاضر ہے بسم اللہ حکمرانی کریں میں ضعیف ہوں گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں شہزادے
نے عرض کی یہ تخت و سلطنت حضور کو مبارک رہے بندہ آوارۂ خانمان ننگ خاندان
گھر کی حکومت و ثروت چھوڑ عزیزوں سے منہ موڑ خراب و خستہ سرگرداں در در حیران و پریشان ہو

یہاں تک پہونچا اب یہ کلمہ ہتک کا اور ذلت کا سننے کو زندہ رہے ملک بیگانے میں بادشاہت کرے لوگ کہیں جادوگر تو شہزادی کو لے گیا یہ شخص بے غیرت جیتا رہا سلطنت کرنے لگا جوانمردی سے بعید ہے عاشق کو معشوق کی راہ میں جان دینا عید ہے۔ لاا علم ؎ تا سرندہم پا بکشم از سر کویش ؛ نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد ؛ پگ آگے پت رہے اور پگ پل پیچھے پت جائے بمصرعہ ؎ قدم عشق پیشتر بہتر ؛ جس مددگار نے ہزار بلا سے بچا کر یہاں تک زندہ و سلامت پہونچایا ہے وہی وہاں سے بھی مظفر و منصور آپ سے ملائے گا نہیں تو یہ صورت نحس لوگوں کو دکھانی کیا ضرور ہے گو بشر مجبور ہے لیکن اس زیست سے آدمی مرنا گوارا کرے بیموت مرے پہلے جب عقل و عشق سے معرکہ اٹکا تھا میرا جی کھٹکا تھا عقل کہتی تھی ماں باپ کی مفارقت اختیار نہ کرو سلطنت سی شے نہ چھوڑو عشق کہتا تھا ماں باپ کس کے بادشاہت کیسی سررشتۂ الفت غیر توڑو کوچۂ دلدار کی گدائی سلطنت ہفت اقلیم ہے اگر میسر آئے بے یار خدا کسی کی صورت نہ دکھائے عقل کہتی تھی آبرو کا پاس کرو ننگ خاندان نہ ہو غریب الوطنی سے عار کرو صحرا نوردی نہ اختیار کرو عشق کہتا تھا یار کے ملنے میں عزت ہے بادیہ پیمائی میں بہار ہے تشنہ خون آبلہ مدت سے صحرا کا خار ہے عقل کہتی تھی کہ لباس شاہی قبائے فرمانروائی چاک نہیں کرتے دانشمند جادۂ راستی سے خلاف قدم نہیں دھرتے عشق کہتا تھا لباس عریانی ہے عقل دیوانی ہے یہ وہ جامہ ہے جسے احتیاج شست وشو نہیں کیسی ہی ہاتھا پائی ہو چاک نہ ہو کسی آلایش سے ناپاک نہ ہو اصلا کار سوزن و رفو نہیں نہ باربرداری اس کو چاہیئے نہ چور کا ڈر نہ راہزن کا خطر ہے پانی سے بھیگے نہ آگ سے جلے سڑے نہ گلے گلے سے کبھی جدا نہ ہو نہ کوئی اسکو لے سکے نہ خود کسی کو دے سکے نہ دشت وحشت میں اسکا تار آئے نہ اُس کے دامن تک سرخار آئے نہ اُس کا جسم لاغر پر بار ہے مسافر صحرائے محبت کو یہی درکار ہے۔ آتش ؎ تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس ؛ یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا الٹا ؛ آخر کار بصد تکرار عقل کو شکست فاش ہوئی کوچۂ دلبر کی تلاش ہوئی نام سے نفرت ننگ سے تنگ ہو نشان جنوں سلسلۂ دیوانگی ہاتھ آیا طبیعت عشق کی محکوم ہوئی وحشت کی دھوم ہوئی دامان غیرت گریبان حیا چاک ہوا ننگ و ناموس کا قصہ بکھیڑا پاک ہوا ایک پرند کہ طوطا تھا رہبر و مددگار ہوا دوسرا دسندہ وہ وزیرزادہ تھا تنہائی میں غمگسار ہوا پھر تو سلطنت اور وطن چھوڑ عزیزوں

یگانوں سے رشتۂ محبّت توڑ رہ نورد بادیۂ حرمان اور کام فرسائے دست ادبار ہوا لیکن اُس کا ساتھ بھی نہ سزاوار ہوا پہلی بسم اللہ یہ غلط ہوئی کہ منزل اوّل میں طوطا اُڑ گیا وزیرزادہ ہرن کے ملنے سے چھٹ گیا وہ جو اثاثہ ظاہر کی دل لگی کا تھا لٹ گیا تنہائی ہمراہ ہوئی ہمدم گرم سرد آہ ہوئی کچھ دنوں کے بعد طلسم میں پھنسایا ہمیں رُلا کر دشمنوں کو ہنسایا تھوڑی سی آفت اٹھا کے رہائی پائی سمت مطلوب کی راہ ہاتھ آئی مگر نہ سنگ نہ نشان دیکھا نہ میل نظر آیا نہ گرد کارواں دیکھی نہ صدائے زنگ و جرس سنی نہ راہبر ملا نہ کفیل نظر آیا الٰہی سواری چھٹی پیادہ پائی ملی فکر غیر سے رہائی ملی جب اس منزل میں حضرت عشق نے آزمایا باوجود آبلہ پائی اور خلش خار صحرا ثابت قدم پایا دوسرے مرحلے میں امتحان مدنظر ہوا پریوں کے اکھاڑے میں گذر ہوا ایک مہ سیما کو اس جانب میلان ہوا پھر وہی عیش و نشاط کا سامان ہوا بہت سے نیرنگ دکھائے ہر شب عجب دن آگے آئے الحمد للہ کہ شیشۂ عصمت سنگ ہوا و ہوس سے سالم رہا وحشت دل کا بدستور عالم رہا رخصت میں مصلحت جانی جوان و پیر کی بات نہ مانی اب گھر ہو چکر دھو کا کھانا جان بوجھ کر بھول جانا کس ملت میں روا ہے یہ نرا وسوسہ ہے مجھ سے وحشی سے ایسی ہوشیاری دور ہے جیتے جی مرگ منظور ہے۔

تصویر محل سرائے شاہی و بیگمات و جان عالم و بادشاہ مع نواب ناظر خواجہ سرا



اس گفتگو کی خبر محل میں پہونچی کہ آج اس طرح کا مہ جبین انجمن آرا کا عاشق وارد ہوا تھا وہ بھی حرارت محبت سے اسی آگ میں جلنے جاتا ہے انجمن آرا کی ماں درِ دولت سرا پر چلی آئی خواجہ سرا دوڑے بادشاہ سے عرض کی جلد شہزادے کو لے کر محل میں رونق فرما ہو جیے بادشاہ جانعالم کو ہمراہ لے آرام گاہ میں تشریف لایا وہ بھی ہزار جان سے نثار ہو دیر تک پروانہ وار اس شمع انجمن سلطنت کے گرد پھری رنڈیوں نے گھیر لیا سب کو قلق ہوا غرضکہ بہ ہزار سعی بادشاہ نے بنت صبح کی رخصت پر اس شب رو کا پھر خاصہ طلب کیا شہزادے نے انکار کیا وہی نواب ناظر حاضر تھا پانوں پر گرا سمجھایا پیر و مرشد کئی دن سے محل میں کھانا پانی سب کو حرام ہے جو آپ کچھ بھی نوش فرمائیے گے تو یہ سب کھائیں گے ناچار با خاطر فگار دو چار نوالے پانی کے گھونٹ سے حلق میں اتارے پھر ہاتھ منھ دھو نیند کا بہانہ کر پلنگ پر جا لیٹا مگر نیند کس کی اور سونا کیسا مؤلف ؎ اودر دیدہ سدا رہتا ہے تیری یاد میں ؛ آنکھ جب سے لگ گئی روتے ہیں سو جانے کو ہم ؛ پھر لیٹے لیٹے انجمن آرا کا تصور کر دم گرم آہ سرد سینے سے بھر کر یہ پڑھنے لگا ابیات ؎ تجھ بن ہے خرابِ زندگانی ؛ ہے مجھ کو عذابِ زندگانی ؛ اتنا تو نہ چھپ کے لے کفن کا ؛ گھبرا کے نقابِ زندگانی ؛ جب کروٹیں بدلتے بدلتے پسلیاں دکھ جاتیں اور بیقراریاں ستاتیں تو دل بیتاب کو مستعد ضبط آمادہ جبر و صبر کر یہ کہتا نظم ؎ کمال ضبط کو عاشق کرے اگر پیدا ؛ کہاں کی آہ کرے بات بھی اثر پیدا ؛ ہزار رنگ زمانے نے بدلے پر افسوس ؛ کہیں ہوئی نہ شب ہجر کی سحر پیدا ؛ کرے گی ہمسری نالے کی میرے تو بلبل ؛ شعور اتنا تو کر جا کے جانور پیدا ؛ ہمیشہ ہاتھوں سے اُنکے رہا ہوں میں جلتا ؛ یہ زور گرم ہوئے تھے دل و جگر پیدا ؛ یہ دل میں ذوق اسیری ہے جو قفس میں مدام ؛ میں نوچتا ہوں جو ہوتے ہیں بال و پر پیدا ؛ آخر شب بصد نالہ و آہ کراہ کر صبح کی بعد فراغ نماز سوز و گداز مرنے پر کمر باندھی شب کو یہ خبر عام ہوئی کہ کل جادوگر کی لڑائی کو شہزادہ آمادہ ہوگا پھر رات رہے سے مجمع عام در دیوان خاص پر تھا یکایک بادشاہ تخت پر سوار برابر شہزادۂ والا تبار برآمد ہوا چشم مشتاقان میں نور طور نزدیک و دور تجلی کر گیا ہر شخص رو بہ قبلہ ہو دعائے فتح و ظفر اس ماہ پیکر کی مانگنے لگا القصہ جہاں تک لوگ آتے جاتے تھے بادشاہ ساتھ آیا آگے بڑھنے کی تاب نہ لایا جانعالم نے قسمیں دیکر رخصت کیا ناچار با دل داغدار خاطر فگار قلعہ میں داخل ہوا مگر

وہاں سے ڈیوڑھی تک صدہا ہرکارہ صبا دم متعین کیا کہ ہر دم کی خبر حضور میں پہونچے جانعالم
پھر اکیلا با حسرت و یاس رہا غم دلبر رفیق قدیم پاس رہا یہ شعر پڑھتا آگے چلا مصحفی ؎ اے غمِ یار
میں بندہ ہوں رفاقت کا تری ٭ نہ کیا تو نے گوارا مری تنہائی کو ٭ آگ کا قلعہ سامنے تھا آسمان سے
زمین تک بجز شعلہ جوالہ یا برج آتشین یا انگاروں کا ڈھیر اور کچھ نظر نہ آتا تھا شہزادہ غور سے دیکھنے لگا ایک
ہرن اس آگ سے نکلا اچھل کود کر پھر اسمیں غائب ہوا جب مکرر آمد و رفت کی جانعالم نے لوح پیر
مرد کی دیکھی اسمیں معلوم ہوا کہ اگر یہ اسم پڑھکر ہرن کو تیر مارا اور خطا نہ کی طلسم ٹوٹ جائیگا اور اگر
نشانہ چوکا خود آماجگاہ خدنگ قضا ہوا کوئی راکھ کے سوا پتہ نہ پائے گا شہزادے نے کہا جو ہرن
مارا تو لطف زندگی ہے نہیں حیلۂ مرگ خوب ہے بے یار جینا معیوب ہے یہ سوچ لب سوفار چلے سے
جوڑ شست شست برابر کر اسم شروع کیا اُدھر ہرن نکلا ادھر تیر کمان سے سرگوشی کرچلا بسکہ یہ
قدر انداز تھا اُسکی قضا دامنگیر تیر دوسار ہوا فردوسی ؎ فلک گفت احسن ملک گفت زہ ٭ ہرن
زمین پر گرا آسمان سے دار و گیر کا غل اٹھا ہاں ہاں لیجیو گھیر لو جانے نہ پائے قریب تھا خوف سے
جی نکل جائے زمانہ تیرہ و تار صحرا ابر غبار ہوا گھڑی بھر میں وہ تاریکی دور ہوئی آفتاب نمودار ہوا نہ
آگ رہی نہ قلعہ برابر سطح میدان نہ انسان نہ حیوان مگر چبوترے پر لاش جھلسی ہوئی پاش پاش
دیکھی یعنی وہ جادوگر کریہ منظر سیندور کا ٹیکا ماتھے پر زرد زرد دانت ہونٹھوں کے باہر منھ
بھری سے گندہ شیطان کا بندہ بالوں کی لٹیں لٹکی ہڈیاں کھوپڑیاں گلے میں پڑیں کالا بھجنگا
بدن سے ننگا تیر سے چھد کر جہنم واصل وہ حواصل ہوگیا شکر کا سجدہ بجالایا قدم ہمت آگے
بڑھایا ہرکارے یہ ماجرا دیکھ فوراً حضور میں حاضر ہوئے بعدہ عا و ثنا عرض کی کہ اے شہریار
ذوی الاقتدار فتح مبارک شہزادہ بلا کا پتلا ہے ایک تیر میں وہ آگ کا قلعہ ٹھنڈھا کر سرگرم
راہ ہوا بادشاہ مژدۂ فرحت افزا سنکر خوش ہوا فرمایا یقین کامل ہے کہ جانعالم حسب دلخواہ مراجعت
کرے گا فتح و فیروزی شامل ہے ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات خبرداروں کو خلعت و
انعام موافق قدر و منزلت مرحمت کر پھر روانہ کیا اس عرصہ میں شہزادہ وہ وادی پرخطر میدان
سراسر ضرر کو طے کر متصل قلعہ سحر جہاں انجمن آرا قید تھی پہونچا وہ عجیب معلق قلعہ تھا زمین سے
چار پانچ گز بلند ایک تختہ کمھار کے چاک کی طرح بایں سرعت گردش میں تھا کہ نگاہ کام نہ کرتی تھی

تصویر جان عالم اور قلعہ آتشین اور ہرن کا مارا جانا اور جادوگر کی لاش



آنکھ کی تپلی اتنا جلد نہ پھرتی تھی بلند ایسا کہ دیکھنے سے پگڑی گرتی تھی جان عالم وہاں شہزادہ
قلعہ بھی حرکت سے ساکن ہوا اُسوقت مفصل نقشہ معلوم ہوا کہ قلعہ ہے جواہر نگار با زیب و زینت
بسیار دروازے چار ہیں برج گنے نہیں جاتے ہزار در ہزار ہیں کمند فکر اس کی بلندی کے
روبرو کوتاہ ہے ہر طرف سے مسدود راہ ہے جہاں جان عالم کھڑا تھا ز مرد کا بنگلہ نظر آیا اسمیں سے
آواز آئی اے اجل رسیدہ کیوں ملک الموت کو چھیڑتا ہے زندگی سے منہ پھیرتا ہے مجھے تیرے حسن
و صورت پر رحم آتا ہے جلد یہاں سے جا خطائے اوّل عوض خوبی شکل و شمائل معاف کی وگرنہ

بایں شدائد خواری قتل کروں گا کہ آسمان تیرے حال پریشان پر خون روئیگا ساکنان زمین کو گوشت پوست ہڈیوں کا پتہ نہ ملے گا بادشاہ تیرے غم میں جان کھوئے گا اس دشت کی خاک تیرے لہو سے رنگین ہوگی روح بھی تا حشر خواب مرگ میں آرام سے نہ سوئیگی شہزادے نے ہنسکر کہا کہ اے مادر بخطا تو کیا ہماری خطا معاف کرے گا کہاں تک لاف و گزاف کا کام بھریگا انشاء اللہ تعالیٰ اور تو کیا کہوں تجھے بھی اسی کے پائنتی بھیجتا ہوں یہ سنکر وہ جھلایا بنگلے سے سر نکال تھوتھڑے ماش اُس بدمعاش نے اور کالا دانا نکلا اس وقت چرخ چکر میں آیا اور زمین تھرائی جب سرسوں تین بڑے ... ملائی پھر تیا پیتا اور لونا چماری کو پکارا ان دانوں کو اُس احمق نے آسمان کی طرف پھینک مارا دفعتاً ابر تیرہ و تار گھر آیا شہزادے پر پتھر اور آگ کا مینھ برسایا ... پڑھتا آگے بڑھتا تھا جب آگ قریب آتی پانی ہو کر بہہ جاتی ... ایک حائل تھا ایسا وہ اسم پاک تھا جادو کر خفیف ہو کر سحر تازہ کی فکر میں تھا جان عالم نے لوح کو دیکھا اس میں نکلا کسی طرح لوح کو قلعہ کی دیوار سے لگادے پھر قدرت خالق کا تماشا دیکھے شہزادے نے بجرأت تمام اچک کر لوح دیوار سے لگائی اُس پر آفت آئی مرتبہ اوّل سے زیادہ چکر میں آیا پھرتے پھرتے اس طرح کی صدائے ہیبت ناک آئی کہ ہزار توپیں ایک بار چھٹیں تو ایسی نہو بدرجہ مہیب تھی کہ گاؤ زمین کا کلیجہ ہل گیا خورشید برج اسد میں چھپکر دہل گیا زمانہ کا رنگ دگرگوں ہوا جنگل گرد برد ہوگیا وہ کافر آتش پرست سرد ہوگیا لرزہ کوہ ہامون ہوا میدان سیاہ بلند صدائے نالہ و آہ ہوئی چار گھڑی میں وہ تاریکی دور ہوئی شہزادے کی طبیعت مسرور ہوئی نہ قلعہ نظر آیا نہ مکانات کا نشان پایا لیکن ریت کا ٹیلہ سرکنڈے گڑے اور کچا سوت نیلا پیلا انپر لپٹا کچھ پھندے پڑے اس میں وہ ماہ شب افروز حور کی صورت نور کا عالم پریشان بدحواس سراسیمہ متحیر کوئی آس نہ پاس ہر سمت حیران ہو ہو دیکھ رہی تھی جان عالم نے پہچانا تاب نہ رہی جی سینے میں عجب سے سنسنایا اکیلے دیکھ کے کلیجہ منھ کو آیا ہر چند ضبط کیا نہ ہوسکا تھراتا دم چڑھا جاتا دوڑ دوڑ کر گرد پھرنے لگا لڑکھڑاہٹ سے گرنے لگا انجمن آرا نے شرما کر سر جھکا کر کہا سنبھلو صاحب کچھ پاس و لحاظ کسی کا نہیں یوں بیباکانہ پاس چلے آنا حرکت مجنونانہ ہے مگر اس گفتگو میں آنکھ بھی چار ہوگئی سنان الفت ادھر تو گری تھی ادھر بھی دو سار ہوگئی شہزادہ خنجر عشق کا زخمی قدیم تھا وہ تازہ شمشیر محبت کی گھائل

ہوئی طبیعت اُدھر مائل ہوئی بدن تھرّایا جانعالم نے یہ سنایا میر سوز ے جس کو نہ ہو شکیب نہ تاب فغاں رہے ؛ تیری گلی میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے ؛ آہستہ رو تو منزل مقصود کو گئے ؛ رفتار گرم تھے سو ہمیں درمیاں رہے ؛ بندہ نواز حال پہ ٹک کر دنگاہ ؛ ہے جائے گریہ کہ بن کار داں رہے ؛ یہ کہہ کر گر پڑا غش آگیا عشق کی نیرنگیاں نہاں نہیں حاجت اظہار و بیان نہیں کشش اسکی چھوٹے

تصویر جانعالم اور انجمن آرا مع قلعہ سرکنڈا شتہ پدید و جانعالم کا بیہوش ہو کر گرنا سر انجمن آرا زانو پر



بڑے پر آشکارا ہے ہزاروں کو اُس نے فریب مارا ہے انجمن آرا کو دلِ مضطر نے تڑپ کر سمجھایا بے قراری میں اس پہ قرار آیا کہ یہ مقرر عاشق صادق ہمارا ہے جو ایسی بلا سے نہ ڈرا سر کو بیچکر اس وادی میں پاؤں دھرا ورنہ اتنے دن گذرے بیکسی کے سوا کوئی ہمدم شریک زندان غم نہ تھا دل قبضۂ اختیار سے جاتا رہا حجاب ہر چند مانع آتا رہا مگر جانعالم کا سر اپنے زانو پر رکھا چہرے کی گرد جھاڑی غش تو کبھی آنکھ سے دیکھی نہ تھی گھبرا کر رونے لگی اسطرح روئے یار دھونے لگی اور یہاں جو بوند آنسو کی منھ پر پڑی اور دماغ میں خوشبوئے کنار دلدار چڑھی لخلخے کا کام کر گئی گلاب کیوڑہ چھڑکنے کی حاجت نہ رہی آنکھ کھولدی سبحان اللہ سر خاک افتادہ کنار یار زانوئے دلدار پر پایا ناز و نیاز نے دماغ عرش اعلیٰ پہ پہونچایا اور پاؤں پھیلایا یہ اترایا انجمن آرا نے جھک کر گھٹنا سر کایا جانعالم نے چشم نیم وا

سے شہزادی کا منہ دیکھا اور کہا ہماری بیہوشی ہشیاری سے اچھی تھی مؤلف میں جو چوکا تو وہ
بھی چونک پڑا ۔ ہوئی غفلت جو ہوشیار ہوا ۔ یہ کہہ کے آنکھیں بند کرلیں کہ پھر ہمیں غش آیا کیوں تم نے
زانو سرکایا انجمن آرا نے کہا کیا خوب اتنا اختلاط میری چڑھ ہے میں نے تیری محبت اور مشقت
پر نظر کرکے یہ انسانیت کی حرکت کی تھی تم چل نکلے خدا جانے دلمیں کیا سمجھے اپنی راہ لیجیے چلتا دھندھا
کیجیے واہ واہ نیکی برباد گنہ لازم جانعالم نے یہ جواب دیا۔ استاد۔ خاک ہی اپنی اٹھے تو اس مکان سے
اٹھ سکے ۔ ہم جہاں جوں نقش پا بیٹھے نہ واں سے اٹھ سکے ۔ الّا چور کی ڈاڑھی میں تنکا تمہیں اپنا
[illegible] نہ سمجھوں گا نہ معشوقوں کے دفتر میں آپ کا چہرہ لکھوں گا انجمن آرا نے کہا چہ خوش
بھلا دل تو بہلا لو کچھ ہو یا نہ ہو زبان کا مزہ نکالو یہ تو وہی مثل ہوئی ہاں نہ ماں میں تیرا مہمان تمہارا
بعینہ حال یہ ہے۔ فرد۔ چہ خوش گفتست سعدی در زلیخا ۔ الا ایہا الساقی ادر کاسا و
ناولہا ۔ عشق اور عاشقی کی باتیں مری بلا جانے رمز و کنایہ کسی اور سے جا کر کرو اپنا چوچلا تہہ
کرر کھو اپنی صورت تو غور سے دیکھو یہ تم نے سنا نہیں شاید مثل حلوا خوردن را روے باید ۔ جانعالم
نے کہا میں بیچارہ خستہ تن غربت زدہ دور از وطن بہت پن کہاں سے لاؤں کیونکر ویسی صورت
بناؤں ایک ہنستا ہے ایک روتا ہے کفر و اسلام میں بڑا فرق ہوتا ہے تمہیں ابھی تک
سوہن بھوگ کا ذائقہ نہیں بھولا ہے دم تقریر زبان پر حلوا ہے ہم نے آپ کے واسطے جوگ لیا
سلطنت کو تج دیا اب مراد پوری ہوئی دور دور ہی ہوئی انجمن آرا یہ کی سنکر کھسیانی ہوئی کہا
چلو صاحب وہ سو اقربان کیا تھا اپنی چونچ بند کرو کٹی چلی کی ہنسی اپنے گھر جا کر کرو سحر و جادو در
و ظلم مکر و فریب سے انسان ناچار ہے اسمیں کسی کا کیا اختیار ہے مگر خیر اور جو چاہیے کہہ لیجیے دیدہ
کیا صاف صاف گالیاں دیجیے یہ باتیں قسمت کی گردش سنواتی ہے دیکھوں ابھی تقدیر آگے
کیا کیا دکھاتی ہے اگر خدا ہمارا گھر بار چھوڑا موذی کے بس میں نہ پھنساتا تو ہر ایک راہ چلتا ہمیں
کاہے کو ایسی باتیں سناتا جانعالم یہ سنکر ڈر گیا رنگ زرد ہو گیا خجالت سے مر گیا سہمکر آبدیدہ ہو کہنے لگا میری
کیا مجال جو آپ کو کچھ کہوں میں تو خانمان آوارہ مسافر ہوں انصاف تو کرو تم کتنی ہٹ دھرم
احسان فراموش ہو ہنسی میں رو دیا ہمیں دونوں جہان سے کھو دیا انجمن آرا نے دیکھا اس کے
آنسو جاری ہچکی طاری ہے مسکرا کر کہا ایک بات مطلب کی کہی مگر سچ ہے اوچھے کا بھی

احسان بڑا ہوتا ہے ؛ خاطر جمع رکھ اپنے گھر چل کر تجھے مال و زر سے لاد دوں گی کہ تو چل نہ سکیگا بوجھ سے ہل نہ سکے گا شہزادے نے کہا آخر سلطنت کا گھمنڈ آیا ہمیں محتاج جان کے یہ فقرہ سنایا ہم بھی کبھی حاجت روائے عالم مشہور تھے مگر الفت سے مجبور تھے اگر تم پر عاشق نہ ہوتے کیوں سلطنت کھوتے سر پہ ہاتھ رکھ کر روتے یہاں تو یہ نونک جھونک چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی وہاں خبر فتح و ظفر ہرکاروں نے بادشاہ کو پہونچائی وہ تو ہمہ تن گوش تھا اسی وقت مع ارکان سلطنت روانہ ہوا سکھپال ہمراہ لیا صبا اور سناٹے میں آ پہونچا جو نزدیک تھے دور کھڑے رہے کہاریاں بادشاہ کا تخت

تصویر سواری شہزادہ و بادشاہ ایک تخت پر، انجمن آرا کا سکھپال اور محلات کی عورتوں کا ہجوم



قریب لائیں انجمن آرا منہ چھپا کر بیٹھ گئی جانعالم پاس سے سرکا بادشاہ تخت سے اترا جان عالم کو گلے
لگایا جرأت کی تعریف کی ہمت پر تحسین و آفرین کی پھر بیٹی کو چھاتی سے لگایا سکھپال میں سوار
کیا شہزادے کو برابر تخت پر بیٹھایا ترقی خواہان دولت ملازمان قدیم نزدیک آئے زر سرخ
و سفید تخت اور سکھپال پر نثار کیا اس قدر روپیہ اشرفی تصدق کیا کہ آجتک جو محتاج مسافر
اُدہر جاتے ہیں چاندی سونا پاتے ہیں نصیب جاگ جاتے ہیں پھرتے پھرتے بادشاہ کے
جلوس سواری نوبت نشان فوج سب سامان آ پہونچا اہل شہر یہ خبر سنکر ہزاروں دوڑے شادیانے
بجاتے مبارک سلامت کا غل مچاتے شہر میں داخل ہوئے ملک کی رونق گئی ہوئی پھر آئی خلقت نے
جان تازہ پائی محل میں انجمن آرا رونق افروز ہوئی سب کو شادی نوروز ہوئی محل والیوں نے
کہرام مچایا بادشاہ نے فرمایا یہ خوشی کا وقت ہے نہ ہنگام غم اسی طرح سب بچھڑے خدا کی عنایت سے
باہم ہوں انجمن آرا کی ماں گرد پھرتی تھی دمبدم سجدہ کرنے کو زمین پر گرتی تھی کہتی تھی ہمارے
دن اللہ نے پھیرے مگر بدولت جانعالم انجمن آرا جب یہ نام سنتی خوش کیا کھس جاتی الا لوگوں کے
سنانے کو تجاہل عارفانہ کرکے یہ سناتی صاحبو یہ کیا بار بار کہتے ہو جو میرا مقدر سیدھا نہوتا تو وہ
کون تھا جو دن پھیرتا ہم صحبتیں مزاجدان اس کہانی سے تاڑ گئیں کہ آپکی بھی آنکھ پڑی طبیعت لڑی
جب اسکی ماں سرکی وہ سب پاس آ آکے کہنے لگیں بے بے ہم تو تیری مفارقت میں مرتے تھے
زندگی کے دن گھڑیاں گن گن بھرتے تھے یہ صورت اللہ نے دکھائی یا جان عالم کی
جوتیوں کے صدقے سے نظر آئی جس طرح ہمارے مطلب دلی ملے خالق اسکی بھی جی کی مراد دے
انجمن آرا غصہ کی شکل بنا تیوری بھوں چڑھا کہنے لگی تم سبھوں کی شامت آئی ہے کیا بیہودہ
بک بک مچائی ہے چوچلے کی خوبی بزرگی خوردی سب ڈبوئی واہ واہ تم نے میری چڑھ نکالی اپنی
دانست میں دوانی بنالی خدا جانے یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے سبھوں نے میرا مغز کھایا ہے
اسے تو کیا کوسوں وہ تو مسافر بیچارہ ہے جی میں آتا ہے اس کا منہ نوچوں جس جس نے یہ جھگڑا اٹھایا ہے
اور بھائی مجھے چھیڑو گی تو رو دونگی اپنا سر پیٹ لونگی یہ کہہ کر مسکرانے لگی ہونٹ چبانے لگی آپسمیں رمز
کنائے ہے تمام ملازمان بادشاہ مع رؤسا ترقی خواہ نذریں لے کر حاضر ہوئے شہر میں منادی ہوئی
کہ جتنے ساکنان قلمرو بادشاہی ہیں فقیر سے ہفت ہزاری بڑا آدمی سے بازاری تک آج کا دربار موقوف کر

ناچ دیکھیں خوشی کریں اور جسے مقدور نہ ہو سرکار سے لو تمام شہر میں عیش و نشاط راگ رنگ کی مجلس با فرحت و انبساط ہوئی بادشاہ نے جشن جمشیدی کیا تمام شب بادۂ گلگوں کا دور رہا ناچ گانا صحبت بے تکلفانہ کا یہ طور رہا دم صبح بادشاہ کیوان جاہ دیوان عام میں رونق افزا ہوا اسقدر زر و جواہر محتاج فقیروں کو عنایت و امداد ہوا کہ کاسۂ گدائی انکا جام و صراحی سے مبدّل ہو گیا محل میں برمحل رت جگے صحنک جابجا کونڈے حاضری دونے پڑیاں منتوں کی جس جس نے مانی تھیں کرنے بھرنے دینے لگیں ور ڈومنیاں تراق پڑاق پریوش خوش گلو باانداز مع سامان و ساز حاضر ہوئیں مبارک سلامت کہہ کر شادی مبارک گانے چھپے مچانے نئی مبارکباد سنانے لگیں۔ مؤلف ؎ شادی و جشن سزاوار مبارک ہووے ٭ آج شہزادی کا دیدار مبارک ہووے ٭ صد و سی سال سلامت رہے با امن و اماں ٭ حسن کی گرمیٔ بازار مبارک ہووے ٭ وہ بھی دن آئے جو سہرا بندھے سر پر اسکے ٭ سب خوشی سے کہیں ہر بار مبارک ہووے ٭ بعد شادی کے خدا دے کوئی فرزند رشید ٭ ہم کہیں آکے یہ دلدار مبارک ہووے ٭ خار کھاتے رہیں کمبخت جو دشمن ہوں سترور ٭ دوستوں کو گل و گلزار مبارک ہووے

بیان جلسۂ شادی اس وطن آوارہ کا انکار کرنا اس مہر سیما ماہ پارہ کا اور ماں کا سمجھانا اس کا شرما کے سر جھکانا پھر سامان برات کا مزا لوٹنا پہلی رات کا

کدھر ہے تو اے ساقی گلعذار ٭ مرا غم سے دل ہو گیا خار خار ٭ پلا دے کوئی ساغر لالہ رنگ ٭ جوانی کی لائے جو دل میں ترنگ ٭ سہے کتنے صحرانوردی کے رنج ٭ بھلا کچھ تو شادی کا ہوں نغمہ سنج ٭ سرود سرایان بزم شادی و نغمہ پردازان محفل عروسی و دامادی انجمن بیان میں یوں زمزمہ سنج ہوئے ہیں کہ جب جلسۂ عیش و طرب سے فرصت سب کو ہوئی ایک روز بادشاہ جمجاہ محلسرائے خاص میں جلوہ بخش تھا بی بی سے خلوت میں فرمایا کہ حقوق اور احسان جیسے جانعالم کے ہمارے ذمۂ ہمت پر ہیں تمام عالم جانتا ہے اور یہ بھی نزدیک و دور مشہور ہے کہ عشق انجمن آرا میں نادیدہ مبتلا ہو سلطنت کھو یہاں آیا ہے اور کس مردانگی سے جادوگر کو مارا اور اسکے پھندے سے چھڑا لایا ہے اسکی قطع نظر صورت سیرت خلق و مروت ہمت و جرأت

یہ جتنی صفتیں ہیں سب خالق نے عطا کی ہیں حسب عالی نسب والا حسن میں مہر و ماہ سے نرالا مناسب
کیا ضرورت ہے کہ جلد سامان شادی درست کر منعقد کرو خدا جانے آج کیا ہے کل
کیا ہوگا رامرو زبفردا مگذار اس نے عرض کی کہ جو رائے اقدس میں گذرا یہی میرا عین مطلب
تھا بادشاہ نے فرمایا آج انجمن آرا سے یہ مقدمہ اظہار کرکے جواب با صواب حاصل کر لو کل سے سرگرم
سامان شادی ہو یہ کہہ کے بادشاہ دیوان عام میں رونق افروز ہوا انجمن آرا کو ماں نے طلب کیا
اور دو چار اور مغلانیاں آتو نیں سن رسیدہ محلدارین جہان دیدہ قدیم جو تھیں انھیں بلوایا شہزادی
کی جلیسیں بھی یہ سنکر بے بلائے آئیں اُسنے پہلی بیٹی کو گلے سے لگایا پیار کیا پھر کہا سنو پیاری
دنیا کے کارخانہ میں یہ رسم ہے کہ بادشاہ کے گھر سے فقیر تک بیٹی کسی کی ماں باپ پاس ہمیشہ
نہیں رہتی اور غیرت دار کے گھر میں لڑکی جوان ہر وقت رنج کا نشان رخصت کا سامان ہے
اور خدا اور رسول کا حکم بھی یہی ہے کہ جوان کو بٹھا نہ رکھو شادی کر دو علاوہ ان باتوں کے ایک
شخص نے تمھارے واسطے گھر بار چھوڑا سلطنت سے ہاتھ اٹھا کسی آفت سے منھ نہ موڑا
جی پر کھیل گیا کیا کیا بلائیں جھیل گیا سر کھپی اور جان جوکھوں کی جب تم نے ہم کو دیکھا ہم نے
تمھاری صورت دیکھی شکل میں پری شمائل فرخندہ خو فرشتہ خصائل تمام شہر عاشق زار ہے چھوٹا
بڑا اُسپر فریفتہ اور نثار ہے ہرچند تم پارۂ جگر نور نظر ہو مگر واری جو انصاف ہاتھ سے نہ دو تو تم
میں اسمیں بڑا فرق ہے تمھیں اللہ نے عورت بنایا ہے وہ مرد میدان نبرد ہے رنڈی مرد کا بہت
تفاوت مشہور ہے آگاہ نادان و ذی شعور ہے الا جانی ہمارا کہنا آرسی مصحف میں نظر پڑیگا
دیکھے گا جو دکھائی دیگا انجمن آرا نے یہ سنکر سر جھکا لیا رونے لگی کہا حضرت صورت شکل کا یہاں
مذکور کیا ضرور تھا یہ اللہ کی قدرت ہے کسی کو بنایا کسی کو بگاڑا بہت سے لولے لنگڑے
کانے کھدرے گونگے بہرے ہیں وہ چاہے نہ جبیں کہیں نور رہے کہیں نار ہے گل کے پہلو میں
خار ہے یہ سب صنعت پروردگار ہے دنیا میں کون سی شے بیکار ہے بُروں سے اچھوں کی تمیز
ہے یوں تو بادشاہ مصر غلام ۶۰ برنہ ہے اور جو بار احسان سے دب کر فرماتی ہو کہ ایسا کرد
تو دنیا عالم اسباب ہے ایک کا کام دوسرے سے ہوتا آیا ہے یہ شخص نہ آتا اور میرے مقدر
میں رہائی ہوتی کچھ ایسا سامان نکل آتا اور کوئی اللہ کا ولی پیدا ہو جاتا میری بند چھوڑا تا

لمؤلفہ ؎ نیک و بد زمانہ نہیں اختیار میں ٭ ہوتا وہی سر ورہے جو سر نوشت ہو ٭ میری قسمت کمبخت بُری ہے ایک مصیبت سے چھوڑا دوسری آفت میں پھنسایا ہر دم طعنے اپنے بیگانے کے سُننے پڑنے کہ یہ آیا مجھے قید سے چھوڑایا خدا جانے وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے اپنے منھ سے میاں مٹھو شہزادہ بنایا ہے آپکی لونڈی ہوں بہر صورت فرمانبردار اگر کنویں میں جھونک دو چاہ سے گر پڑوں اُف نہ کروں مگر جو آپ اسکی شکل پر ریجھ محنت و مشقت کو سمجھ بوجھ یہ مقدمہ کیا چاہتی ہیں تو میں راضی نہیں اگر مزدوری کی اجرت خدمت کا انعام منظور ہے کہ بادشاہوں کے نزدیک احسان کسی کا اٹھانا بہت دور ہے تو روپیہ اشرفی جاگیر عنایت کرو اس کا بھلا ہو کام ہو آپ کا نام ہو یہ فقرہ سُن کے وہ بہت ہنسی کہا شاباش بچی اسکی جانفشانی کی خوب قدردانی کی واقعی وہ بیچارہ تمھارے ملک کا یا روپیہ پیسہ کا محتاج ہے اری نادان وہ تو خود صاحب تخت و تاج ہے اس بات پر برہمنوں نے قہقہہ مارا کہا حضور بس ان کا یہ شعور ہے انکے نزدیک وہ شہزادہ نہیں مزدور ہے انجمن آرا نے جھنجھلا کر کہا کہ روپیہ وہ شے ہے کہ اس کے واسطے اسفندیار رستم روئیں تن مارا گیا فریدون وافراسیاب کا سر اتارا گیا وہ جو دائی دوا آتون مغلانیاں ٹہلی پر انیاں حاضر تھیں بولیں قربان جائیں واری ماں باپ کی عدول حکمی میں خدا اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہے تمھیں انکار مناسب نہیں اور خدانخواستہ یہ کیا تمھارے دشمن ہیں جو راہ چلتے کے حوالے کسی کے کہے سُنے سے بے دیکھے بھالے کر دیں گے آدمی وزیرِ عقل و شعور رکھتا ہے نشیب و فراز بات کا محل و موقع سوچتا سمجھتا ہے تم سلامتی سے ابھی تک وہی بچپنے کی باتیں کرتی ہو کھیلنے کودنے کے سوا قدم نہیں دھرتی ہو انجمن آرا نے جواب نہ دیا سر زانو پر رکھ لیا لیکن وہ جو امیرزادیاں اُسکی ہمنشین جلیس تھیں جن سے اس بات کے روز مشورے رہتے تھے بولیں ہے ہے لوگو تمھیں کیا ہوا ہے آتو جی صاحب بے ادبی معاف آپ نے دھوپ میں چونڈا سفید کیا ہے خیر ہے صاحبو دلھن ہے صاف صاف کہوایا چاہتی ہو دنیا کی شرم و حیا کیا نگوڑی اڑ گئی اتنا تو سمجھو بھلا ماں باپ کا فرمان کسی نے ٹالا ہے جو یہ نہ مانیں گی الخاموشی نیم رضا بوڑھے بڑے کی روبرو اور کہنا کیا یہ سُنکر آتون قدیم جس نے انجمن آرا کو پالا پڑھایا لکھایا تھا اس نے مبارکباد کہکے انجمن آرا کی ماں کو نذر دی محل میں قہقہے مچے شہزادی بناوٹ سے رونے لگی نواب ناظر بیگم

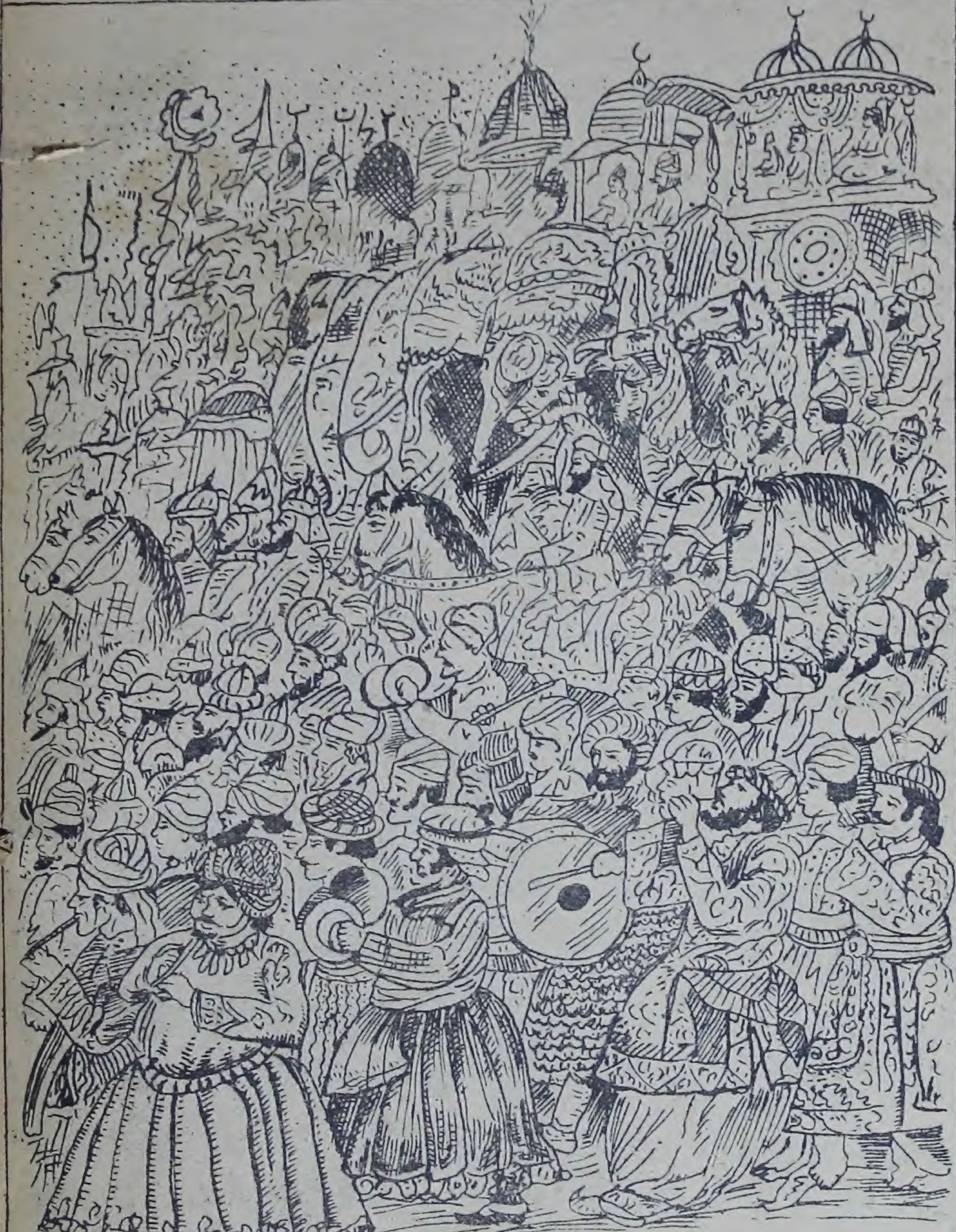
کی نذرے کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا نذر دی خلعت مرحمت ہوا یہاں تو ارکان سلطنت اسی دن کے روز منتظر رہتے تھے یہ مژدۂ فرحت افزا دریافت کرکے اٹھے براتب نذریں گذریں۔ توپخانوں میں شلک کا حکم پہونچا نوبت خانوں میں شادیانے بجے۔ لگے مبارک و سلامت کی صدا زمین و آسمان سے پیدا ہوئی۔ شعر؎ فلک پر یہ مبارکباد ہے اب کس کے ملنے کی ؛ یہ ایسا کون بجتا ورہے جس کا بخت جاگا ہے ؛ بادشاہ نے وزیر اعظم سے ارشاد کیا جان عالم یہاں مسافرانہ وارد ہوا ہے تم امورات محل میں مستعد ہو ہم اس کا سامان سرانجام کریں وزیر آداب بجا لایا خلعت فاخرہ ملا ہاتھی پالکی سے سرفراز ہوا جان عالم کا یہ نقشہ تھا چہرہ پر بشاشت سے سرخی باچھیں تا بناگوش کھلیں فرحت کے باعث بند قبا ٹوٹے جاتے تھے مگر شرم کے باعث آپ سر نہ اٹھاتے تھے بادشاہ نے رتال نجومی پنڈت جفر دان جو جو ہیئت اور ہندسہ و نجوم میں طاق شہرۂ آفاق تھے طلب کیے اور ساعت سعید کا سوال کیا کسی نے قرعہ پھینکا زائچہ کھینچا شکلیں لکھیں کسی نے پوتھی کھولی کوئی حرف مفرد لکھ کر حساب کرنے لگا کوئی تلا برچھک دھن مکر کمبھ مین میکھ برکھ متھن کرک سنگھ کنیان گنکر بچارے کرنے لگا کوئی مشتری مریخ شمس زہرہ عطارد قمر زحل کا حال مع گردش برج کہہ کے حمل ثور جوزا سرطان اسد سنبلہ قوس عقرب جدی دلو حوت میزان کی میزان دیگر شمار کرنے لگا کہا بعد مدت قمر اور مشتری کا بطرز خلاف حمل میں قران ہے اس ہفتہ کا دن رات سعد اکبر ہے اور باتفاق ایک روز مقرر کیا حضور سے بقدر علم و کمال خلعت و انعام عنایت ہوا اور بعد جلسہ شادی بامید دیگر و امداد وا فرامید وار کیا القصہ بموجب احکام اختر شناسان بلند بیں فلک سیر ماضی مستقبل کے حال دان باریک خیال و منجمان صدر نشین مسند کنشت دیر حکم رمایان خوش فال مانجھے کا جوڑا دلھن کے گھر سے چلا تا مزدور سے تافیل نشین زن و مرد فرد فرد بالباس رنگین پکھراج کی کشتیوں میں زعفرانی جوڑے سنہرے خوانوں میں پنڈیاں مقوی مفرح ذائقہ ٹپکتا خوان تک بسا اور دولھا کے واسطے اشرفیوں کے گیارہ توڑے طلائی چوکی جواہر جڑا زمرد نگار کٹورا ابٹنا ملنے کا کنگنا با از عقد ثریا درکیتا بڑا بڑا النگی ملتان کی تھی بیل بوٹے میں گلستاں کی تھی ابٹنا اور تیل بے میل جو عطر کشمیر بر خندہ زن ہو معطر دماغ انجمن ہوکنٹر و نیس عطر سہاگ مہک پری ایجاد نصیر الدین حیدری ارگجہ محمد شاہی فتنے کی بوچار زعفران کا تختہ کھلا

کوسوں تک خوانچے خوان ملا نوبت نشان گھوڑوں پر شہنا نواز نقارچی جوان جوان پکھپال اور
چنڈولوں میں نت نئی سواریاں انکے بناؤ کی تیاریاں کہاریاں پری چہرہ برق درخشاں کا عالم باہم
قدم قدم اُس سامان سے وہ سب مانجھاوے کے در دولت نوشاہ پر جو بس گئے شہر کے کوچے
وبازار بس گئے وہاں دولھا نے یہاں دولھن نے مانجھے کے جوڑے پہنے منادی نے ندا کی جو
سفید پوش نظر آئے گا اپنے خون سے سرخ ہوگا یعنی گردن مارا جائے گا بادشاہ نے خود ملبوس خاص
رنگین زیب جسم کیا رنگ کھیلنے لگا تمام خلقت ہولی کی کیفیت بھولی شہر میں شہاب اور زعفران
کے سرخ و زرد نالے بہے گلیوں میں عبیر و گلال سے ٹیلے ٹیکرے لے کوچہ ہر بازار کا زعفران زار
کشمیر تھا ایک رنگ میں ڈوبا امیر و فقیر تھا بتاکید تمام خاص و عام کو حکم ہوا کہ آج سے چوتھی
تک سوائے اہل حرفہ اپنے امور ضروری موقوف کر اپنے گھروں میں ناچ دیکھو جشن کرو جو کچھ احتیاج
ہو سرکار سے لو اور ہر رئیس محلہ اور سردار قوم سے فرمایا جو جو تم سے متعلق ہو انکی فرد درست کر
حضور میں گذرانو انکے کھانے پینے کا سامان خواہ ہندو ہو یا مسلمان حضور سے ملیگا اور ارباب نشاط
کے داروغہ کو حکم ملا کہ جس کی جیسی لیاقت ہو یا جس کا جو شائق ہو بشرطیکہ اسکے لائق ہو برضامندی
طرفین ویسا طائفہ وہاں بھیج دو دوکانداروں کو ارشاد ہوا دن رات دوکانیں کھلی رہیں قریب
قریب ناچ ہو دن کے کھانے کا صرف تصرفی باورچی خانے میں ٹھہرا ہندوؤں کو پوری کچوری
مٹھائی اچار مسلمانوں کو پلاؤ قلیہ زردہ قورمہ ایک آبی دوسری شیرمال فرنی کا خوانچہ تشتری
کباب کی بہت آب و تاب کی شہر میں گلی گلی عیش و نشاط خوشی میں چھوٹے بڑے سب نہ کسی
کو کسی سے غرض نہ مطلب پکا پکایا کھانا کھانا دوکانوں پر بیٹھے ہر وقت ناچ دیکھنا سرکار کا کام بنا
بغلیں بجانا۔ بیت ؎ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ؛ کسے را با کسے کارے نباشد ؛ اور اس سے پہلے
بتعیین تاریخ روز شادی نامے بادشاہوں کو فرمان راجہ بابو کو صوبہ داروں کو شقے عالموں
کو پروانے جا چکے تھے دو چار منزل گرد و پیش سر راہ دو دو کوس کے فاصلے سے باورچی اور
حلوائی کھانا مٹھائی گرما گرم تیار کیے رہتے تھے کہ اس عرصے میں جو مسافر گذرے یا طلبیدہ بادشاہ
آئے بھوکا نہ جائے اور مژدۂ شادی راہ چلتوں کو سنا شہر میں بھیج دیتے تھے کہ یہ جلسہ قابل
دید ہے غرضکہ دو منزل چار منزل بلکہ دس بیس دن کی راہ سے تماش بین بے فکرے

لکھنؤ والوں سے سیر دیکھنے کو آئے اور ساچق کا دن آیا اگر سب سامان بیان کروں کہانی ناتمام رہ جائے
وہی مشتے نمونہ از خروارے پچاس ہزار چوگھڑے روپہلے سنہرے جواہر نگار نقل اور میوے سے
لبالب لاکھ خوان بحسن وخوبی بسیار پر تکلف سب پچاس ہزار میں مصری کے کونے باقی میں
میوہ اور قند کے جھڑیاں مرصع کاری کی بڑی تیاری کی نقرئی دہی کی مٹکی گلے میں مچھلیاں
ناڑے سے بندھیں آرائش کے تخت بے حساب اس روش کے جن کے دیکھنے سے صناعی صانع
حقیقی کی یاد آئے گل بوٹہ اس سج دھج کا جو نقل کو اصل کر دکھائے آتشبازی کے ٹوکرے
قطار در قطار بے پایان سرو جھاڑ درخت میوہ دار ہزار در ہزار لاہیاں بہت تزک بڑا سامان
آرائش کے گلدستوں سے چمن رواں ساتھ تھا سر دست یہ باغ ہاتھوں ہاتھ تھا اس انداز سے
ساچق گئی مہندی کی شب ہوئی وزیر درست تدبیر نے خوب تیاری کی نارنول کی مہندی ہزارہا من
بو باس میں دلھن پن رنگین جس کی دید سے ہاتھ شل پنجۂ مرجان رشک عقیق یمن اور لعل بدخشاں
ہو جائے ایک بار لگائے بس ہو تمام عمر کف افسوس ملتا رہے نہ ہاتھ لگنے کا ایسا ملال ہو
جڑاؤ سینیوں میں حنا شمع مومی وکافوری اُس پر روشن ملیدے کے خوانوں پر جوبن آرائش
وآتشبازی ہمراہ سب کے لب پر واہ واہ بہت چمک دمک سے مہندی لایا اور یہ رنگ ڈھنگ
حُسن تدبیر سے دکھایا کہ تمام ہمچشموں میں سرخرو ہوا برات کی رات کا حال سنو دیوان خاص سے
دُلھن کا مکان پانچ کوس تھا یہاں سے وہاں تک دونوں طرف بلور کے جھاڑ آدمی کے قد سے
دو چند سو بتی کے سربلند پانچ چھ گز کے فاصلہ سے روشن اور دس گز جدا نقرئی طلائی
بجشا خا جلتا اُن سے کچھ دور ہزاروں مزدور ٹھاٹھروں پر روشنی کرتے جھاڑ رشک سرو
چراغاں چمکتے جابجا ترپولیے اور نوبت خانے بنے کتھک اتھک اُن پر ناچتے نوبت بجتی مغرق
شامیانے تنے اسکے قریب دولرویہ آتشبازی گڑی روشنی یہ روشن تھی کہ چیونٹی سوار
کو بہیئت مجموعی مفصل معلوم ہوتی تھی غرض کہ دولھا سوار ہوا شور وغل یکبار ہوا کسی نے
کہا سواری جلد لانا کوئی ٹیکہ شملہ سنبھال کر پکارا خدمت گار کو بلانا پلٹنیں آگے بڑھیں باجے
بجنے لگے کوس وکورگرجنے لگے نوبت نشان ماہی مراتب جلوس کا سامان سواروں کے
رسالے دولرویہ باگیں سنبھالے خود اسپے آگے آگے بیش قرار درماہے دار پھر ہزار بارہ سو تخت

روان تمام تمامی سے سنڈھا اُن پر رنڈیاں جوان جوان شادی مبارک گاتیں سج دھج دکھا طبلے بھڑبھڑاتیں بہت سے سانڈنی سوار تیز رفتار خاص بردار خاصبان کندھوں دولھا کے

تصویر سواری برات مع جلوس فیلان وغیرہ



قریب برچھی والے باانداز چوبدار روشن چوکی والے شہنائیاں پرتکلف سر نرالے ہزاروں غلام زرین کمر سنہری روپہلی انگیٹھیاں ہاتھوں میں جھولی میں عنبر سارا عود غرقی بھرا دشت مہکتا گرد ہزار ہا بجتا خا پھنکتا سونے چاندی کی دستیاں روشن جلو میں چالیس بادشاہ پُرشوکت وجاہ پیچھے بارہ ہزار ہاتھیوں پر امیر و زیر ارکان سلطنت ترقی خواہ خواصی میں انجمن آرا کا بھائی جان عالم کا سالا بجائے شاہ بالا آہستہ آہستہ قدم قدم خوش و خرم چلے کوچہ و بازار بو باس سے معطر تھا چرخ گرداں اس تماشہ کو بچشم انجم نگراں تھا دشت کا وحش و طیر حیراں تھا پھر بارات دلہن کے دروازے پر پہونچی ماما اصیلیں وڑیں پانی کا تشت ہاتھی کے پاؤں کے تلے پھینکا کسی نے اور کچھ ٹوٹکا کیا دولھا اُتر کر مجلس میں داخل ہوا بارہ سے طائفہ رنڈیوں کا سوائے بھانڈ بھگیتے ہجڑے زنانے کشمیری قوال بین کار رباب بیے سرودیے کے حاضر تھا ناچ ہونے لگا قریب صبح قاضی طلب ہوا بساعت معین کئی سلطنت کے خراج پر مہر بندھا طالب و مطلوب کو سلک ازدواج میں منسلک کیا مبارک سلامت کا غل مچا میر سوزنہ فلک شب کتخدائی دیکھ اس کی سوزیوں بولا ؂ تجھے یہ رات اے رشک مہ نو رمبارک ہو ؂ سب طائفہ ساتھ

تصویر بزم نکاح جان عالم کی اور سامان محفل میں آرسی مصحف کے



کھڑے ہو ایک سُر میں مبارکباد گانے لگے کئی لاکھ روپیے بادشاہ نے عنایت کئے دولہا زنانے میں
طلب ہوا وہاں رسمیں ہونے لگیں وہ عجب وقت تھا آرسی مصحف روبرو محبوب دلخواہ دوبدو سورۂ
اخلاص کھلا آئینہ رونمائی میں مزے لوٹتا سلسلۂ محبت مستحکم ہو رہا ڈومنیوں کا ستھنیاں گانا
دولہا دلھن کا شرمانا کبھی ٹوٹنے گانا اچھے بنے سلونے ہجولیوں کا پوچھنا ٹونا لگانا دولہا کا
ہنس کے کہنا عرصہ ہوا کوئی دلھن کی جوتی دولہا کے شانے میں چھو اگئی کوئی اُسی کا کاجل پارہ ہوا
لگا گئی ہمسنوں کی چھیڑ چھاڑ اُنکے جوبن کی بہار فقط ململ اور شبنم کے دوپٹوں کی آڑ جب دم یہ
رسمیں ہو چکیں تو نیابات کی نوبت آئی عجب سیر نظر آئی اس طرح چینی کہ دیکھی نہ سُنی یہ رحسن سے وہ
جب پاؤں پر کی اٹھاتے اڑا ٭ نہیں اور رہاں کا عجب غل پڑا ٭ جب یہ رسمیں ہو چکیں ڈومنیوں نے
بابوئی گائی سب کی چھاتی بھر آئی کہرام مچا جب دلھن سب سے رخصت ہونے لگی رورو جی کھونے
لگی سواری تیار ہو دروالنے پر آئی دولہا نے سہرا سر سے لپیٹ دلھن کو گود میں اٹھایا سب کا دل
امنڈ آیا شور و غل مچایا دنیا کے کارخانے قابل دید ہیں بلکہ دید ہیں نہ شنید ہیں شادی میں غم میں
سلف سے توام ہے مگر ثبات بجز ذات باری کسی کو نہیں مقدمات جہاں گذران خواب پریشان
ہیں اُن کا حال کیا کہیں ٭ مولف ٭ اک وضع پر نہیں ہے زمانے کا طور گاہ ٭ معلوم ہو گیا
مجھے لیل و نہار سے ٭ غرضکہ دلھن کو سکھپال میں سوار کیا بادشاہ نے ملک و سلطنت خزانہ جہیز
میں لکھ دیا برات رخصت ہوئی وہ اہتمام تجمل سواری کا سامان ہر شخص خرم و خنداں جہیز کا
بڑھنا لوگوں کا دولہا پر دعائیں پڑھنا نسیم سحر کا چلنا شمع کا جھلملا جھلملا کے جلنا شہنا میں بھیرویں
بھباس اتیا للت رام کلی کا پھونکنا نقیب اور چوبداروں کا کوئل کی طرح کوکنا نوبت کی ٹکو لجھجھ
کا جھانجھ سے شور جھٹ پٹا وقت نور کا تڑکا گرد کیتیوں کا سویل کڑ کا کچھ کچھ تاروں کی چمک نقاروں
کی صدا دھونسے کی گمک چاند کے منھ پر سفیدی دلھن والیوں کی یاس و ناامیدی عطر کی ہر
لپک پھولوں کی مہک سب کو نیند کا خمار کوئی پیادہ کوئی سوار فرش باسی ہار پھولوں سے تنگ
صحن چمن کہیں جھول کہیں شکن کسی جا پھیر وکے اور بیڑوں کے پتے کھلے پڑے کہیں لوگ
حیران و ششدر کھڑے مجلس کے فراق میں اہل محل کے اشتیاق میں شمع کی زاری اشک باری
لگن میں پروانوں کی بیقراری خاکساری دولہا کے لوگوں کی خوش بشاش تیاری دلھن کے

گھر میں نالہ و زاری کوئی کہیں نیند کے جھونک میں پڑا کوئی بے سامان بہ چشم عبرت دیکھ تاسف میں کھڑا شمع فانوس میں گل گلگیر میں زیرانداز پر پروانوں کے پر فراش فرش اٹھانے کی تدبیر میں بیٹھی ہوئی ہر ایک کی آواز کہیں سوز کہیں ساز یہ وقت دیکھنے کے قابل ہوتا ہے راہ چلتا بھی دیکھ کر رو دیتا ہے اسکی لذت وہ جانے جس کی نظر سے یہ ہنگامہ گذرا ہو کسی کی برات تو دیکھی ہو گو بیاہ نہ کیا ہو قصہ مختصر دولہا شگفتہ خاطر خنداں چہرے پر شباب کی چمک عارض تاباں سے حسن کی بہار عیاں ہاتھی پر سوار گرد شاہ و شہریار زر سرخ و سفید نثار ہوتا بے دھڑک پہونچے دیوان خاص میں داخل ہوا جو رسمیں یہاں کی تھیں ہونے لگیں بجا ذبح کیا انگوٹھے میں لہو لگا دیا پھر کھیر کھلائی رسومات سے فرصت پائی اب یہ منتظر ہوئے کہ شام ہو وصل کا سرانجام ہو اس دن جانعالم کا گھبرانا گھڑی گھڑی گھڑیالی سے دن کی خبر منگوانا دیکھنے کی گون تھا بدحواس پھرتا تھا کہ کہیں جلد رات ہو بے تکلفی کی ملاقات ہو کبھی کہتا تھا واہ قسمت کی خوبی پہر بھر ہوا گھڑی نہیں ڈوبی ہوش کہاں بجا تھا مگر پوچھتا تھا ابھی کیا بجا تھا ادھر انجمن آرا بھی جمائیاں لیتی تھی تکیے پر سر دھر دیتی تھی جب اور کچھ تدبیر نہ بن آتی تھی لوگوں کے چونکانے کو اونگھ جاتی تھی غرضکہ خدا خدا کر کے وہ دن تمام ہوا نمود شام ہوئی عروس شب نے مقنعۂ مہتاب سے روپوشی کی مشتاقوں کو فرصت ملی گرمجوشی کی لوگ آنکھ بچا کر جابجا کنارے ہوئے دولہا دلہن چھپر کھٹ میں ہمکنار بیتابی کے مارے ہوئے شادی کا زور

تصویر جانعالم اور انجمن آرا کی مع پلنگ



شباب کا عالم مشتاقوں کا بیٹھنا باہم آنکھوں میں خمار نیند کا دل میں اشتیاق دید کا عطر سہاگ اور رفتنے کی خوشبو بٹنے اور تیل کی عجب لپٹ کی مہک ہر سو پھولوں سے پلنگ بسا اور چھپر کسا خود نشۂ عشق سے باختہ ہوا اس تمنائے دل پاس نہ کچھ دغدغہ نہ وسواس ہنگامۂ صحبت طرفین سے گرم اِدھر شوق اُدھر شرم ایک طرف ولولۂ گرمجوشی ایک سمت حیا سے منھ پر مہر خموشی بیان کرنا گذشتہ حال کا خیال لوگوں کی دیکھ بھال کا یہ معمول ہے اُس روز ہمنشین برابر ایسا تاکتی جھانکتی ہیں لیکن ان ڈروں پر چپ نہ رہے آہستہ آہستہ دونوں نے دکھڑے کہے جانعالم نے طوطے سے ذکر سن کر در بدر خراب و خستہ ہو کر آنا طوطے کا بیٹھ رہنا وزیر زادے کا صدمۂ فراق سہنا پھر طلسم میں پھنس جانا جادوگرنی کا ستانا بعد اسکے نقش سلیمانی لینا وہاں سے چل دینا بکشادہ پیشانی و خوش بیانی بیان کیا مگر ملکہ مہر نگار کی ملاقات جگت رنگی کے حرف و حکایات اسکی طبیعت کا آجانا اپنا بے اعتنائی سے چلے آنا کچھ شرما کر بات کے مطلب کو چبا چبا کر کہا یہ اکثر ہوتا ہے کہ معشوق کے رو برو جو اُس پر کبھی کوئی عاشق ہوا ہے اس کا ذکر کرتا ہے شیخی بگھارتا ہے کچھ جھوٹ اپنی طرف سے جوڑتا ہے دل کے پھپھولے توڑتا ہے اسکی شرح گو طول طلب ہے پر عاشق مزاجوں پر منکشف سب ہے انجمن آرا نے جادوگرنی کے قصہ پر تاسف کیا ملکہ کے مذکور پر بناوٹ سے ہنس دیا پھر روکھی صورت بنائی ناک سمیٹی تیوری چڑھائی مگر چلے آنے کے سہارے پر مسکرائی اپنا بھی اشتیاق سلیے دیئے ارزو ملاقات محنت و مشقت کی قدر دانی سے جادوگر کی لڑائی کی جانفشانی سے بیان کیا پھر دونوں بیساختہ ہو شرم و حیا کو کھو ہم آغوش ہوئے رنج درکنار غم و درد مہاجرت فراموش ہوئے۔ مؤلف ؎ یہ ہمکناری جاناں سے تازہ لطف اٹھا ؛؛ گلے سے مل گئے سب رنج درکنار ہوا ؛؛ سینے سے سینہ لب سے لب ہاتھ پاؤں بلکہ جتنے اعضائے جسم ہیں سب وصل تھے مثل ہے ایک جان دو قالب وہ ایک جان ایک ہی قالب غالب ہے کہ ہو گئے۔ استاد ؎ ایام وصل میں ہم لپٹے ہیں جیسے اس سے ؛؛ یوں وصلی کے بھی کاغذ چسپاں بہم نہ ہوں گے ؛؛ خواہش کو اضطرار حیا مانع کار شرم بر سر تکرار دونوں کے دم چڑھ گئے تھے جنگ زرگری گا ؤزوریاں کر رہے تھے شاہزادی موقع پر ہاتھ نہ لگانے دیتی تھی جب بے بس ہو جاتی تھی تو چٹکیاں لیتی تھی گاہ

کہتی تھی اے صاحب اتنا کوئی گھبراتا ہے دیکھو تو کون آتا ہے کبھی خود اُٹھ کر دیکھتی بھالتی تھی کوئی دم یوں ٹالتی تھی آخر کار غنچۂ سربستہ تمنائے دراز بحرکت نسیم وصل شگفتہ و خنداں ہوا اور ناسفتہ درج شہریاری رشک عقیق یمن غیرت دہ لعل بدخشاں ہوا بقول فردوسی ؎ چنان دو آورد و آورد و برد ٭ که دایه ز حسرت پس پرده مرد ٭ رشک و حسرت سے جگر صدف چاک ہوا دشمن کمبخت در پردہ ہلاک ہوا تقاضائے سن الھڑ پنے کے دن اسوقت دونوں گھبرائے اور وہ کیفیت سب بھولی جب دامن شب میں چادر پلنگ پر شفق صبح پھولی غرضکہ شرما کر استراحت فرمائی دل بیتاب نے تسکین پائی ہنوز پلک نہ جھپکی تھی نمود سحر ہوئی تمامی شب کی خبر ہوئی دم صبح ایک سرخرو دوسرا نیچی نگہ ژولیدہ مو حمام میں داخل ہوئے جو جو محرم راز شریک سوز و گداز تھیں انھوں نے رات کی باتوں پتے رمز و کنایہ میں دیئے سب نے قہقہہ مارا جب دوپہری اور شیشے میں تنبول آیا شرما کر سر جھکایا غمزۂ و ناز ہر انداز میں رہا نہا دھو خاصہ نوش فرمایا جانعالم بادشاہ کے حضور میں آیا خلعت فتح پایا امورات سلطنت بہ مشورۂ شاہزادہ ہونے لگے بعد رسم چوتھی چالے کے لب دریا ایک باغ بہت پر تکلف کا نشاط افزا نام بادشاہ نے رہنے کو عنایت کیا اگر اس باغ کی تعریف رقم کروں شاخ زنبق و نرگس کی ٹہنی کو لاکھ بار قلم کروں الا خضر کی حیات رضواں کی ثبات درکار ہے نہیں ناتمام رہے لکھنا بیکار ہے سو بہار خزاں جائے بہار آئے ایک پیڑی کی روش صفا تحریر نہ ہو سکے خامۂ مانی پھسل جائے رشک گلزار جناں ایک تختۂ فردوس سا کئی کوس کا باغ بے پایان برگ و بار اسکے جور خزاں سے آزاد بالکل نہ بلبل پر ستم باغباں نہ خوف صیاد عجائب و غرائب چہچہے نئے رنگ ڈھنگ کے ترانے یاد جتنے دنیا کے میوے ہیں تر و تازہ ہمیشہ تیار سر سبز پتے خوشرنگ پھول پھل مزیدار گل تکلیف خار سے بری جہان کی نعمت ہر تختہ میں بھری روش کی پٹریوں پہ مہندی کی ٹٹیاں کتری ہوئی برابر چمن میں وہ درخت پھلے پھولے جسے دیکھ کر انسان کی عقل بھولے پھولوں کی بوئے خوش سے دل و دماغ طاقت پائے جو پھل نظر سے گذرے بار خاطر نہ ہو ذائقہ زبان پر منہ میں پانی بھر آئے نہریں ہزار در ہزار پر از آبشار گر چرند پرند خوبصورت قطعدار باغبانیاں پری نژاد حور وش کمسن مہ لقا بیلچے جواہر نگار ہاتھوں میں ہر ایک آفت کی پرکالہ دلربا مہ سیما کنوئیں بجنہ چرخی رسی کلابتو کی ڈول وہ کہ عقل دیکھ کر ڈانواں ڈول ہو جسے پر نزاکت برسے

بیل کے بدلے نیل گائے کی جوڑیاں آہو جنگلے رو برو چکارہ باغبانیاں مہ پارہ زربفت کے لہنگے قیمت کے مہنگے شبنم کے نفیس دوپٹے مغرق مصالح کی کرتی انگیا پاؤں میں طلائی چھڑے کان کی لو میں ہیرے کی بجلی برق دم سب کی آنکھ جس پر پڑے ڈول کو سنبھال پٹا خیال گاتی کوئی شعر برجستہ یا ہندی کا دوہا اسمیں ملاتی چھیڑ چھاڑ میں چٹکی لے کے اُچھل جاتی ایسے باغ پُربہار میں جان عالم اور انجمن آرا ہاتھ میں ہاتھ پریوں کا اکھاڑا ساتھ دین و دنیا فراموش ہر دم نوشا نوش باعیش و نشاط اوقات بسر کرنے لگا جہاں کا ساز و سامان ہر دم مہیا شراب کباب چنگ و رباب کا جلسہ خدمت گذار ین پری پیکر ماہ طلعت سب کام کو حاضر جیسے کنھیّا شام عشرت سحر کرنے لگا نہ خیال اپنے شہر و دیار کا نہ خوف گردشِ روزگار کا نہ کچھ دھیان اُس جگرا فگار کشتۂ انتظار ملکہ مہرنگار کا

پھر مذکور اُس مہجور کشتۂ فراق سوختۂ آتش اشتیاق کا وہ کون خستہ و محزُون جگر برشتۂ دل خوُن ملکہ مہرنگار شہزادے کے آنکی امیدوار اور حکایات ضرب المثل

کدہر ہے تو اے ساقی بے خبر ؛ نہ کی لطف سے غمزدون پر نظر ؛ ہوا حال شادی کا سب اختتام ؛ مگر غم کا قصہ ہے وہ ناتمام ؛ تپش سے تڑپ سے تو کر دے بہم ؛ کہ لکھتا ہوں پھر داستان الم ؛ خوشی سے مجھے رنج مرغوب ہے ؛ یہ مونس ہی ہمدم بہت خوب ہے ؛ یہی ساتھ دیتا شب و روز ہے ؛ یہ غم عاشقوں کا غم اندوز ہے ؛ نالہ نوازان بزم ماتم و تفتہ جگران کلبۂ غم حاکیان حکایت اندوہ و ملال و نثاران دل خون آشفتہ حال لکھتے ہیں کہ اُس بے سر و سامان کشتۂ ہجران دور از دلدار و ہمقرین غم رونا دیدۂ شادی حجلہ نشین ماتم دلریش سینہ فگار یعنی ملکہ مہرنگار کا فرقت میں یہ حال ہوا استادے یاں تک کہ اٹھانے کا وقت اپنے قریب آیا ؛ اسپرے بالیں پر تم اُٹھ کے نہ آبیٹھے ؛ میں نام ترا لے لے دن رات جو چلاؤں ؛ اوسنتے ہوے بہرے کیونکر نہ اُگل بیٹھے ؛ جو کوئی کہتا کہ خیر ہے ملکہ گھُلی جاتی ہو کیوں اتنا رنج و غم اٹھاتی ہو تو یہ کہتی مصحفی

ے غم کھاتی ہوں لیکن مری نیت نہیں بھرتی ؛ کہا غم ہے مرے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی ؛ مؤلف

ے نہ پوچھو کچھ مری حالت کہ اس دل کے لگانے سے ؛ پریشاں سینہ سوزاں منفعل سر در گریباں ہوں ؛

ایسی باتیں درد آمیز وحشت انگیز کرتی کہ سُننے والوں کی چھاتی پھٹتی وہ کہتیں ملکہ نظر بخدا رکھو
حسن ؎ اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار ٭ نہ ہو اُس سے مایوس امیدوار ٭ سوز ؎ پھر بہار آتی ہے
تجھ میں اے گلستان غم نہ کھا ٭ وہ چلی آتی ہے فوجِ عندلیباں غم نہ کھا ٭ گو کہ شب آخر ہوئی
اے شمع تو زاری نہ کر ٭ پھر وہی محفل وہی تیرا شبستاں غم نہ کھا ٭ وہ سنکر یہ کہتی کہ میں چراغ
سحری ہوں یقین ہے کہ تا صبح جلکر بزم جہاں سے سفری ہوں ٭ خسرو ؎ پس ازانکہ من نمانم
بچہ کار خواہی آمد ٭ مؤلف ؎ ہماری جان کے جانے میں جب عرصہ رہا تھوڑا ٭ تب اُس کے
جی میں آیا دھیان میرے پاس آنے کا ٭ آجتک اُس غفلت شعار فراموش کار کی کچھ خبر نہ آئی
ہم نے غم جدائی میں جان گنوائی ۔ مؤلف ؎ تپِ جُدائی سے اسطرح اب نزار ہوں میں ٭ اجل کے
منہ سے بھی غالب ہے شرمسار ہوں میں ٭ کیا ہے رنج جدائی نے ایسا کاہیدہ ٭ نظر میں خلق
کی رشکِ خطِ غبار ہوں میں ٭ جو تو وہ گل ہے کہ عالم کے دل میں ہے تری جا ٭ تو سب کی
آنکھ میں کھٹکا کیا وہ خار ہوں میں ٭ قرار می بردار قلق آہ وزاری ما ٭ سرور ؎ رنج میں کس کے
یہ بیقرار ہوں میں ٭ یہ معمول تھا جب چار گھڑی دن رہتا سوار ہو کر ان درختوں میں جہاں
جانعالم سے ملاقات ہوئی تھی جاتی اور جو جو شریک رنج و راحت تھیں اُن سے مخاطب ہو کر
یہ کہتی ۔ اہلی شیرازی ؎ خوش آنکہ تو باز آئی و من پائے تو بوسم ٭ در سجدہ فتم خاک قدم ہائے
تو بوسم ٭ ہر جا کہ تو رو نے بنفسے جائے گرفتی ٭ آنجا روم و گریہ کناں جائے تو بوسم ٭ روئے تو
تصور کنم و لالہ و گل را ٭ در حسرت رخسار دل آرائے تو بوسم ٭ ہر جا کہ غزالیست چوں مجنوں سر
چشمش ٭ در آرزوے نرگس شہلائے تو بوسم ٭ من اہلی درویش تو آن شاہ
نبانی ٭ دستیکہ بوسم بتمنائے تو بوسم ٭ اور کبھی صبح سے پھرتے پھرتے قریب شام بادل ناکام
اسی جنگل میں پھر آتی یہ غزل زبان پر لاتی جرأت ؎ بہ شکل مہر ہی گردش ہے ہم کو سارے دن ٭
جو تم پھر آؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن ٭ بہ وصل کیونکہ مبدل ہوں ہجر کے ایام ٭ مگر
خدا ہی یہ بگڑے ہوئے سنوارے دن ٭ رہے تھا جب کہ ہم آغوش مجھ سے وہ پیارا ٭
عجب مزے کی تھیں راتیں عجب تھے پیارے دن ٭ نہیں ہے تیرے مریضان ہجر کا چارہ ٭
اب اپنی زیست کے بھرتے ہیں یہ بچارے دن ٭ کب اُس سے ہو گی ملاقات میں یہ پوچھ ل

ہوں ؛ ذرا تو دیکھ نجومی مرے ستارے دن ؛ لگایا روگ جوانی میں کیوں میاں جرأت ؛ ابھی تو کھیل تماشے کے تھے تمھارے دن ؛ رات کو بحال بیقرار وہ سوگوار ناچار گھبراتی تمام شب کراہ کر سب کو جگاتی اور یہ سناتی ۔ اُستاد ؎ حرام نیند کی اقرار وصل جاناں نے ؛ الٰہی کوئی کسی کا امیدوار نہ ہو ؛ وہ رات جسے شب فرقت کہتے ہیں بے چینی سے پہاڑ ہو جاتی تو وہ غم کی ماری سخت گھبراتی یہ لب پر لاتی ۔ استاد ؎ جیسا شب عشرت کو فلک تو نے گھٹایا ؛ کی جلد نہ فرقت کی ستمگر سحر ایسی ؛ ہے ہے آج نہ صدائے مرغ سحر آئی نہ مؤذن نے ندائے اللہ اکبر سنائی نہ خواب غفلت سے پاسباں کمبخت چونکا اور نیند کی جھونک میں گھڑیالی بھی گجر کا بجانا بھول گیا جرأت ؎ تھے شب وصل میں سب جان کے کھانے والے ؛ آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے ؛ شب کو نالہ تھا دن کو زاری تھی دن رات اس پر سخت بھاری تھی لوگ کہتے تھے ملکہ اللہ کو یاد کرو کبھی تو دل شاد کرو شافی مطلق تمھارے مرض مفارقت کو بصحت وصل بدل کرے اب روز وصال عنایت ذوالجلال سے قریب ہے تو اس وقت بحسرت یہ کہتی ۔ مؤلف ؎ شب وصال جو قسمت میں ہے تو ہووے گی ؛ دعا کرو شب فرقت تو یہ سحر ہووے ؛ مریض ہجر کو صحت سے اب تو کام نہیں ؛ اگرچہ صبح کو یہ بچ گیا تو شام نہیں ؛ رکھو یا نہ رکھو مرہم اُسپہ ہم سمجھے ؛ ہمارے زخم جدائی کو التیام نہیں ؛ کیا جو وعدہ وصل اُسنے دن پہاڑ ہوا ؛ یہ دیکھیو مری شامت کہ ہوتی شام نہیں ؛ وہی اٹھائے مجھے جس نے مجھ کو قتل کیا ؛ کہ بہتر اس سے مرے خوں کا انتقام نہیں ؛ اٹھایا داغ گل افسوس تم نے دل پہ سرور ؛ میں تم سے کہتا تھا گلشن کو کچھ قیام نہیں ؛ استاد ؎ آخر شب وصال کی جا پیش کی وہی ؛ ہر دن تھا لے فلک مجھے جس رات کا خیال ؛ معاملات عشق دیکھئے وہاں شہزادے کو غم سے فراغ کیفیت باغ گلعذار بغل میں راحت و آرام یہاں ملکہ آتش فراق سے با دل پرداغ خار غم جگر میں گرفتار رنج و آلام لیکن درد دل بیقرار نالہ جگر افگار رائیگاں نہیں جاتا جب تڑپ بلبل کے دل میں زیادہ ہوتی ہے موسم گل آتا ہے اسی طرح سوز دل عاشق جو حد سے فزوں ہو معشوق رحم کھاتا ہے بھولا ہوا یاد آئے دگرنہ ہجر میں پھڑک کر مر جائے مطلوب کو نعش پر لا کر کے اسکی بھی جان گنواتا ہے حضرت عشق دشمن جان عاشق و معشوق ہیں اُنکے حال کیا کہیں چنانچہ یہ نقل ضرب المثل ہے اور حقیقت

یہ اصل ہے بغور سنکر تامل کرو

نقل سوداگر کی بیٹی کی انگریز کا آنا فریفتہ ہوجانا آخر میں جان دینا دونوں کا

کلکتہ میں ایک سوداگر تھا عالیشان متاع ہر دیار تحفہ بجوار بجوار دوکانیں فراواں اس کی بیٹی تھی حسین مہر طلعت ماہ جبیں سیمیں تن کافر فرنگ غارت گر لندن غرضکہ اور تو اسباب سب طرح کا دکان میں تھا مگر گھر میں وہ زور رقم طرفہ تو تم تھی فرنگ سے ہند تک اس کے حسن کا چرچا تھا روم سے شام تک اور بمبئی سے سورت تک اسکی صورت کی دھوم تھی۔ اُستاد ؎ ہے رخنہ ساز ایمان وہ زادۂ فرنگی ؛ اسلام اب کہاں ہے عارضی فرامشن ہے ؛ ہزاروں انگریز بریز بریز کرتے اسپر شیفتہ اور بیتاب تھے لاکھوں مسلمان سرگرداں خستہ و خراب تھے جب ہوا کھانیکو سوار ہو کر آتی تھی دو رویہ خلقت کی جان اسکی ہواخواہی میں برباد جاتی تھی گبر و ترسا اس کا کلمہ پڑہتے تھے یہود و نصاریٰ اُس کا دم بھرتے تھے مسلمان دل و جان نذر کرتے تھے مؤلف ؎ اس لعبت فرنگ کو دکھلا کے قاش دل کہتا ہوں چکھو یہ دل بریاں کا توس ہے ؛ اتفاق زمانہ کوئی انگریز لندن سے تازہ وارد ہوا جلیل القدر ذیشان خوبصورت نوجوان سوز عشق سودا خیز سر میں سوز دل مزاج بے شرب بے قراری آب و گل میں تیر ؎ تھا طرحدار آپ بھی لیکن ؛ رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن ؛ قضارا وہ آفت کا مارا کچھ اسباب لینے اسکی کوٹھی میں آیا اور اس غارت گر دین و ایمان ہر گبر و مسلمان سے دوچار ہوا عشق گلے کا ہار ہوا دیکھتے ہی متاع عقل اساس ہوش و حواس گرہ سے کھو بیٹھا دل سے ہاتھ دھو جان کو رو بیٹھا اسباب خریدنے گیا تھا سودا مول لیا اس نے مشتری سمجھ میزان محبت میں تول لیا ہاتھ پاؤں نے مست دل نے ہمت ہاری دن دہاڑے لٹ گیا عشق کا بیوپاری جب اور کچھ تدبیر بن نہ آئی خرید فروخت کے حیلے میں آمد و رفت بڑھائی پھر تو یہ حال ہوا۔ جرأت ؎ دن میں سَو سَو بار اب ہم اُنکے گھر جانے لگے ؛ منھ چھپانے وہ لگے ہم انپہ مرجانے لگے ؛ سلف سے عشق آج تک چھپا نہیں مشہور ہے اس مقدمہ میں انسان مجبور ہے تیر عشق بے پردہ جب فسانہ ہوا مضطرب کتخدائے خانہ ہوا ؛ جب یہ امر مفصل سوداگر کے گوش زد ہوا بیپاس نام و نشان خوف ذلت و رسوائی از حد ہوا پہلے دونوں کو نصیحت و پند کیا پھر سلسلۂ آمد و رفت قطع کیا دیکھا بھالی کا رخنہ بند کیا ادہر شعلۂ عشق نے بھڑک کر صاحب کو سلامت نہ رکھا تاب و

تصویر دختر سوداگر اور عاشق ہونا پسر انگریز کا اس پر مع اسباب دکان



تو اں صبر و تحمل کو ہیزم خشک کی طرح جلا صبر کا قافلہ لوٹ لیا تیر سے بستر خاک پر گرایا ؎ درد کا گھر ہوا دل بیمار ؎ خاطر افگار خار خار ہوئی ؎ جان تمنا کش نگار ہوئی ؎ دل نہ سمجھا اور اضطراب کیا ؎ شوق نے کام کو خراب کیا ؎ رفتہ رفتہ شرر ہوئے نالے ؎ لگے اُڑنے جگر کے پر کالے ؎ یہاں تک تب مہاجرت اور درد مفارقت سے حال درہم برہم ہوا کہ صاحب بہادر شکست فاش اٹھا کر صاحب فراش ہوئے دل و جگر سینہ میں پاش پاش ہوئے حس و حرکت کی طاقت نہ رہی لینے کے دینے پڑ گئے۔ اُستاد ؎ مرض یہ پھیل پڑا ہے تپ جُدائی سے ؎ کہ پیٹھ لگ گئی یاروں کی چارپائی سے ؎ جو جو اسکے دوست دلی محب قلبی تھے نصیحت و پند و قید بند کرنے لگے عورتوں کی بے وفائی بتوں کی سنگدلی معشوقوں کی کج ادائی بہت مشرح سمجھائی سودمند نہ ہوئی خاطر میں نہ آئی ایک دوستدار اس کا غمخوار تھا کہنے لگا کیوں جویائے مرگ ہوا ہے ظالم یہ کیا کرتا ہے اس کا انجام ذلت ہے حاصل اس کا خفت ہے یہ خیال محال اپنے دل سے نکال زورق زندگانی سفینۂ نوجوانی دانستہ ورطۂ ہلاکت میں نہ ڈال اپنے کس و کو پر نظر کر للہ دل خود رفتہ کو سنبھال تو نے پسر محبسٹن کی حکایت نہیں سنی کہ اُس پر کیا گذری آخر کار کیسی خفت ہوئی اُس نے کہا کیونکر

حکایت پسر محبسٹن بیٹے کا پیدا ہونا سفر کی کیفیت جہاز کی تباہی

شہزادی کا ملنا پھر مفارقت مجسٹن کا ساتھ جانا

وہ بولا اسی شہر میں ایک شخص تھا مجسٹن نام نہایت اہلِ دُوَل مرفہ حال صاحبِ علم و فضل
جامع ہر کمال طبیعت رسا اور ادیب بلبل سخن سنج لطیفہ گو برمحل کمالات میں یگانۂ روزگار
تجارت میں نامور ہر دیار سو سو جہاز ایک بار تجارت کو جاتا تھا نصیب ایسا تھا مٹی چھوتا سونا ہوتا تھا
تھا کسی طرح کا خواہش مند بجز فرزند ارجمند نہ تھا شب و روز اسی کا خیال تھا مدام فرحت میں ملال
تھا خوش قسمتوں کی دعا جلد قبول ہوتی ہے تمنائے دل حصول ہوتی ہے پچھتر برس کے سن میں اللہ
نے بیٹا عنایت کیا حسبِ دلخواہ صورت میں غیرتِ ماہ بہت شاداں سرگرم پرورش تھا جب
بارہ برس کا ہوا بسبب طبع رسا و تعلیم استادانِ باذکا جمیع علوم اور فنون میں کامل ہوا درس
دینے لگا مطلب کرنے لگا چودھویں سال باپ سے سفر کی اجازت چاہی کہ تجارت میں
کوئی دقیقہ باقی نہ رہ جائے مجسٹن نے کہا اپنا بھی یہی قصد تھا مگر چندے توقف شرط ہے
اُس نے عرض کی کہ حضور عمرِ طبعی کو پہونچے سن ہیں فدوی کے سیاحت کے دن ہیں چاہتا
ہوں آپ کے بقیدِ حیات سفر کو جاؤں جودتِ طبع دکھاؤں آخر مجسٹن نے دس بارہ جہاز پُر از
متاع و مال پندرہ بیس رفیق قدیم دیانت دار امانت شعار ہمراہ کر رخصت کیا جہاز ایک سمت
روانہ ہوئے دو مہینہ کے بعد ہولے جور گردوں سے جہاز تباہ ہو گئے مجسٹن کے بیٹے کا
بھی جہاز ڈوبا یاران ہمراہی عالمِ بقا کو راہی ہوئے یہ ایک تختہ پر ڈوبتا اُچھلتا بہہ چلا حیات
مستعار باقی تھی ساتویں دن تختہ کنارے پر لگا اُس کو غش سے جو افاقہ ہوا تختے سے اُترا
اور گھاس کی رسّی بنا وہ تختہ پتھر سے اٹکا دیا پھر آپ بتلاشِ آب و دانہ روانہ ہوا چند قدم بڑھا
تھا کہ شہر نمودار ہوا آہستہ آہستہ بیٹھتا اُٹھتا شہر میں داخل ہوا وہاں عجب سانحہ طرفہ ماجرا نظر آیا
دوکان پر ایک کھلی اشرفی روپیہ کا ڈھیر اسباب سب طرح کا موجود مگر آدمی کا پتہ مفقود
اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ عرصہ سے یہ بازار جنسِ بشر سے خالی ہے شہر کا وارث ہے
نہ والی ہے پھرتا پھراتا قلعہ میں آیا دیکھا باغ سرسبز پُر میوہ بیچ میں بنگلہ زربفت کے نفیس
پردے پڑے پردہ اٹھا بنگلے میں آیا پلنگ جواہر نگار گستردہ اس پر کوئی بشکل مردہ دوپٹہ
تانے نہ کوئی پائنتی نہ سرہانے پڑا ہے اُس نے دوپٹہ سرکایا عورت نے چونک کر سر اُٹھایا

اسکی صورت دیکھ کر کہا کہ اے عزیز اپنی جوانی پر رحم کر یہ مکان نہیں سیل فنا ہے تو ناآشنا ہے اپنے
در گذر ورگرنہ آفت کا مبتلا ہوگا خدا جانے ایکدم میں کیا ہوگا اس نے کہا کہ ایسا ماجرا کیا ہے بیان
تو کر عورت نے کہا تو اپنے پہلے آنے کا حال سُنا کیونکر آپھنسا اُس نے کہا سات دن سے بھوکا
پیاسا ہوں جو کچھ کھاؤں داستان پریشاں سناؤں عورت بولی مدّت کے بعد کھانے کا نام تیرے منھ
سے سنا ہے سو کھانا یہاں کہاں بجز غم کھانے اور پانی سوا اشک بہانے کے آنسو پینے کا نام ہے
اس سے نہیں پیتی ہوں اور کھانے کی قسم سے قسم تک نہیں کھاتی متحیر ہوں کیونکر جیتی ہوں مگر
تنہائی میں ہاں خوف کھا کے روز دن بھرتی ہوں ہر شب کہ شب ا ولیں گور ہے جان کنی
رہتی ہے سخت جانی کی بدولت نہیں مرتی ہوں۔ جرأت ؎ یہ غلط کہتے ہیں بے آب و خورش
جیتے ہیں ؛ سخت دل کھاتے ہیں اور خون جگر پیتے ہیں ۔ بنا تو اس باغ میں جا اور جس میوے پر
رغبت ہو کھا مجسٹن کے بیٹے نے جا کے میوہ کھایا نہر سے پانی پیا گو نہ رنج فاقہ کشی سے افاقہ
ہوا پھر عورت کے پاس آکے حسب و نسب اپنا اور باعث سفر اور جہاز کی تباہی مفصل سرگذشت
سنائی پھر اس کا ماجرا پوچھا وہ بولی اے شخص اس شہر بے چراغ کی میں شہزادی ہوں باپ میرا
والی ملک تھا مجھ کو سوائے سیر و شکار کے کسی امر سے سروکار نہ تھا ایک روز لب دریا
مصروف تماشہ بیٹھی تھی دفعتہً ایک سانپ نمودار ہوا اور میری طرف بڑھا میں نے تیر مارا معلوم نہیں
لگا یا خطا کر گیا پھر جو دیکھا تو اژدہائے مہیب بہ شکل عجیب جھپٹا آتا ہے میں تو گھوڑے پر چڑھ کر
بھاگی جو جو ہمراہ رکاب تھے وہ طعمۂ دہن مار خونخوار ہوے کہاں تک بیان کروں ساکنان شہر
مع بادشاہ انسان سے تا حیوان کوئی نہ بچا فقط میں سخت جان باقی ہوں اور یہ صحبت ہے کہ
قریب شام وہ مار خون آشام آکر اس بنگلے کے نیچے بیٹھتا ہے دو گھڑی بعد غائب ہو جاتا ہے
مجھ پر جب بھوک پیاس کا غلبہ ہوتا ہے اسی باغ میں میوہ کھا پانی پیتی ہوں اس خرابی سے جیتی
ہوں کوئی غمخوار بجز ذات پروردگار نہ تھا آج تجھے دیکھا خوف خدا آیا مطلع کر دیا پسر مجسٹن
نے کہا خاطر پریشان جمع رکھ اگر فضل الٰہی شریک حال ہے تو اس آفت سے جلد نجات ہو جائیگی
یہ کہہ کر جہاں سانپ کے بیٹھنے کا نشان تھا وہاں گڈھا کھود کر قلعے سے بارود لا کر اسمیں بچھائی
اور دور تک نقب سی بنائی پھر گھاس ہری اُوپر چھائی شہزادی نے کہا اب وہ آتا ہی ہوگا یہ کہکر نقب جا

پوشیدہ ہو کر بیٹھ رہا کہ دفعتہً وہ افعی پُر زہر خدا کا قہر آیا اور اپنی جگہ پر اُس بز قدم نے فرش

تصویر مجسٹن کے بیٹے کی مع عورت و مکان نقب و سانپ



زمردین پایا بہت خوش ہو کر بیٹھا یہ تو تاک میں تھا پتھر سے آگ نکال اس نقب میں ڈال دی فوراً ایک دھماکا پیدا ہوا وہ ٹکڑا زمین کا مع سانپ آسمان پر پہونچا دونوں نے شکر کا سجدہ بدرگاہ دافع البلیات کیا باہم بے اندیشہ و غم رہنے لگے سات برس تک دونوں ساتھ رہے اس عرصہ میں دو لڑکے بھی پیدا ہوئے ایک دن رنج تنہائی کی شہزادی نے شکایت کی کہ اکیلے طبیعت نہیں لگتی۔ صائب ؎ بہار عمر ملاقات دوستداران است ؛ چہ حظ برد خضر از عمر جاودان تنہا ؛ کوئی ترکیب ایسی نکالو کہ پھر یہ شہر آباد ہو خاطر غمگین شاد ہو وہ بولا کہ اگر وطن جاؤں اور مجسٹن کو یہاں لاؤں تو یہ بستی بسے عورت نے کہا اکیلی میں کیونکر بسر کروں گی میں بھی ساتھ چلونگی آخرش ایک ایک لڑکا دونوں گود میں لیکر چل نکلے قضارا وہاں پہونچے جہاں تختہ بندھا تھا ذہن میں آیا اسی پر سوار ہو کھولدو کہیں تو جا نکلو گے یہ سوچ کر دونوں سوار ہوے وہ تختہ کھولنے لگا شہزادی بولی مال و اسباب تو اسقدر ہے کہ بیان قاصر ہے مگر ایک زنبیل اکسیر سے بھرا ہے دولت لا انتہا ہے جو تو اجازت دے تو اُسے لے آؤں۔ مصرعہ بدزد طمع دیدۂ ہوشمند ؛ مجسٹن کے بیٹے نے کہا اچھا وہ تختہ کچھ کھلا بندھا یونہی رہا شہزادی لڑکا لیے اتری اُسکے اُترتے ہی ایسی تند ہوا چلی کہ رسی تکان سے ٹوٹ گئی تختہ بہہ چلا ہرچند اس نے ہاتھ پاؤں مارے وہ ساحل مطلب سے کنارے ہوا کنارے پر شہزادی بحال خراب دریا میں وہ بادلِ کباب بہہ نکلا دل سے کہتا تھا دیکھیے مرضی ناخدائے کشتی بادبان شکستہ

گیا ہے پھر جھونکا ہوائے قوم عاد کا ہے اس سوچ میں تھا کہ ایک جہاز نمودار ہوا اہل جہاز نے دیکھا تختے پر کوئی جوان گود میں لڑکا نادان لئے بہا جاتا ہے رحم کھا پنسوئی کو دوڑا جہاز پر لیا اتفاق زمانہ مالک جہاز مجسٹن کا دوست دمساز تھا اس کو پہچانا بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا برس روز میں جہاز کلکتہ میں داخل ہوا جہاز کا حاکم مجسٹن کی ملاقات کو آیا بچھڑے بیٹے کو باپ سے ملایا یہاں جس دن سے جہاز کی تباہی مجسٹن نے سن پائی تھی غریق لجۂ غم تھا بارے بیٹے کو دیکھکر سجدہ بدرگاہ باری کیا پوتا گھاتے میں ملا اور کلمات شکریہ اس سے کرنے لگا اس نے کہا بندہ پرور خیر ہے دنیا اسی کا نام ہے جس کا کام جس سے نکلے وہ فخر و سعادت سمجھے بعد چند روز مجسٹن نے بیٹے سے روئداد سفر پوچھی اس نے ابتدا سے انتہا تک سرگذشت سب بیان کی یہ سنکر سمجھا مشکل پیچ پڑا اگر سہل سا یہ جواب دیا بالخیر باوقع خیریت اسی میں تھی جو ہوا مصرع۔ بر سر فرزند آدم ہرچہ آید بگذرد ؛ بیٹے نے کہا مناسب یہ ہے کہ اب جلد چلئے ایسا ملک مالا مال یہ دولت لازوال ہاتھ سے نہ دیجئے مجسٹن نے کہا خیر ہے یہ بھی ایک فسانہ تھا جو میں نے سنا او خواب تھا جو تو نے دیکھا۔ لا اعلم۔ ایام وصال و صحبت سیم تناں ؛ در عالم خواب احتلامے شد و رفت ؛ اُسنے کہا آپ سا عقلمند ایسا کلمہ فرمائے تو نہایت بعید ہے دنیا میں تین معرکے ہیں زر و زمین زن یہ سب سامان جمع ہیں اگر آپ نہ جائیں گے فدوی تنہا جائے گا مجسٹن نے کہا افسوس ہم تجھے دانا جانتے تھے الا ہماری نادانی تھی حمق کی مقتضی تمہاری جوانی تھی اسے بھائی کوئی نادان سے نادان عورت کی بات کا دھیان نہیں کرتا یہ باتیں جب تک تھیں جو تم اور وہ باہم تھے وہ مونس تھی تم ہمدم تھے اب خیریت ہے۔ سعدی ۔ زن دوست بود در زمانے ؛ تا جز تو نیافت مہربانے ؛ چوں در بر دیگرے نشیند ؛ خواہد کہ ترا دگر نہ بیند ؛ مصرع۔ اسپ زن شمشیر وفا دار کہ دید ؛ ہر چند اُس نے مغز خالی کیا یہ مقدمہ اُس پر حالی کیا وہ بے مغز نہ سمجھا مصحفی ۔ مصحفی سو نصیحت کا نہیں عاشق کو ؛ میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے ؛ ناچار مجسٹن نے کہا تم جب تک نہ لت نہ اٹھاؤگے اور ہمیں خراب نہ کروگے اس حرکت بیجا سے باز نہ آؤگے نہ چین لوگے اُسی دن سامان سفر درست کیا بہت سے جہاز مع اسباب اور چند مشیر خوش تدبیر ہمراہ لے روانہ ہوا چند روز میں وہ جزیرہ ملا جہازوں کا لنگر ہوا مجسٹن کا بیٹا اترا

مگر جہاں ویرانہ بوم و غول کا آشیانہ تھا وہاں بستی دیکھی اور جس جگہ بہڑ تھا ائسے ہموار پایا بلندی نظر آئی. نہ پستی دیکھی آدمی ہر سمت سرگرم کار و شہر پناہ تیار اسے تعجب ہوا سمجھا کہ میں بھول گیا کسی سے پوچھا اس شہر کا نام کیا ہے والی ملک کون سا ہے وہ بولا مدت سے یہ ملک بہ سبب آفت آسمانی اُجاڑ ہو گیا تھا رعایا برایا بلکہ بادشاہ بھی نہ بچا تھا فقط بادشاہ کی بیٹی باقی تھی اب برس دن سے اُس نے شوہر کیا ہے شہر از سر نو آباد ہوا نیا طرز ایجاد ہوا یہاں مفسد ہے نہ ڈنڈی ہے نام اس کا شہزادی منڈی ہے مجسٹن نے یہ ماجرا سنکر بیٹے سے کہا خوش بہت ہوئے ہوگے لو سیدھے پھر چلو اُس نے کہا اتنی صعوبت سفر کی اٹھائی اسکی صورت بھی نظر نہ آئی دو باتیں کرلوں تو پھر چلوں مجسٹن نے کہا یہ مصیبت کچھ نہ تھی جو بات کرنے میں ایذا اٹھے گی وہ کب مانتا تھا انھیں لوگوں سے پھر پوچھا شہزادی کبھی سوار بھی ہوتی ہے وہ بولے روز غرضکہ سواری کا وقت دریافت کر لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر سر راہ کھڑا ہوا کہ شہزادی شب دیز کو مہمیز کرتی آپہونچی یہ پکارا ہم نے ایفائے وعدہ کیا حاضر ہوئے اور لڑکا بھی بفضل الٰہی سے سلامت موجود ہے کیا ارشاد ہوتا ہے اُس نے بیگانہ وار جیسے کسی اجنبی کو کوئی دیکھتا ہے ملاحظہ کیا مگر جواب کچھ نہ دیا چلی گئی یہ خفیف گھر پھرا مجسٹن نے حال پوچھا بولا ملاقات نہ ہوئی کل پھر جاؤں گا اُس نے کہا صبح کا جانا روز الم شام غم دکھائیگا بہت پچھتائے گا اُس نے دوسرے روز بیٹے کو سکھایا کہ جب سواری قریب آئے گھوڑے سے لپٹ جانا اور یہ زبان پر لانا کہ دنیا کا لہو سفید ہوگیا مہر مادری سے محبت پدری میں لطف زیادہ پایا کہ ہمیں ساتھ بہ آرام تمام لیے پھرتا ہے تم بات بھی نہیں کرتی ہو بلکہ پہچانتی نہیں جب سواری قریب آئی یہ تو بہت جلا تھا اور سمجھ چکا تھا کہ کھیل تو بگڑ گیا کہا شہزادی باگ کو روکو وہ خود تو رکی تھی باگ بھی رک گئی پس مجسٹن بولا ۔ مؤلف

یاد ایام کہ نفرت تھی زمانے سے تجھے	ہوتی وحشت تھی بہت غیر کے آنے سے تجھے	خوف آتا تھا نہیں آنے سے جانے سے تجھے
فکر تھا یاد خبر تھی نہ بہلنے سے تجھے	بید ھڑک غیر سے بات نکا کبھی طور نہ تھا	ہمیں ہم تھے تری صحبت میں کوئی اور نہ تھا
کبھی چوٹی کی خبر تھی نہ تھا کنگھی کا خیال	بار ہا الجھے ہی رہتے تھے ترے سر کے بال	پان کے لانے سے ورمسی سے موتا تھا ملال
مجھ کو افسوس آتا ہے کہ گذرا نہیں سال	ایسی کیا بات ترے دل میں سمائی ظالم	دفعتاً سب وہ روش رسم بھلائی ظالم
تھی لگاوٹ ہی تجھے یاد نہ خلطا سب سے	گرمجوشی کا بھلا کب تھا ریگا سب سے	بیٹھنا کونے میں ہر دم تجھے تنہا سب سے

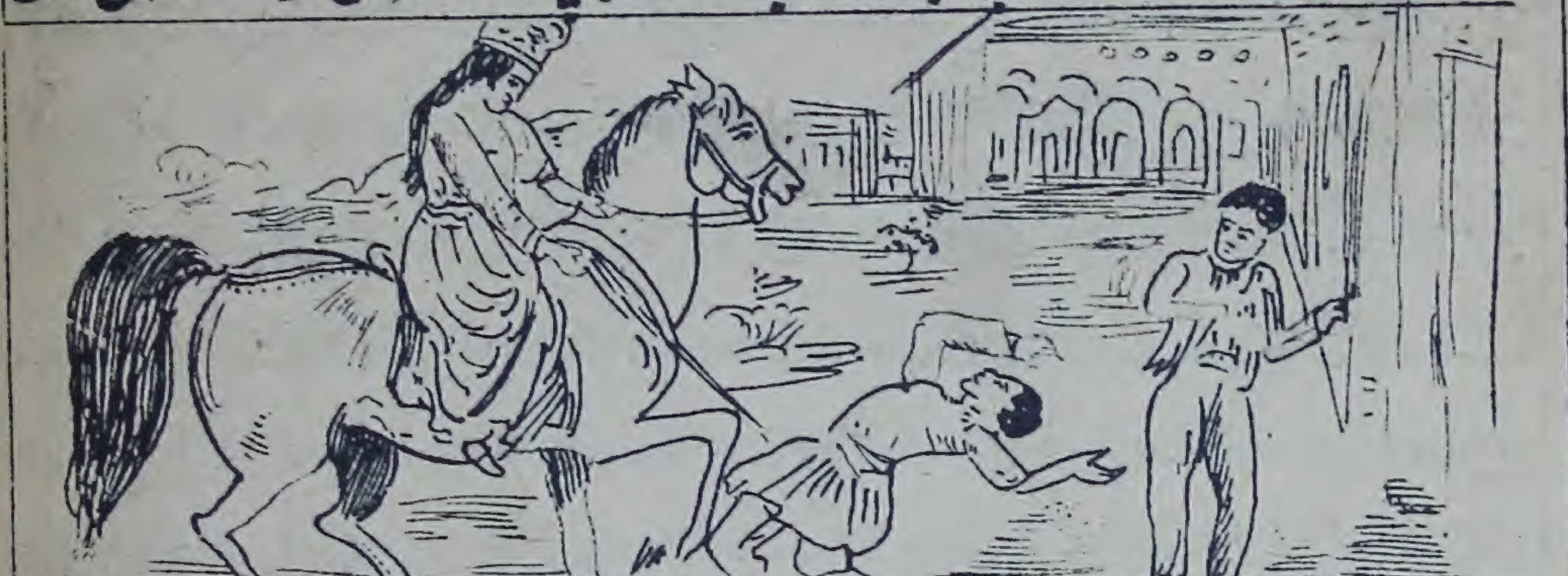
تجھ کو لگ چلتے کبھی ہم نے نہ دیکھا تھا سے
شکر صد شکر ہوئی جلد رہائی تجھ سے
نہ ملیں پھر جو کہے ساری خدائی تجھ سے
اب قسم کھاتا ہوں لو دل نہ لگاؤنگا کبھی
ربط تو کیا ہے نہیں پاس بٹھاؤنگا کبھی
بر زباں یار ونکے یہ ذکر رہیگا بر بار
سر پٹک مر گئے سب پہ نہ ملا وہ زنہار

اب تو ٹٹی ہیں کیا بھید غضب تو نے کیا
اب تو تا حشر مکدر ہے صفائی تجھ سے
بخدا ملنے سے ہم ہاتھ ترے دھو بیٹھے
ذلت و رنج نہ اسطرح اٹھاؤنگا کبھی
موسم اب وہ لگے لگانے ہی کا جاتا رہا
گو کہ عاشق تھا مگر تھا یہ بڑا غیرت دار
کرے معشوق کسی سے تو دغا ایسی کرے

کھل گیا سب ترا بھید غضب تو نے کیا
وضع اپنی نہیں کیا کیجیے برائی تجھ سے
خوش رہو تم کہ تمھیں کھو کے دل رو بیٹھے
گر طرحدار بھی اس دہر میں پاؤنگا کبھی
ربط کیا خاک کریں ہم وہ زمانہ نہ رہا
دیکھ بد وضع کیا دیکھیے ایسا انکار
بچ کرے باتکی عاشق تو بھلا ایسی کرے

یہ سنکر وہ شرمندہ ہوئی پھر لڑکا گھوڑے سے لپٹ گیا بیچارہ نادان باتوں کا سود و زیان کچھ نہ سمجھا جو کچھ کہ باپنے سکھایا تھا کہنے لگا جب کہہ چکا شہزادی نے تپنچہ قربوس سے کھینچ کر لڑکے پر جھونک دیا وہ دھم

تصویر شہزادی بہ سواری اسپ و پسر مجسٹن معہ خود و تپنچہ مارنا شہزادی کا لڑکے کو اور اسکی لاش



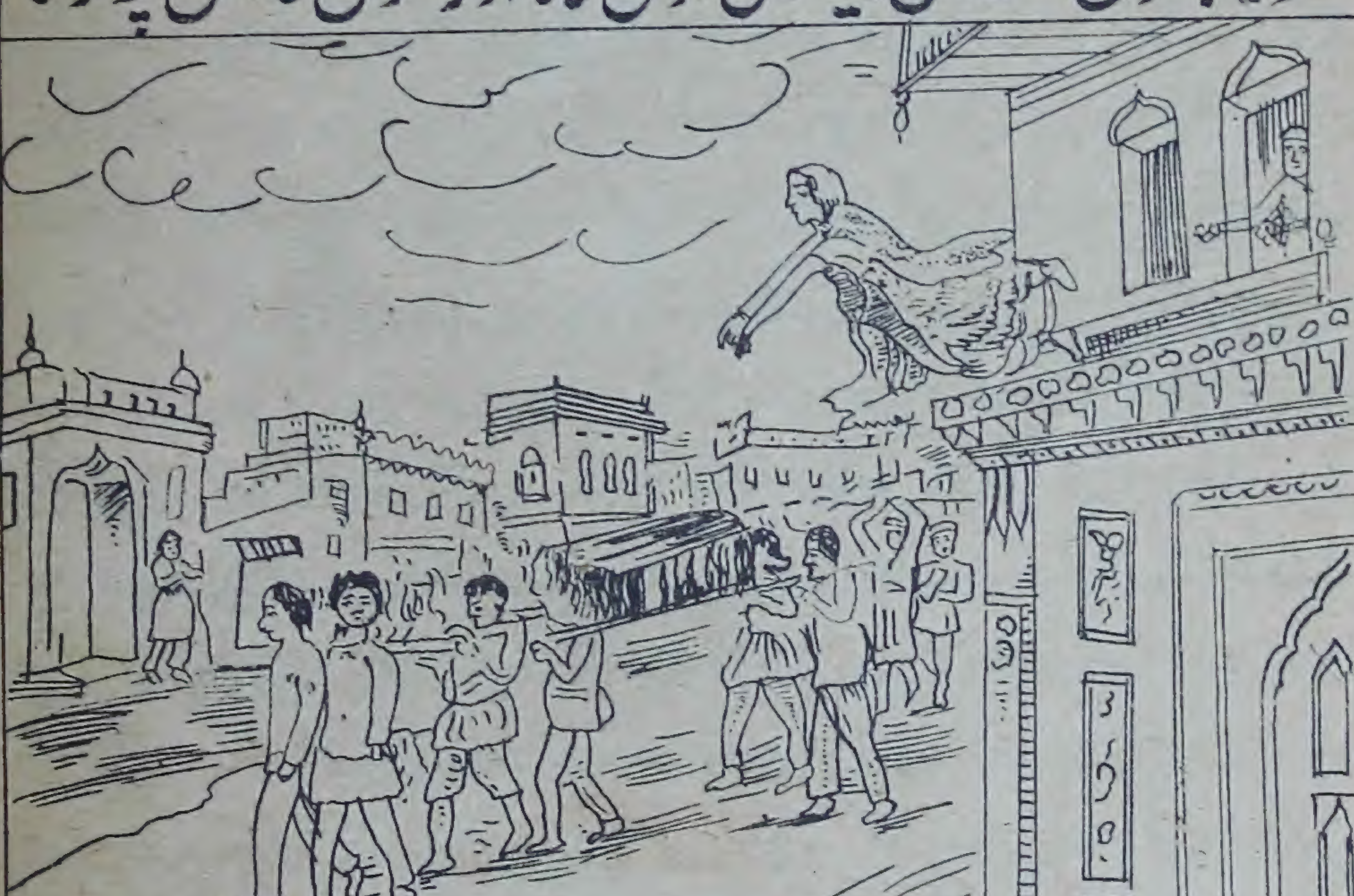
سے گر پڑا دایۂ اجل نے کنار عاطفت میں بٹھا لیا اہل قبور سے ملا دیا پھر باگ اٹھا چل نکلی مجسٹن کے بیٹے نے بہت خاک اڑائی بیٹے کی لاش باپ کو دکھائی اُس نے کہا کیوں جو ہم نے کہا تھا وہی آگے آیا وہ بد نصیب بولا صبح اختتام ہے جو ہونا ہے ہو جائے گا مجسٹن نے کہا تو اپنا بھی حال ایسا ہی بنائے گا دم سحر جب وہ چلا مجسٹن کا جی نہ رہ سکا ساتھ ہوا جس دم شہزادی کی سواری پاس آئی باگ پکڑی ہنوز زبان نہ ہلائی تھی شہزادی نے کہا اے مجسٹن ہم نے سنا تھا کہ تو مرد جہان دیدہ و سرد و گرم روزگار چشیدہ تجربہ رسیدہ ہے مگر فسوس بایں ریش فش تو نے سنا نہیں۔ لا اعلم

ع ز حادثات جہاں بس ہمیں پسند آمد ٭ کہ خوب و زشت و بد و نیک رہگذر دیدم ٭ اس پیرانہ سالی میں

تجھ پر ہزار سانحے گذرے ہونگے کچھ الم و رنج کا مزا یا فرحت و خوشی کا نشہ باقی ہے اے نادان دنیا میں کس بات کو یاد کیجیے کس کا غم کس سے خاطر شاد کیجیے اگر عقل رسا یا کچھ فہم و ذکا ہو تو دنیا میں کافی ہے یہ بات گذشتہ را صلوات مصحفی ۔ اے مصحفی میں رووں کیا پچھلی صحبتوں کو ٭ بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں ٭ یہ کہہ کر گھوڑا اچھکارا کہ پھر سلسلہ جنبانی اس امر بے معنی کی موجب مضرت جان جانا مجسٹن نے بیٹے کو سلام کیا اور نہ کچھ کلام کیا وہ بھی نطفہ ضعیف کا پیدا ہوا بوڑھے باپ کا بیٹا تھا محجوب و طن پھرا جیتے جی باپ سے آنکھ چار نہ کی پھر اس انگریز نے کہا مطلب اس حکایت سے یہ ہے کہ آدمی وہ بات نہ کرے جس کا حصول ذلت و خفت ہو کہو اب کیا کہتے ہو یہ سنکر وہ فرہاد بے ستون عشق شیریں زبانی سے کہنے لگا بقول استاد ۔ کب تلک جیوں گا میں موت اک دن آنی ہے ٭ ہجر میں جو آجاوے عین مہربانی ہے ٭ سب جلسہ سر ٹیک کر اُٹھ کھڑا ہوا کہا جب یہ جان گنوائے گا تب جھگڑا جائے گا آخر کار جب اس کا حال ردی ہوا دوستوں کو چٹھیاں لکھ کر جمع کیا کہا کل اس مقام سے ہمارا کوچ ہے اگر ہماری وصیت بجا لاؤ گے دنیا میں نام حشر کو بخیر انجام ہو گا سب نے قبول کیا اس نے کہا بعد انتقال روح ہمارا جنازہ تکلف کا بنا کر بجرے کی چھت پر صندوق میں نعش دھر باجے بجاتے ہمارے معشوق کی کوٹھی جو لب دریا ہے اسکے نیچے سے لے جانا اور دل میں یہ تھا ۔ استاد ۔ ساتھ وہ میرے جنازے کے لحد تک آئے ٭ اے اجل تیرا قدم مجھ کو مبارک ہووے ٭ غرضکہ رات کو اُس مریض فرقت کا ہجر میں وصال ہوا اس جہاں سے انتقال ہوا گویا ۔ مرنے کو بھی لوگ کہتے ہیں وصال ٭ یہ اگر سچ ہے تو مر جاتے ہیں ہم ٭ مؤلف ۔ مر کے حاصل کیا فرقت ہی لو نام وصال ٭ جان دی ہم نے مٹایا خلش ہجراں کا ٭ صبح کو یہ خبر عام ہوئی کہ سوداگر بچے کے عاشق محروم و ناکام کا کام تمام ہوا مر گیا شدہ شدہ سوداگر کو اور اُس ماہ پیکر کو یہ حال معلوم ہوا اگرچہ جذب محبت سے حال تغیر ہوا مگر ضبط سے کام لیا دل بیقرار کو تھام لیا انگریز جمع ہو بصد پریشانی وصیت بجالائے جنازہ درست کر بجرے کی چھت پر دھر لیا لباس سب نے سیاہ کیا بلند نالہ و آہ کیا سر ننگے غل مچاتے باجے بجاتے عجب سانحہ تھا ہزارہا زن و مرد کنارے گریاں چلے آتے تھے جس نے صندوق کی طرف دیکھا فریاد مچاتا تھا اسی دن سے دریا دریا اشک بحر کی چشم سے رواں ہے مثل سیماب بیقرارانہ دواں ہے

اور جسے احباب حباب کہتے ہیں بہ فرط قلق سے ہر محیط کی چھاتی میں پھپھولا پڑتا ہے پھوٹتا ہے موجوں سے تلاطم نہیں چھوٹتا ہے ماہیان دریا کا خنجر الم سے حجرہ یعنی گلا زخم دار ہے سنان غم سینہ کے پار ہے ساکنان دریا کو بسکہ شمشیر عشق کا خوف و خطر ہے اس ڈر سے سنگ پشت کی پیٹھ پر سپر ہے خلاصہ یہ کہ اسکی صورت سے جنازہ اسکی کوٹھی تلے آیا اور صندوق سے اُس زندۂ جاوید نے یہ آواز بلند سنایا استادہ اے فلک آخری پھیرا ہے ؞ ہو جھ سے گراور ؞ اُس کے کوچے میں جنازہ مرا شگین تو ہو ؞ اسی وقت وہ مہ پارا کشش دل اور تپش متصل سے مطلع ہو دیوانہ وار کوٹھے پر چڑھی اور بیتابانہ پوچھا کہ یہ لاش دلخراش کس جگر پاش پاش کی ہے کہ حاجبان بارگاہ عشق سے صدائے دورباش دورباش کی ہے وہ بولے کہ یہ کشتہ تمھارا ہے رنج مفارقت نے آپ کے اسے بے اجل مارا ہے افسوس کہ اس بیکس نے جان دی اور تم کو مطلق خبر نہ ہوئی اور کسی شخص نے عمداً اسے سنا کر یہ شعر پڑھا جرأت مکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے ؞ سبھوں سے پوچھتا ہے کس نے اس کو مار ڈالا ہے ؞ یہ سنتے ہی وہ نعرۂ جانسوز آہ دلدوز سینۂ بریاں سے کھینچکر کود پڑی

تصویر جنازہ مع صندوق زیر مکان معشوق لانا اور معشوق کا اُس پر گرنا



عشق کا نشانہ دیکھیے صندوق نعش پر گر ٹکڑے ٹکڑے مثل جگر عاشق زار ہو خواب مرگ میں سو بخت خفتہ
عاشق جگایا کشش محبت نے بچھڑوں کو اس طرح ملایا دیکھنے والے تھرا گئے دلگدازوں کو غش آگئے
شہر میں یہ چرچا گھر گھر ہوا منزلوں یہ اخبار مشتہر ہوا اسکے ماں باپ نے بہت سی خاک سر پر اڑا دونوں کو
پیوند زمیں کیا اس عشق فتنہ انگیز نے کیا کیا نہیں کیا تہہ خاک ہجر کے ماروں کو بیقراروں کو قرار آیا ہزارہا
شخص دیکھنے کو سر مزار آیا مطابق قول میر تقی ؎ حیرت کار عشق ہے مردم ؛ شکل تصویر آپ میں تھے گم ؛
کام میں اپنے عشق یکتا ہے ؛ ہاں یہ نیرنگ ساز یکّا ہے ؛ جس کو ہو التفات اسکی نصیب ؛ ہے
وہ یہاں چند روز غریب ؛ ایسی تقریب ڈھونڈھ لاتا ہے ؛ کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے ؛
کون محروم وصل یاں سے گیا ؛ کہ نہ یار اس کا اس جہاں سے گیا ؛ پھر یہاں سے خامہ مصیبت نگار
حال ملکہ زار لکھتا ہے کہ آخر کار جی تنگ ہوا تپ دوری سے یہ ڈھنگ ہوا استاد ؎ لگے زمین ؛
اب سب آتارنے ہم کو ؛ یہ دن دکھائے ترے انتظار نے ہم کو ؛ فراق میں ترے بن موت اب تو
مارا ہے ؛ تڑپ تڑپ کے دل بیقرار نے ہم کو ؛ جب بتا آہ دم نزع گنٹھ بیٹھ گیا ؛ تم آئے بالیں پہ
اُس دم پکارنے ہم کو ؛ صبح سے تا شام ٹکٹکی جانب در دست تاسف بر سر اور ہر دم یہ کلمہ زبان پر
استاد ؎ زبسکہ رہتا ہے آنے کا اسکے دھیان لگا ؛ صدائے در پہ ہے در پردہ اپنا کان لگا ؛ بیاد زلف
رسا دود آہ سب پہ کھلے ؛ میں منہ پہ اس لیئے رکھتا ہوں بیچوان لگا ؛ ہزار خوار ہوے تجھ سے
عندلیب یہاں ؛ یہ بے ثبات چمن ہے نہ آشیان لگا ؛ آخر کثرت انتظار سے نظر کمی کرنے لگی
اور جان زار تڑپنے سے دل بیقرار کے برہمی کرنے لگی یہ نوبت ہوئی ؎ گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے
کے ؛ اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند ؛ اسوقت کشش محبت ملکہ مہر نگار نے جانعالم کے
دل کو بیچین کیا خیال آیا کہ خدا جانے صدمۂ فرقت سے اس کا کیا حال ہوگا دل نے کہا جینا وبال ہوگا
گھبرا کر دست پاچہ ہوا عیش و نشاط بھولا یہ تازہ گل پھولا انجمن آرا سے کہا زیادہ طاقت مفارقت
احباب وطن مجھ خستہ تن کو نہیں آج بادشاہ سے رخصت خواہ ہونگا بہرحال اطاعت اور رضا اسکی
جمیع امور پر مقدم جانتی تھی کہا مجھے بھی تمنائے سیر کوہ و بیاباں بے پایان ہے شہزادہ موافق معمول
دربار میں حاضر ہوا اور بسلسلۂ سخن بہ طلب رخصت وطن کھولا بادشاہ محزون و غمناک ہو فرمانے لگا
یہ کیا کہا جو کلیجہ منہ کو آنے لگا جان من تاب جدائی نہیں رخصت باد پیمائی نہیں اگر خواہش

سیر ہے تو فضائے اِس نواح کی جا بجا مشہور ہے خزانہ موجو فوج فرمانبردار ملک حاضر اگر منظور ہے جانعالم نے دست بستہ عرض کی اے شہریار با وقار پر تمکین برس دن میں حضور کو مجھ غمگین سے یہ محبت ہوئی کہ مال و ملک و سلطنت بلکہ جان تک سے دریغ نہیں وائے برحال مادر و پدر سوختہ جگر جنھوں نے لاکھ منتوں کروڑوں مرادوں سے دن کو دن نہ رات کو رات جان کر سولہ سترہ برس خاک چھان کر مجھ کو پالا ولولۂ طبیعت نے گھر سے نکالا اب مدت مدید عرصۂ بعید گذرا انھیں میرے جینے مرنے کا حال معلوم نہیں انکے صدمہ کو غور کیجیے رخصت بہر طور کیجیے آدمیت سے بعید ہے آپ عیش و نشاط کرے ماں باپ کو رنج و تعب میں چھوڑے امیدوار ہوں اس امر میں حضور کد نہ کریں بکشادہ پیشانی اجازت وطن دیں اگر حیات مستعار زیست ناپائدار باقی ہے پھر شرف آستان بوسی حاصل کروں گا نہیں تو اس فکر میں گھٹ گھٹ کے مرونگا دین برباد ہوگا اور دنیا میں عزت و آبرو نہ رہیگی خدا ناخوش ہوگا خلقت تن پرور راحت طلب کہے گی بادشاہ سمجھا یہ اب نہ رُکے گا آنسو آنکھوں میں بھر کر کہا خیر بابا مرضی خدا جو تیری رضا مگر تیاری سامان سفر کو چالیس دن کی مہلت چاہیئے جانعالم نے یہ بات قبول کی یہ تو رخصت ہو کر گھر آیا خبرداروں نے اس حال کا خاص و عام میں چرچا مچایا خلاصہ یہ کہ شدہ شدہ یہ غلغلہ گھر گھر ہوا
خورد و کلاں بوڑھا اور جوان شہر کا اس خبر سے باخبر ہوا

عزم جانعالم زرنگار سے سوئے وطن تیاری سامان رخصت انجمن آرا کی عزیز و اقربا سے فرقت اور پہونچنا ملکہ مہر نگار پاس پھر نکاح کرنا

مؤلف ؎ چل لے توسن خامہ چالاک و چُست ⁂ کہ اب بیٹھے بیٹھے بہت جی ہے سست ⁂ جگہ بیٹھ رہنے کی دنیا نہیں ⁂ یہاں خاک بیٹھے کوئی دل حزیں ⁂ سفر ہر نفس سب کو رہتا ہے یاں ⁂ سرائے فنا بھی عجب ہے مکاں ⁂ نہ بیٹھا کبھی جم کے اک جا سرور ⁂ قریبوں سے اپنے رہا دور دور ⁂

طے کنندگان ملک معانی و سیاحان اقلیم خوش بیانی بادیہ پیمایان بے توشہ بار محنت برسر راہ نوردان ہوش باختہ بے راہبر یاد دلدار در دل دین و دنیا فراموش الم ہمراہ ہرگام نالہ و آہ تصویر یار ہم آغوش لکھتے ہیں کہ اس عازم سمت معشوق عاشق خصال کو چلہ وہیں گذرا سامان سفر تیار ہوا اب صبح کو اُس چلہ نشین حجرۂ محبت کی رخصت ٹھہری سر شام بادل ناکام بادشاہ دامن سحر کی صورت

گریباں چاک کر مع ارکان سلطنت دو کوس شہر سے باہر سرِ راہ دامن کوہ پر جا بیٹھا وزیر خوش تدبیر
سے فرمایا کہ تم شہزادے کو رخصت کرو ہم یہاں سے جلوس سواری سامان سفر دیکھیں گے یہ خبر
اہل شہر کو معلوم ہوئی تمام خلقت پانچ برس کا لڑکا بچا نوے برس کا بوڑھا رنڈی مرد دوسرے
ٹیکرے پر اسی دم جمع ہوئے جھٹپٹے وقت جانعالم نے سواری طلب کی ہرکاروں نے عرض کی
بادشاہ راہ کی طرف متوجہ ہوا روشنی نمود ہوئیں پلٹنیں آئیں سجی سجائی توپخانہ گذرا پھر بارہ ہزار ہاتھی
سواری کا ہودج و عماری کا ہزار بارہ سو جنگی باڑہ نشست چاروں بھٹیاں ٹکٹکیں بان سپٹے سونڈوں گاڑہ
میں چرچے بھسونڈے رنگے طلائی نقرئی زنجیریں کھنکتیں جھولیں زربفت کی نئے نئے رسے
کلابتوں کے ہیکلیں جڑاؤ مغرق جگمگا رہیں پڑیں دورویہ اس انداز کی کہ اگر اصحاب فیل انھیں دیکھتے
خوف کھاتے کبھی کعبہ ڈھانے نہ آتے فیلبان زربفت کی قبا یا کمخواب کی پہنے جوڑیدار پگڑیاں
باندھے کمریں پیش قبض یا کٹار ہاتھوں میں گجباگ جواہر نگار مستوں کے ساتھ دو لوڑی بردار
ایک چرکٹا ہاتھ میں ڈنڈا دو برچھی والے دیکھے بھالے آگے پیچھے تریل قریب سانٹھ مار برابر دورویہ
دس وار پھر کئی لاکھ سواروں کے پرے ہاتھیوں سے پرے پرے سر سے تا پا لوہے کے دریا میں ڈوبے
بیس اکیس برس کا ہر ایک شخص کا سن شباب کی راتیں جوانی کے دن خود بکتر زرہ پہنے بائیں دہنے
چار آئینہ فولادی میں ہر دم روئے مرگ معائنہ کرتے ہاتھوں میں داستانے خانہ جنگیوں کے
بانے دو تلواریں ایک قاش زین میں دوسری ڈاب میں تنچے کی جوڑیاں قبوہ میں سپر بہادری
سے سر دیں کمر میں قرولی یا کٹار آبدار پر پشت پر برچھا ہاتھ میں تیکھا پن ہر بات میں مثل نہنگان
بحر ہیجا و شیران اکنام وغا مونچھوں پر تاؤ دیتے ہر بار نوک کی لیتے گھوڑے وہ خوش خرام کہ سمند
سبز فام جس کا قدم دیکھ کر آج تک چال بھولا ہے دیکھنے والے کہتے تھے چمن روان کیا پھلا
پھولا ہے دو صفیں باندھے ہوئے بیچ میں پچتباخے روش گھوڑے کداتے جوبن دکھاتے
چلے گئے پھر ہزار بارہ سو سانڈنی سوار خوش رفتار زرد زرد قبائیں در بر سرخ پگڑیاں سر پر آبی
بانات کے پاجامے پانوں میں ہتھیار لگائے مہاریں اٹھائے ستاروں کی چھاؤں میں سانڈنیوں
میں دو دو سو کوس کا دم بجتی فلک اب تک بلبلاتا ہے جب ان کا دھیان آتا ہے قدم قدم
پر جب بڑھے تو سواری کے خاص خاصے نظر آئے عربی ترکی تازی عراقی یمنی اور کاٹھیاوار

کا دکھنی وہ وہ گھوڑا جو ابلق لیل و نہار کی نظر سے نہیں گذرا ہڈا نہ موٹا نہ رس کا خلل زنگ جارو
نہ کھونٹا اکھاڑ سا نہ ناگن عقرب نہ ارجل شبکور نہیں منھ زور نہیں کم خور نہ سٹھا نہ کھوٹا بال
بھونری سے صاف حشری کمری کہنہ لنگ نہیں سینہ کا تنگ نہیں ہمہ تن اوصاف کسی پر جڑاؤ
زین بندھا کسی پہ چار جامہ دوال کو کسا کسی کی نقط گردنی الٹی گنڈہ پٹہ ساز یراق جواہر نگار
پوزی دمچی طرحدار پر ہما کی کلغی لگی پاکھر پر تکلف پٹھوں پر پڑی دوگا ماگام سہ گام یرغا یبیہ یہ اہر
دلکی کا منجا ایل کرتا جلودار جیتو رییے مشغول تگسر انی میں ہمرکاب تیاپی بردار معقول سر گرم
جانفشانی میں باگ ڈوریں پر زر سائیس لے کر نکلے انکے بعد نوبت نشان ماہی مراتب علم
اژدہا پیکر جلو میں نصرت وظفر یہ سب جلوس باکروفر آیا نوبت کی ندا جھانجھ کی جھانجھ سے صدا
قرنا سے شور و غل شہنا میں بھیروں بھیاس کے سر بالکل نقیب اور چوبداروں کی آواز پر سوز و گداز
عجب کیفیت کا عالم تھا ادھر نقارہا ئے شتری و فیلی سے گوش کر و بیان کر ہوا جاتا تھا ایک طرف
شہر کے لڑکوں کا غول بجا دے بجا دے کا غل مچاتا چلا آتا تھا۔ میر توزے کے تو ہر ہمہ لیکر عصائے
نور ہاتھوں میں ؛ یہی کہتے تھے گردوں پر ادب سے اور تفاوت سے ؛ پھر شکار کا سامان میر شکار لائے
باز آہنی چنگال تیز بال بحری باشے شاہیں عقاب فلک سیر جہاں کے طیر انکے قریب تازی ولایتی کتے
بو دار گلد انک تازی جانبازی کرنے والے چیتے جو دشمنوں کو بُرا چیتے بلکہ لہو پیتے سیاہ گوش در آغوش
ہرن لڑنے والے خانہ زاد گھر کے پالے انکے بعد ہزار ہا سقہ خواجہ خضر کا دم بھرتا چھڑکاؤ
کرتا کمر میں کھارے کی لنگیاں شانوں پر بادلے کی جھنڈیاں مشکوں میں بید مشک بھرا دہانے
میں ہزارے کا فوارہ چڑھا متعدد غلام بادلہ پوش حلقہ بگوش ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے
پڑے منقل انگیٹھیاں سونے چاندی کی لیئے ہوئے جھونکتے نکلے پھر تو کوسوں تک خبگل رشک
تاتار مثل طبلہ عطار ہو گیا انکے متصل دو ہزار لالٹین والے کمسن بلور کی صاف صاف شفاف
لالٹینیں لیئے شمع مومی و کافوری روشن کیئے وہ سب غنچہ دہن زیب انجمن بڑھے پھر صدائے
اہتمام نقیبان خوش گلو چار سو بلند ہوئی اور صبح صادق نے جلوہ دکھایا ہاتھ کو ہاتھ نظر آیا
شاہ خاور بھی دریچۂ مشرق سے سر نکال کر مشغول نظارہ ہوا حسرت میں وطن آوارہ ہوا دم سحر
نسیم و صبا کی فرفر شمع کا جھلملا جھلملا اداس جلنا سواری کا آہستہ آہستہ چلنا پہاڑی جانور کی سر

ذکر حق میں وحش و طیر سرسبز درخت لہلہے پھول رنگ برنگ کے ڈھیڑ ہے سقوں کی آب پاشی صدائے نالۂ مرغان خوش الحان سے دلخراشی خسرو انجم کا مع ثابت و سیارہ چھپتے جانا سورج کی کرن کا جگمگانا پھولوں کی بو باس چشمہ سرد و شیریں آس پاس خلق کا مجمع دامن کوہ پر سب کی نگاہ کبھی اس کیفیت پر گاہ اُس انبوہ پر ادہر مسافروں کی کثرت اُدہر بادشاہ پر ارمان خلق خدا باحسرت بچشم انتظار امید وار آمد پیادہ و سوار و تماشائے عجیب و زنگار بھے یکایک غول خاص برداروں کا آیا کمخواب کی مرزائی انگرکھے بگراتی شروع کے گھٹنے دلی کی ناگوری پاؤں میں سر پر گلنار پھیٹے طرحدار خاصیو نکے غلاف بانات مقرلاتی باغ و بہار گرد پوش ململ کے سینگڑے ساز مطلا جھلا جھل کے رفل چقماق توڑے دار قرابین شیر بچے جس سے شیر زندہ نہ بچے جواہر نگار اور برچھی دار باندازگتے والے یکے بیش قرار دربا ہے دار راکب و مرکب جھمکڑے کا عالم گرداگرد بیچ میں شہزادہ جانعالم اسپ بادرفتار پر سوار برابر انجمن آرا کا سکھپال پری تمثال ہزار پانسو کہاریاں بیاری پیاریاں کمسن جسم گدرایا شباب چھایا زربفت و اطلس کے لہنگے مصالحہ ٹکا ململ کے دوپٹے باریک بنت گوکھرو کی کرتی انگیا کا شانی مخملی کرتیاں کندھوں پر کچھ سکھپال اُٹھائے باقی پرا جمائے اِدھر اُدھر جڑاؤ کڑے ملائم ہاتھوں میں بڑے پاؤں میں سونے کے تین تین چھڑے کانوں میں سادی سادی بالیاں نشۂ حسن میں متوالیاں کسی کا کان جو آلا تھا تو حسن کی دوکان میں ناز و ادا کا نرخ دو بالا تھا انداز و ناز نرالا تھا وہ آہستہ تیوری چڑھائے پاؤں رکھنا کبھی سسکی جھجکی بڑی سیر تھی کئی سو سواری کا دوڑنے والا خواجہ سرا عجیب عجیب طرح کا نسکٹا قلماقنیں ترکنیں سرگرم اہتمام خواجہ سرایان ذی لیاقت معقول گھوڑوں پر سوار بند و بست میں مشغول جریب زمین میں پڑتی کوس کا پہیہ ساتھ زمین کی پیمایش سواری کی آرایش بڑا تزک بہ مرتبۂ کروفر نہایت دھوم دھام سے بادشاہ کے پاس آپہونچے جانعالم نے دیکھا ظل سبحانی کے چشمۂ چشم سے جوئے خون جاری ہچکی لگی بیقراری طاری گھوڑے سے کود کر آداب بجالایا بادشاہ نے بہ تسم فرمایا اسوقت ہمارے پاس نہ آؤ خدا کو سونپا چلے جاؤ شہزادہ مجبر اگر سوار ہو جیدم جانعالم نے گھوڑا بڑھایا تمام خلقت کا جی بھر آیا علی الخصوص بادشاہ کی بیقراری جانعالم اور انجمن آرا کی گریۂ و زاری دیکھ کر تماشائی واویلا مچا کہنے لگے آج رونق شہر کی رخصت ہے زینت سلطنت کی فرقت ہے ایسے مہر و ماہ کے جلنے سے شہر میں غدر پڑیگا اندھیر ہو جائیگا انکا الم جدائی رنج

تصویر جان عالم معہ سامان سفر و کھیال انجمن آرا اور ادھر ادھر ٹیلوں پر لوگ بیٹھے اور سواری رواں



دشت پیمائی ہزار روز سیہ شام غم دکھائے گا کہتے ہیں کہ سیکڑوں مرد زندہ بے کہے سنے ہمراہ ہوئے
غریب الوطنی اختیار کی وہاں بود و باش گوارا نہ ہوئی انکے بعد چھ سات سو پالکی نالکی چنڈول محافے
امیرزادیوں کا اور رانیوں جلیسوں کی تین چار سو کھڑکھڑیاں اور رفیق پیش خدمتوں کا دیتن سو میانہ
چوپہلا مغلانی آتون محلداروں کا ہزار نو سو رتھ اکبرآبادی دو برجے سائبان دار نئے مستغرق پردے
چمکتے ناگوری بیل جو ثور فلک نے نہ دیکھے تھے جتے۔ اناچھو چھو چھٹی نویس باریدار لونڈیاں باندیاں
سوار یہ بھی قطار قطار گذر گئے اور چھکڑے اونٹ ہاتھی خزانے اور اسباب کے ڈیرے خیمے لدے لدائے
کسے کسائے جکڑے نظر آئے غرضکہ تا شام بیرنگاہ بازاری سرکاری سب لوگ چلے گئے لکھا ہے
کہ روپے اور اشرفیاں امام ضامن کی دم رخصت اتنی آئیں کہ تمام راہ سید مسافروں نے پائیں اور
کھجور کلچوں کا یہ حال ہوا کہ راتب کے سوا ہاتھیوں کو کلچے ملے اور اہل لشکر کو بانٹ دیے کھجوریں جو بے
نہ سکیں راہ میں پھینکدیں وہ اگیں انکے درخت اگے کم تھے اوس دن سے جنگل ہو گئے اوسوقت بادشاہ
سراسیمہ بدحواس باحال یاس و دلتنگ امیر آیا وہ بسا بسایا شہر اجڑا ویران نظر آیا بازار میں جا بجا چراغ گل سر شام
بگڑی غائب اندھیرا بالکل جس طرف دیکھا لوگ تھکے ماندے پھر کر پڑے تھے بازار میں تختے لگے ٹوٹے تھے
لوگ سوگوار تھے دردمند دکانیں بند جو جہاں پڑا تھا شہزادی کی رخصت کا ذکر کرتا تھا دو شخص اگر
باہم تھے یا دل پر غم تھے کوئی اتنا سوتا تھا کوئی چپکا پڑا روتا تھا بستی سنسان بازار میں سناٹا خلق خدا اندوہ کی
مبتلا بادشاہ کو دنیا تعلق سو رنگ نق ہوا محل سرا میں آیا وہاں بھی چھوٹے بڑے کو غمگین پایا لوگوں کے عزیز جدا ہو گئے

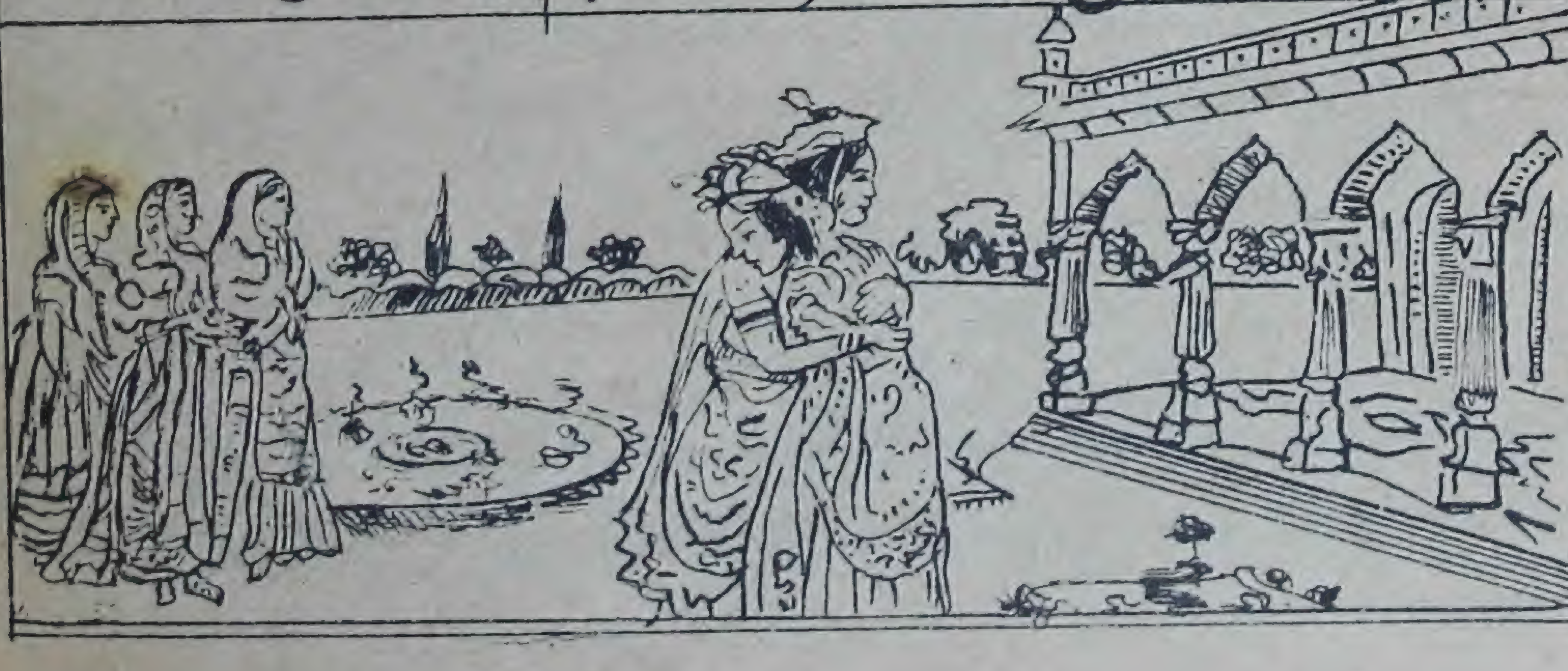
سب اُس یوسف رفتہ کے زندان فراق میں اسیرِ بلا ہو گئے علی الخصوص انجمن آرا کی ماں جسکی نظر سے وہ چاند سورج چھپ گئے زمانہ آنکھ میں تیرہ وتار دل غم سے خار خار حیرت میں نقش دیوار ہو رہی تھی آنکھوں پر زور تھا رو رہی تھی بادشاہ نے سمجھایا ہاتھ منھ دھلوایا کچھ کھلایا یہ تو سب نالۂ بلب آہ در دل جانعالم اور انجمن آرا و بمنزل پانچ پانچ کوس کا کوچ دو چار دن کے بعد ایک دو مقام پر براحت و آرام کرتے چلے فوج ظفر موج ساتھ اردوے معلیٰ کا عجب عالم تھا ایک عالم رونا ہمراہ جہاں کی نعمت تیار شام و پگاہ صراف بزاز جوہری روپیہ پیسہ اشرفی ڈھاکے کا ریزہ بنارس کا گلبدن گجرات کا کمخواب لماس زمرد یاقوت احمر جو چاہو سو لو ایک طرف قصاب اور نانبائی پکی پکائی لیے ہوئے میوہ فروش خانہ بدوش حلوائی طرح طرح کی مٹھائی مینا بازار باغ و بہار جدا جدا ہر گنج کا جھنڈا گڑا چوپڑ کا بازار پڑا جلو خانے کے روبرو نصف شب گذرے تک دوکانیں کھلیں اکاسی دیا جلتا بھولا بھٹکا اسکی روشنی میں آملتا کوتوال سرگرم پاسبانی بازاریوں کی نگہبانی زر سنگار روندیں پھکتا غرضکہ سب خرم و شادماں رواں تھے مگر جانعالم جذب محبت ملکہ سے کبھی یہ کہتا تھا شعر ؎ بہ سامان سفر با خود دل رنجیدۂ دارم ؛؛ بکف چیزیکہ دارم دامن برچیدۂ دارم

ورود لشکر فیروزی اثر دیار ملکہ مہر نگار میں پیر مرد کی ملاقات اور انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کی دو بدو گفتگو پھر جانعالم کا نکاح بعد رخصت بصد شوکت و حشمت

مشاطۂ خامہ نے عروس سخن کو بصد زیب و زینت حجلۂ بیان میں یوں جلوہ آرا کیا ہے کہ جس روز ورود لشکر فیروزی اثر ملکہ مہر نگار کے باغ سے قریب ہوا خبرداروں نے یہ مژدۂ جاں بخش فوراً ملکہ کو پہونچایا کہ مبارک ہو شاہزادہ تشریف لایا بسکہ غم مفارقت سے تاب و طاقت طاق تھی سنتے ہی غش آیا پھر سنبھلکر فرمایا بخت خفتہ کب بیدار ہوتا ہے ایسا پاؤں پھیلائے سوتا ہے اور جو میرا دل بہلانیکو کہتے ہو تو سن لو مؤلف ؎ تفریح کلفتوں کی ترغیب ہے لاحاصل ؛؛ بہلانے کی باتیں ہیں یہ دل بھی بہلتے ہیں ؛؛ چندے جو یہی لیل و نہار رہے تو قصہ فیصلہ ہے تدبیر خلاف تقدیر سراسر بیکار ہے مؤلف ؎ گر اُسکے ہجر میں یونہیں اندوہگیں رہے ؛؛ تو ہو چکا وصال و لا یہ یقین رہے ؛؛ ہے احتیاط شرط کہ اس چشم تر پہ آہ ؛؛ دامن رہے رہے نہ رہے آستیں رہے ؛؛ مدفن کا اپنے ہمکو تردد ہو کس لیے کوچہ کی تیرے یار سلامت زمیں رہے ؛؛ تو گلشن وصال کی کر سیر عندلیب ؛؛ ہم خرمن فراق کے بس خوشہ چیں رہے

جو جو کہ انتخاب تھے صفحے پہ دہر کے ؛ ایسے وہ مٹ گئے کہ نشاں بھی نہیں رہے ؛ کس کی خوشی کہاں کی ہنسی کیسا اختلاط ؛ ہم کو نہ چھیڑو تم کہ وہ اب ہم نہیں رہے ؛ چھوٹا نہ نزع میں بھی خیال اس کا اے سرور ؛ دم بھرتے ہم اسی کا دم واپسیں رہے ؛ اس عرصہ میں وہی خواص دل آرام نام بارہ دری سے نیچے اتری پھر کہا خدا جانے یہ لشکر کہاں سے آکر اترا ہے ملکہ ہنسکر بحیلۂ سیر خواصوں کے کندھوں پر ہاتھ دھر ٹھنڈی سانس بھر کوٹھے پر چڑھی دیکھا تو فی الحقیقت لشکر بے پایاں سپاہ فراواں ہے خیام شاہی استادہ ہیں پھرتے چلتے سوار اور پیادہ ہیں یکایک شہزادۂ جان عالم بچند سوار اسپ صرصر خرام رخش تیزگام پر سوار نظر آیا اول تو اسے بچا کھچا منزلوں کا مارا دشت غربت کا آوارہ دیکھا تھا اب چم و خم جاہ و حشم سے پایا بدن تھرایا اعضا اعضا میں رعشہ ہوا یہ وزن تماشہ ہوا استادہ آتے ہی ترے چھٹتا ہے رعشہ سا بدن میں ؛ ہر چند کہیں بیٹھیے ہر لحظہ سنبھل ہم ؛ وہ زردی چہرۂ پرغم مژدۂ وصل کی سرخی سے بدل گئی غش سے سنبھل گئی شہزادہ گھوڑے سے اتر سیدھا ملکہ کے باپ پاس گیا رسم سلام بجالایا اس نے دعائے خیر چھاتی سے لگایا کہا الحمد للہ تمھیں بصحت و عافیت اللہ نے کامیاب دکھایا پھر انجمن آرا کی سواری آئی تسلیم بجالائی پیر مرد نے فرمایا شہزادی نے فقیر کے حال پر کرم کیا اللہ بھلا کرے اس نے عرض کی کہ کنیز مدت سے حضور کی صفت و ثنا ظل سبحانی کی زبانی سنا کرتی تھی آج شہزادہ کی بدولت سعادت آستان بوس حاصل ہوئی دو گھڑی بیٹھی پھر التماس کیا کہ اگر اجازت دیجیے ملکہ کی ملاقات سے مسرور ہوں اس مرد حق پرست نے فرمایا اس کا پوچھنا کیا بابا بے تکلف خانۂ خانۂ شماست جان عالم رخصت ہو خیمہ میں آیا انجمن آرا نے ملکہ کے مکان کا رستہ لیا آنے کی خبر

تصویر انجمن آرا و ملکہ مہرنگار کے باہم گلے ملنے کی



پیشتر ملکہ کو پہونچی تھی سامان اس اُجڑے مکان کا درست ہوا تھا جب سواری اتری لب فرش لینے کو آئی فراشی سلام کیا گلے سے انجمن آرا نے لگایا ملکہ آبدیدہ ہو کر بولی تم نے مجھے محجوب کیا میں فقیر کی بیٹی تم شہزادی ہر چند شاہ و گدا دونوں بندۂ خدا ہیں الا تمھارے قدم آنکھوں پر رکھوں تو بجا ہے آپکے آنے سے مجھے بڑا افتخار حاصل ہوا ہے انجمن آرا بولی ہم نے یہ خوب کیا رنڈی یہ چوچلے کی باتیں بیگانہ دار نہ کرتی تو کیا ہوتا اے صاحب ہمارے تمھارے تو رشتہ ہمسری و برابری ہے او حساب کی راہ سے پہلے تو سلامتی سے تمھیں ہو سرکاری اُلش ہمیں ملا ہے پہلے مزا آپنے چکھا ہے جوبن لوٹا ہے غرضکہ دونوں ذکیں ہو گئیں اختلاط حرف و حکایات رمز و کنایہ شب بھر رہے جس وقت عروس شب نے مقنعہ مغرب میں منھ چھپایا اور نوشاہ روز مشرق سے نکل آیا انجمن آرا جانعالم کے پاس آئی دیر تک اخلاق و محبت ملکہ مذکور کیا کہ اس صفت کی عورت آجتک نہ دیکھی تھی دوسرے دن جانعالم نے ملکہ کے باپ سے عرض کی کہ الکریم اذا وعد وفی اس سالک راہ حق نے ارشاد کیا ہم اس لائق کہاں ہیں لیکن مصرع ؎ شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا ٭ تم قول کے پورے ہو اقرار کے سچے ہو بسم اللہ اپنے زمرۂ کنیزوں میں سرفراز کرو شادی کا نام لینا منھ چڑھانا ہے نہ وہ ہم ہیں نہ وہ ہمارا زمانہ ہے آخر بطور شرع شریف ملکہ کا نکاح جانعالم کے ساتھ ہوا اب یہ معمول ہوا کہ ایک شب انجمن آرا کی دوسری رات ملکہ کی ملاقات کی ٹھہری اور ان دونوں میں وہ راہ و رسم محبت و الفت کی بڑھی کہ شہزادے کی عاشقی نظر سے گر گئی نظری ہوئی اور سچ ہے جو طرفین سے نجیب الطرفین ہوتے ہیں اُنہیں رشک و حسد رنج و ملال جلاد نہیں پاتا کٹی جلی ڈاہ بغض عداوت کج بحثی دانتا کل کل روز کی تو تو میں میں جھوٹی امت پر ختم ہے لاکھ طرح انھیں سمجھاؤ نشیب و فراز دکھاؤ لیکن اُن لوگوں سے بے جھونک جھانٹا نہیں رہا جاتا دو دن ایک طرح پر صحبت برابر نہیں آتی ہے زندگی انسان کی تلخ ہو جاتی ہے لاکھ طرح کا غم ہوتا ہے ناک میں دم ہوتا ہے ہو نہ لطف

عشق میں طرفین سے اُلفت برابر چاہیے	جو بدل بندہ ہو اُس کو بندہ پرور چاہیے

داستان حیرت بیان رخصت جانعالم پیرمرد کا عمل بتانا چلتے وقت وزیر زادے کا مل جانا انجمن آرا کے میلان سے شہزادے کو بندر بنانا اُس بیچارہ کا ہزاروں مصیبت اُٹھانا مع الخیر صحت پانا

مصیبت نگار مصائب رقم	جگر چاک و مغموم میرا قلم	زمانے کی کچھ طرز لکھتا ہے یاں

عجائب غرائب ہے یہ داستان
جو یہ دوست ہیں ایسے دشمن کہیں
ضرورت کی کچھ دوستی ہے ضرور
مری بات یارو یہ کرنا یقین
نہیں ہیں نہیں ہیں نہیں ہیں نہیں
کیا امتحان میں نے اکثر سردر
کسی کا کوئی دوست مطلق نہیں

قصہ کوتاہ چندے شہزادہ والا جاہ وہاں رہا ایک روز یہ سب عاشق ومعشوق باہم بیٹھے تھے جانعالم نے کہا ہمیں وطن چھوٹے عزیزوں سے منھ موڑے عرصہ ہوا ہنوز دلی دور ہے اب چلنا ضرور ہے وہ دونوں نیک خو رضا جو بولیں بہت خوب اسی روز حرف رخصت ملکہ کے باپ سے درمیان آیا اس نے بھی روکنا مناسب نہ جانا سفر کی تیاری ہوئی دم رخصت اسقدر مال واسباب نقد وجنس کی قسم سے شہزادے کو ملا کہ انجمن آرا کا جہیز بھول گیا اور وقت وداع پیر مرد نے بلبل دل پُر درد جانعالم سے کہا فقیر کے پاس کچھ نہ تھا جو پیش کش کرتا مگر ایک نکتہ بتاتا ہوں جب امتحان ہوگا خزانہ قارون سے زیادہ کام آئیگا اگر احتیاط کروگے پھر چند فقرے تنہا لیجا کر بتا کر تاکید سے کہا اگر یہ مقدمہ حقیقی بھائی سے اظہار کروگے یاد رکھو حضرت یوسف سے زیادہ صدمے سہو گے زمانہ کے اخوان الشیاطین پر از کید آمادہ کیں ہیں اسی سبب سے دنیا میں راز کہنا برا ہے چپ رہنا بھلا ہے یہ نکتہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے سب کو یاد ہے کہ دنیا میں برادر حقیقی دشمن مادرزاد ہے ؎ بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی ؛ بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے ؛ پھر انجمن آرا پاس آ فرمایا شہزادی فقیر زادی کنیز کو عزیز جانکر نظر الطاف وکرم ہردم رکھنا یہ بھی خدمت گذاری میں قصور نہ کریگی اسے تمکو سونپا تمھیں حافظ حقیقی کے سپرد کیا لو خدا حافظ سواری دیر سے تیار تھی لوگوں پر ثابت تھا کہ کوئی امر پوشیدہ درویش باوقار شہزادے پر بہ تکرار اظہار کرتا ہے اتفاق زمانہ اسی روز وہ وزیرزادہ جو وطن سے ساتھ نکل ہرن کے پیچھے گھوڑا پھینک دشت ادبار میں شہزادے سے جدا ہوا تھا سرگشتہ وپریشان پھرتا پھراتا پیادہ پا ادہر آنکلا اس نے جو یہ لشکر جرار قافلہ تیار دیکھا پوچھا کس کی سواری ہے کہاں کی تیاری ہے لوگوں نے تمام جانعالم کا قصہ سنایا یہ خوش ہوا جی میں جی آیا پوچھا شہزادہ کہاں ہے وہ بولے پیر مرد جو یہاں کا مالک ہے فقیر سالک ہے کچھ کہنے کو جدا لیگیا ہے اس عرصہ میں جانعالم رخصت ہوا سوار ہوا وزیرزادے نے مجرا کیا شہزادے نے گھوڑے سے کود کر گلے لگایا دیر تک نہ چھوڑا اسی دم لباس فاخرہ پہنا ہمراہ سوار کیا راہ میں سرگذشت تفرقہ پوچھتا کہتا چلا جب خیمہ میں داخل ہوا وزیرزادے کو محلسرا میں طلب کیا انجمن آرا اور ملکہ کو نذر دلوا کہا یہ وہی شخص ہے جس کا الم مفارقت مدام دلمیں کانٹا سا کھٹکتا تھا جی سینے میں بھٹکتا تھا دیکھو جب اچھے دن آتے ہیں بچھڑے مل جاتے ہیں ایکدن گردوں نے

ہمیں آوارہ دشت ادبار کیا تھا جدا ہر ایک دوستدار و غمخوار کیا تھا اب مساعدت بخت سے ایام سخت دور ہوئے بہم مہجور رہو سے وزیرزادے کا حال سنو انجمن آرا کا حسن و جمال بےمثال دیکھ دیوانہ ہو ہوش و حواس عقل کھو نمک حرام بنا وصل کی تدبیر میں پھنسا

استادہ	یار اغیار ہو گئے اللہ		کیا زمانہ کا انقلاب ہوا	
	خدا ملے تو ملے آشنا نہیں ملتا		کوئی کسی کا نہیں دوست سب کہانی ہے	

دو چار گھڑی یہ صحبت رہی پھر اپنے اپنے خیموں میں گئے وزیرزادے کے واسطے خیمۂ عالی استادہ ہوا پھر بھی ایسیں حلبییں حسین مہ جبیں دونوں شہزادیوں کے ہمراہ تھیں اسے دکھا فرمایا جسطرف تیری رغبت ہو دلوا دوں وہ نطفۂ حرام اور خیال میں تھا عرض کرنے لگا میری کیا مجال ہے اور کیا تاب و طاقت ہے جو انھیں بری نگاہ سے دیکھوں جانعالم بہت رضامند ہوا کہ بڑا نیک طینت صاف باطن ہے بہ اسباب ظاہر اس نظر سے زیادہ مدنظر ہوا دل میں گھر ہوا تمام صعوبتیں حالات سفر رنج راہ نفع و ضرر شہزادے نے بیان کیا مگر جب پیرمرد کے مشورے کا ذکر آتا ٹال جاتا وہ سمجھا کہ کچھ اسمیں بھید ہے ایک روز ملکہ مہرنگار اور انجمن آرا نے متفق ہو کر جانعالم سے کہا یہ نیا ماجرا ہے ہر دم ایک شخص غیر اور جوان کو شریک صحبت خلا ملا رکھنا کیا مناسب ہے اور آداب سلطنت سے بھی یہ امر بعید ہے شیطان کو انسان دور نہ جانے غیر تو کیا اپنے کا اعتبار نہ مانے جانعالم نے کہا پھر ایسا کلمہ زبان پر نہ لانا اس نے تمہاری لونڈیوں کا پاس کیا نہ کہ تمہارا حفظ مراتب ورنہ بھی تو ایسا بیہودہ نادان تھا جو خلاف وضع حرکت کرتا ملکہ یہ سنکر ہنسی انجمن آرا سے مخاطب ہو کر کہا برائے خدا انصاف تو کیجئے خاطر کی نہ لیجئے انکے حمق میں کس بیوقوف کو تامل ہوگا آپ اگر عقل کے دشمن نہ ہوتے تو کیوں حوض میں کود کر ساحرہ کی قید میں پھنستے نام ڈبوتے لو بھلا سچ کہو شرمندہ نہ ہو جی میں کیا سمجھے تھے جو کود پڑے ذرا یہ خیال نہ آیا غواص فکر کو محیط تامل کو غوطہ زن نہ فرمایا کہ کہاں انجمن آرا کجا جنگل کا حوض وہ ایسی کیونکر آئی وہ از نسل شاہی تھی یا از خاندان ماہی تھی جانعالم کھسیانا ہو گیا کہا بات اور مسخراپن اور کہاں کا ذکر کس جگہ ملا یا کیا میری حماقت کا موقع تمہارے ہاتھ آیا یہ تو سمجھو شعر

	عشق ازیں بسیار کردست و کند		سبحہ را زنار کردست و کند	
استادہ کہتے ہیں جسے عشق وہ از قسم جنوں ہے			کیونکر کہ حواس اپنے میں پاتے ہیں خلل ہم	

بھلا اپنی باتیں تو یاد کرو دل میں منصف ہو ملکہ نے کہا دیکھا اب شرمائے تو یہ کہانی لائے میں رنڈی ہوں
ناقص عقل سب کہتے ہیں بھلا صاحب اگر مجھ سے بیوقوفی کی حرکت ہوئی تعجب نہیں شکر کرنیکی جا ہے
کہ آپ کا مزاج بھی میرا ہی سا ہے آخر یہ بات ہنسی میں اُڑ گئی مگر وہ مکار ہر کوچ و مقام میں وقت کا منتظر تھا اگر دن
غم اندوز شہزادے کا خیمہ صحرائے باغ و بہار دشت لالہ زار مگر ہمہ تن خار خار پر از آزار رہن ہوا ایک فضائے صحرا نے کیفیت دکھائی
پھولوں کی خوشبو دماغ میں سمائی جا بجا چشمے رواں دیکھکر یہ لہر آئی کہ تنہا وزیرزادے کا ہاتھ پکڑ لب چشمہ جا بیٹھا تشنگی
شراب کی طلب ہوئی جسدم جانعالم کی آنکھوں میں سرور آیا اختلاط کا زبان پر مذکور آیا اس دغا شعار غدار نے وقت
تنہائی و صحبت بادہ پیمائی نشے کی حالت غنیمت جانی رونے لگا شہزادے نے ہنس کر کہا خیر ہے وہ بولا جو شرط رفاقت
حق خدمت دنیا میں ہوتا ہے غلام سب بجا لایا اگر محنت مشقت و غریب الوطنی دشت نوردی کا عوض خوب بھر پایا جب ایسا
قدردان بات کو چھپاوے تو پھر اور کس سے کس بات کی امید رہے جانعالم نشے میں انجام کار نہ سوچا اس فیلسوف
کے رونے سے بےچین ہو گیا کہا اگر تجھے یہی امر ناگوار ہے تو سن جو اسرار ہے مجھے ملکہ کے باپ نے یہ بات بتائی ہے کہ جسکے
قالب میں چاہو اپنی روح لیجاؤ اُسنے پوچھا کس طرح شہزادے نے ترکیب بتا دی جب وہ سب سیکھ چکا بولا غلام کو
بے امتحان غلطی کا گمان ہے شہزادہ اٹھکر جنگل کی طرف چلا چند قدم بڑھکر ایک بندر مردہ دیکھا کہا دیکھیں
اسکے قالب میں جاتا ہوں یہ کہکر شہزادہ زمین پر لیٹا بندر اُٹھ کھڑا ہوا وزیرزادے کو سب ڈھنگ یاد ہو گیا تھا فوراً وہ
کور نمک زمین پر گرا اور اپنی روح جانعالم کے قالب خالی میں لا کھڑا ہوا اور کمر سے تلوار نکال اپنا جسم ٹکڑے ٹکڑے کرکے
دریا میں پھینک دیا شہزادے کا نشہ کرکرا ہوا سمجھا بڑی خطا ہوئی از ماست کہ بر ماست خود کردہ را علاج نیست
وہ کافر بندر کے پیچھے دوڑا شہزادہ بیچارہ بھاگ کر درختوں کے پتوں میں چھپا پھر تو بادلجمعی تمام

تصویر بندر کے قالب میں آنا جانعالم کا اور وزیرزادے کا جانعالم کے قالب میں آنا اور اپنا قالب ٹکڑے کرنا



وہ نطفۂ حرام لہو کپڑوں پر چھڑک بیدھڑک ملکہ کے خیمہ میں آیا رو دیا پیٹا چلّایا کہا اس وقت ستم کا حادثہ ہوا میں وزیرزادے کے ساتھ سیر کرتا تھا یکایک جنگل سے شیر نکلا اسے اٹھا لے چلا ہر چند میں نے جانبازی سے شیر کو تہِ شمشیر کیا زخمی ہوا مگر اُسے نہ چھوڑا لے ہی گیا ملکہ نے تاسف کیا سمجھایا قضا سے کیا چارہ یہی حیلۂ مرگ اسکے مقدر میں تھا پھر انجمن آرا کے پاس گیا وہاں بھی یہی اظہار کیا الّا گھبرایا ہوا باہر چلا گیا ملکہ انجمن آرا کے خیمہ میں آئی وزیرزادے کا مذکور آپس میں رہا لیکن ملکہ کو قیافہ شناسی کا بڑا ملکہ تھا پریشان ہو کر یہ کلمہ کہا خدا اخیر کرے آج بہت شگون بد ہوئے تھے صبح سے داہنی آنکھ پھڑکتی تھی راہ میں ہرنی اکیلی راستہ کاٹ کر سامنے تکتی تھی اپنے سایہ سے بھڑکتی تھی خیمے میں اترتے وقت کسی نے چھینکا تھا خواب متوحش نماز کے وقت دیکھا تھا تم بھی بفضل الٰہی سے عقل و شعور رکھتی ہو آج کی حرکتیں شہزادے کی غور کرو خلاف عادت ہیں یا مجھی کو وہم بیجا ہے انجمن آرا نے کہا تم جانتی ہو وزیرزادے سے محبت کیسی تھی رنج و الم برا ہوتا ہے بدحواسی میں ایسا ہوتا ہے القصہ وہ شب ملکہ کے پاس رہنے کی تھی اُسے اندر کا حال کیا معلوم تھا طبیعت کے لگاؤ سے انجمن آرا کے خیمہ میں گیا جس وقت پہر بجا ملکہ وہاں گئی دیکھا شہزادہ وہاں بیٹھا ہے مگر مضطر اُس نے پوچھا آج کہاں آرام کرو گے وہ جھجک کر بولا جہاں تم کہو ملکہ نے کہا یہیں سو رہو شہزادے نے کہا بہت خوب یہ کلمہ بھی خلاف دستور ظہور میں آیا اس کا بہت خوب کہنا ملکہ نے برا مانا انجمن آرا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے خیمہ میں لائی روئی پیٹی چلّائی انجمن آرا بولی ملکہ خدا کے واسطے کچھ مفصل بتاؤ وہ بولی غضب ہوا قسمت الٹ گئی شہزادے سے چھٹ گئی خدا کی قسم یہ جان عالم نہیں وہ بھی شہزادی تھی گو سیدھی سادھی تھی کہا درست کہتی ہو بہت سی باتیں اُس نے آج نئی کی ہیں ملکہ نے کہا خیر اب جو ہوا سو ہوا تم یہیں سو رہو پھر جشنوں اور ترکنوں سے فرمایا ہم سوتے ہیں تم در خیمہ پر مسلح جاگو اس وقت شہزادہ کیا اگر فرشتہ آئے بار نہ پائے یہ خبر سنکر وہ بچارے ڈرے اکیلے اور خیمہ میں جا پڑے ایک ذرا بطرف ہوتا ہے ملکہ نے کہا دیکھا اگر جان عالم ہوتا کبھی اکیلا نہ سوتا بے تامل چلا آتا بدمزگی کا باعث خفگی کا سبب تو پوچھتا اُسے کس کا ڈر تھا اس کا تو گھر تھا انجمن آرا کہنے لگی صورت تو وہی ہے اس وقت ملکہ نے ماجرا غیر کے قالب میں روح لیجانے کا دم رخصت اپنے باپ کے بتانے کا مفصل بتایا پھر کہا کہ یہ حال وزیرزادے سے کہا ہوگا یہ فساد اُس کا ہے یہیں چتون پر اسکی شک آیا تھا سامنے لانے کو منع کیا تھا سمجھایا تھا وہ نادان ہمارا کہنا خاطر میں نہ لایا اس کا مزہ پایا القصہ وہ شب دلہن گور تھی رونے پیٹنے میں

کٹی انجام کار کا تردد و تفکر رہا کہ دیکھیے شیشۂ ناموس و ننگ سنگ ظلم سے کیونکر بچتا ہے اور یہ کہتی تھیں

استادہ کسے تیغ جفائے چرخ سے اُمید ہنسنے کی
جو ہووے بھی تو ہاں شاید دہانِ زخم خنداں ہو

اسی فکر و اندیشہ میں صبح قیامت نمود ہوئی سواری ڈیوڑھی پر موجود ہوئی کوچ ہوا خبردارس نے اُس نے شہزادہ سے عرض کی یہ سرزمین غضنفریہ ہے یہاں سے پانچ کوس شہر ہے حاکم یہاں کا زرہ پوش غضنفر شاہ زرہ پوش ہے حکم کیا خیمہ ہمارا شہر کے قریب ہو کارپرداز حسب الارشاد عمل میں لائے جب شہزادیاں خیمہ میں داخل ہوئیں خود آیا ادھر یہ بیچاریاں ڈر سے بادل صد چاک اُدھر ملکہ کے رعب سے وہ بیچا بھی خوفناک ساعت بھر بیٹھ کر اٹھ گیا جب غلغلہ فوج اور آمد لشکر وہاں کے بادشاہ نے سنا کہ لشکر بے شمار سپاہ جرّار شہر کے متصل آ پہونچی اسے بہت تشویش ہوئی وزیر خوش تدبیر کو چند تحفے دیکر استفسار حال در پردہ استقبال کو بھیجا تا ملازمت حاصل کرکے حضور میں سن و عن عرض کرے وزیر حاضر ہوا عرض بیگیوں نے خبر پہونچائی وہ تو داب سلطنت ریاست کا رنگ ڈھنگ جانتا تھا وزیر اعظم کا بیٹا تھا روبرو طلب کیا بعد ذکر اذکار ہر شہر و دیار اپنا سبب آمد بجہت سیر و شکار اور اچھا ہونا آب و ہوا اس جوار کا اور دیکھنا یہاں کے شہر اور شہریار کا بیان کیا دم رخصت خلعت فاخرہ وزیر کو عنایت ہوا اور بطرز دوستانہ کچھ ہدایا بادشاہ کو روانہ کیا جب وزیر اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا حسن اخلاق دبدبۂ شوکت و صولت آئین سلطنت رعب و جرأت کا اسکے اس رنگ ڈھنگ سے ذکر کیا کہ وہ بادشاہ بیساختہ مشتاق ہو کر سوار ہوا خبرداروں نے اس حال سے مطلع کیا ارکان سلطنت وزراء امرا بخشی سپہ سالار پیشوائی کو گئے جب قریب پہونچا خود در خیمہ تک آیا معانقہ کر دونوں تخت پر جا بیٹھے سلسلہ کلام بلاغت نظام طرفین سے کھلا وہ بھی اسکی صورت پر غش ہو گیا فصاحت پر غش غش کرتا رہا بصد تکرار شہر کا مکلف ہوا جلد جلد عمارات شاہی سجی سجائی خالی ہوئیں اُس کو اتارا لشکر وہیں رہا پھر حسب طلب ملکہ انجمن آرا سر چوک دو محلسرا برابر خالی ہوئے شہزادیاں وہاں اتریں چند روز دعوت کے جلسے رہے جب فرصت ملی دل میں سوچا اگرچہ بعالم بند رہے الّا اس کے جینے میں اپنی مرگ کا خوف و خطر ہے ایسی تدبیر نکالئے کہ اسے جان سے مار ڈالئے پھر بے کھٹکے آرام صبح و شام کیجئے ملکہ سے ڈرتا تھا پیر مرد کے نام لینے سے مرتا تھا جیسے چور کی داڑھی میں تنکا یہ سوچکر حکم کیا ہمیں بندر درکار ہیں جو لائے گا دس روپیہ پائے گا اہل شہر ہزاروں بندر

پکڑ لائے جو سامنے آیا بغور دیکھ کر سر توڑ واتا تھوڑے عرصہ میں بہت بندر ہلاک اُس سفاک نے کئے
جب بندر کم ہوئے دام بڑھے بحدیکہ فی بندر سو روپیہ مقرر ہوئے دو کوس چار کوس گرد و پیش نام و نشان
بندر کا نہ رہا عنقا ہو گیا چنانچہ وہیں کے بھاگے ہوئے آجتک متھرا اور بندرابن اور اودھ بنگلے میں خستہ تن
ہیں بلکہ اس زمانہ میں بندرابن بالفتح تھا اب عرصہ دراز گذرا وہ بندروں کی کثرت جو نہ رہی اس کسرہ سے
یہ لفظ بالکسر خلقت کہنے لگی غرض کہ شہر میں ہر طرف غلغلہ ہوا سب کی یہی معاش ہوئی ہر شخص کو
بندر کی تلاش ہوئی ایک چڑیمار زیر دیوار سرا اس بستی میں بستا تھا مگر محتاج مفلوک بہزار جستجو
و تگاپو تمام دن کی گردش میں دس پانچ جانور جو ہاتھ آجاتے دو چار پیسے کو بیچ کر جورو خصم روٹی
کھاتے اگر خلل پھرا فاقے سے پیٹ بھرا ایک روز اسکی جورو کہنے لگی تو سخت احمق ہے دن بھر جانوروں
کی تلاش میں در در خاک بسر اُلّو سا دیوانہ ہر ایک ویرانہ جھانکتا پھرتا ہے اس پر جو روٹی ملی تو بدن
پر ثابت لتا نہیں کسی طرح اگر ہنومان کی دیا سے ایک بندر بھی ہاتھ آئے تو برسوں کو فرصت
ہو جائے لالچ تو بُرا ہوتا ہے وہ راضی ہوا کہا کہیں سے آکا لا روٹی پکا اور جس طرح بنے تھوڑے چنے
بہم پہونچا صبح بندر کی تلاش میں جاؤں گا نصیب آزماؤں گا اس نے مانگ جانچ وہ سامان کر دیا
دو گھڑی رات رہے چڑیمار جال پھٹکی پھینک لاسا کمپا چھوڑ ٹٹی جو دھوکے کی تھی وہ توڑ روٹی
اور چنے اور رسی لے کر چل نکلا شہر سے چھ سات کوس باہر نکل درختوں میں ڈھونڈھنے لگا وہاں
کا حال سنئے شہزادہ جو بندر بنا تھا اُس نے جس دن سے بندر پکڑتے لوگوں کو دیکھا تھا اور سر توڑوانے
کا حال سنا تھا بدحواس پریشان سراسیمہ زیست سے یاس حیران ہر طرف چھپتا پھرتا تھا کہ مبادا

تصویر چڑیمار کے بندر کے پکڑنے کی مع شگاف درخت



کوئی پکڑ لیجائے زندگی میں خلل آئے اس روز کئی دن کا بے دانہ و آب خستہ و خراب ضعف و نقاہت سے ایک درخت کے کول میں غش ہو کر پڑا تھا چڑیمار نے دیکھا بے پاؤں اگر گردن پکڑی اُس نے آنکھ کھولی گلا دست قضا میں پایا جینے سے ہاتھ اٹھایا یقین ہوا زیست اتنی تھی آج پیمانۂ بقا بادۂ اجل سے لبریز ہو کر چھلکا پکارا اے گردوں دوں انا للہ وانا الیہ راجعون چڑیمار نے کمر سے رسی کھول مضبوط باندھا پھر شہر کا رستہ لیا تھوڑی دور چل بند نے کف افسوس مل کہا اے شخص کیوں خون بے گناہ راندۂ درگاہ اپنی گردن پر لیتا ہے مصیبت زدہ کو اور دکھ دیتا ہے وہ بولا کیا خوب تو باتوں سے مجھے ڈراتا ہے اگر دیو بھوت جن آسیب جو بلا ہے بلا سے [illegible] ناروا ہے آج قسمت آزمائی ہے نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آئی ہے تجھے بادشاہ کو دوں گا سو روپئے لوں گا چین کروں گا یہ سنتے ہی سُن ہو گیا رہی سہی جان قالب سے نکل گئی ہر چند منت و سماجت سے کہا لالچ کا کام برا ہوتا ہے کچھ کام نہ آیا چڑیمار نے جلد جلد قدم بڑھایا قریب شام شاد کام گھر آیا جورو سے کہا اچھی ساعت گھر سے گیا تھا طائر مطلب بیدام و دانہ خواہش کے جال میں پھنسا یہ کہکر خوب ہنسا اب وکلیے یہ سنئے جس دن شہزادہ گرفتار بلائے تازہ ہوا یعنی چڑیمار کے دام حرص میں گرفتار ہوا ملکہ دل گرفتہ خود بخود گھبرائی رو رو یہ بیت زبان پر لائی۔ استاد ۔ ہوئی کیا وہ تاثیر اے آہ تیری * تھی آگے تو کچھ بیشتر آزمائی ؛ انجمن آرا سے کہا تم نے سنا یہ کمبخت بند پکڑوا سر کھلواتا ہے یقین جانو جان عالم اسی ہیئت میں ہے اور آج خدا خیر کرے صبح سے یہ طرح دل ناکام کو اضطراب ہے جان زار کو پیچ و تاب ہے گھر کاٹتا ہے غم کلیجہ چاٹتا ہے معلوم ہوتا ہے شہزادہ پکڑا گیا یا اور کوئی آفت تازہ ستم نو بے اندازہ

چرخ کہن دکھائیگا ہنسی کے بدلے رلائیگا	میرے جس سے جی کو کمال ہو الفت	جس کی جانب درست ہو نسبت
جنبش اسکی پلک کو گردان ہو	دل میں یاں کاوش اک نمایاں ہو	یار کو درد چشم اگر ہووے
چشم عاشق لہو سے تر ہووے	واں دہن تنگ یاں ہے دل تنگی	حسن اور عشق میں ہے یکرنگی

انجمن آرا نے جھلا کر کہا اس سے اور فزوں کیا دنیا میں تباہی و خرابی ہوگی شہر چھٹا سلطنت گئی ماں باپ و عزیز و اقربا کی جدائی نصیب ہوئی زخم دل و جگر آئے پڑے ہیں جان کے لالے پڑے ہیں مصحفی

مرض الموت سے کچھ کم نہیں آزار اپنا		دل میں دشمن کے بھی یارب نہ چبھے خار اپنا

اور جس کے واسطے آوارہ و سرگشتہ ہوئے یہ صدمے سہے نحوست بخت نافرجام گردش ایام سے اُسے کھو بیٹھے

وطن سے ہاتھ دھو بیٹھے اب جینا ہے قضا مرضی سولی از ہمہ ولی۔ ناسخ ؎ مجھے فرقت کی اسیری سے رہائی ہوتی ؛ کاش عیسیٰ کے عوض موت ہی آئی ہوتی ؛ ابر رحمت سے تو محروم رہی کشت مری ؛ کوئی بجلی ہی فلک تو نے گرائی ہوتی ؛ ہوں وہ غم دوست کہ سب اپنے ہی دل میں بھرتا ؛ غم عالم کی اگر اُس میں سمائی ہوتی ؛ یہاں تو یہ باتیں تھیں اُدھر چڑیمار کی جورو چراغ لیکر بندر کو دیکھنے لگی بندر سوچا وہ کمبخت مرد بے رحم نہ ہوا کیا عجب یہ رنڈی ہے اگر نرم زبانی سے مذکور آفت سمائی سنے اور مہربانی کرے اس خیال سے پہلے سلام کیا وہ ڈری تو یہ کلام کیا اے نیک بخت خوف نہ کر دو باتیں میری

تصویر چڑیمار کی بندر لئے ہوئے اور اسکی جورو کا چراغ سے دیکھنا اور بندر کا سلام کرنا



گوش دل سے سن لے کنواریاں جی کی کڑی بھی ہوتی ہیں بندر کا بولنا اچنبھا سمجھ کر کہا کہو وہ بولا ہم غریب الوطن گرفتار رنج و مبتلائے محن گھر سے دور قید سے مجبور ہیں ماں باپ نے کس کس ناز و نعم سے پالا فلک نے کون کون سی مصیبت دکھانے کو گھر سے نکالا یہانتک دربدر حیران و پریشان کرکے بُرے دن دکھائے کہ تیرے پاس گرفتار ہو کر آئے۔ اُستاد ؎ پیدا کیا خدا نے کسی کو نہیں عبث ؛ لایا مجھی کو یاں یہ جہاں آفریں عبث ؛ اب صبح کو جب ہم گردن مارے جائیں گے تب سو روپئے تمھارے ہاتھ آئیں گے خون بیگناہ کی جزا حشر کے دن پاؤ گے بیکنٹھ چھوڑ نرک میں جاؤ گے پیسہ روپیہ ہاتھ کا میل ہے اس پر جو میل کرتے ہو کتنے دن کھاؤ گے دھبہ جیتے جی نہ چھوٹیگا دھوتے دھوتے مرجاؤ گے۔ اگر ہمارے حال پر رحم کروگے خدا اور کوئی صورت کرے گا سو روپیہ کے بدلے تمھارا گھر اشرفیوں سے بھرے گا ہمارے قتل میں گناہ بے لذت یا ایک موذی کی حسرت نکلنے کے سوا اور کیا فائدہ ہے اگرچہ ایسا جینا مرنے سے بُرا ہے

لیکن خدا جانے ارادۂ ازلی مشیت ایزدی کیا ہے ہماری تقدیر میں کیا کیا لکھا ہے۔ جو
خدا کے نام پر نثار ہے اللہ اس کا ہر حال میں مددگار ہے تو نے بادشاہ یمن کا قصہ سنا نہیں
ایک سلطنت للہ دی دو پائیں لالچیوں کی قضا آئی جانیں گنوائیں رنڈی موم کی ناک ہوتی ہے
جب گھر گئی جدھر پھیرا ادھر پھر گئی۔ بندر کی باتوں پر کچھ تعجب کچھ تاسف کرکے کہنے لگی۔
ہنومان جی وہ کہانی کیسی ہے سناؤ مہراج

فسانہ شاہ یمن سلطنت سائل کو دینا اور بی بی کو مع بیٹوں لے کر شہر سے باہر نکلنا راہ میں سوداگر کا فریب پھر فرزند کی جدائی آخر سلطنت ہاتھ آئی

بندر نے کہا سرزمین یمن میں ایک بادشاہ تھا ملک اس کا مالا مال دولت لازوال بخشندہ تاج و
تخت نیک سیرت فرخندہ بخت جس دم سائل کی صدا گوش حق نیوش میں درآئی وہیں احتیاج بکاری
میں برآئی یہانتک کہ لقب اُس کا خدا دوست نزدیک و دور مشہور ہوا۔ ایک روز کوئی شخص آیا
اور سوال کیا کہ اگر تو خدا دوست ہے تو للہ تین دن مجھے سلطنت کرنے دے بادشاہ نے
فرمایا بسم اللہ جو رکن سلطنت مسند نشین حکومت حاضر تھے بتاکید انھیں حکم ہوا کہ جو اسکی نافرمانی
کرے گا مورد عتاب سلطانی ہوگا یہ فرما وہ فرمانروا تخت سے اٹھا سائل جا بیٹھا حکمرانی کرنے لگا
چوتھے روز بادشاہ آیا کہا کیا قصد ہے سائل بولا پہلے تو وہ فقط امتحان تھا اب بادشاہت کا
مزا ملا ہے اے خدا تاج و تخت مجھے یک لخت بخشدے بادشاہ نے فرمایا کہ یہ حکومت آپ کو مبارک ہو
بادشاہت دے کر کچھ نہ ہیہات لیا فقط لڑکوں کا ہاتھ میں ہاتھ بی بی کو ساتھ لیا

تصویر سائل کی تخت پر بیٹھنے کی اور بادشاہ کا بی بی اور لڑکوں کو ساتھ لیکر چل نکلنا



دل کو سمجھایا کہ اتنے دنوں سلطنت کی حکومت کی چندے فقیری کی کیفیت فاقے کی لذت دیکھیے گو جاہ و حشم مفقود ہے مگر شاہی بہر کیف موجود ہے اس شہر سے کہیں اور چلنا فرض ہے حکم خدا قل سیروا فی الارض ہے۔ دنیا جائے دید ہے عنایت خالق سے کیا بعید ہے جو کوئی اور صورت نکلے ایک لڑکا سات برس کا دوسرا نو برس کا تھا غرض کہ وہ حق پرست شہر سے تہی دست نکلا بلکہ تکلف کا لباس بھی نہ لیا جامۂ عریانی جسم پر چست کیا اور چل نکلا دنیا کا اور نقشہ ہے بمصرعہ کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است ۔ کل وہ سلطنت تخت کر و فر افسر و تاج آج یہ مصیبت اذیت در بدر پیادہ پا سفر محتاج کبھی دو کوس کبھی چار کوس بے نقارہ و کوس بہزار رنج و تعب چلتا جو کچھ میسر آتا تو روزی ہوتی نہیں تو روزہ یوں ہی ہر روز راہ طے کرتا جب یہ نوبت پہونچی چندروز میں ایک شہر ملا مسافر خانے میں بادشاہ اترا اتفاقاً ایک سوداگر بھی کسی سمت سے وارد ہوا قافلہ باہر اترا آپ ہو لے کے گھوڑے پر سوار سیر کرتا ہوا مہمان سرا میں وارد ہوا شہزادی گو گرد راہ صعوبت سفر میں مبتلا تھی لیکن اچھی صورت کبھی چھپی نہیں رہتی۔ سعدی ے حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را ۔ سوداگر کی جو آنکھ پڑی بیک نگاہ از خود رفتہ ہوا بادشاہ کے قریب آکے سلام کیا یہ بچارے اللہ کے ولی وہ ولدالزنا شقی بادشاہ نے سلام کا جواب دیا اس عرصہ میں وہ غدار حیلہ سوچا بہت افسردہ خاطر ہو کر کہا اے عزیز میں تاجر ہوں قافلہ باہر اترا ہے میری عورت کو درد زہ ہو رہا ہے دائی کی تلاش میں دیر سے گدائی کر رہا ہوں ملتی نہیں تو مرد بزرگ ہے

تصویر سوداگر کا شہزادی کو گھوڑے پر بٹھا کر لے بھاگنا



کچھ ادائی نہ کر اس نیک بخت کو للہ میرے ساتھ کر دے کہ اسکے واسطہ سے اسکو رنج سے نجات ملے
دگرنہ ایک بندۂ خدا کا مفت خون ہوتا ہے یا اللہ کا نام سنکر گھبرائے بی بی سے کہا نہ ہے نصیب
جو محتاجی میں کسی کی حاجت رفع ہو کام نکلے بسم اللہ دیر نہ کر اُسنے دم نہ مارا سوداگر کے ساتھ روانہ
ہوئی دروازے سے باہر نکل اُس غریب سے کہا قافلہ دو رہے مجھے آئے ہوئے عرصہ گذرا ہے آپ
گھوڑے پر چڑھ لیں تو جلد پہونچیں وہ فلک کی ستائی فریب نہ جانتی تھی سوار ہوئی سوداگر نے
گھوڑے پر بیٹھا باگ تو اٹھائی قافلے کے پاس آ کوچ کا حکم دیا آپ ایک سمت گھوڑا پھینکا اسوقت
اُس نیک بخت نے داد بیداد فریاد مچائی تڑپی روئی پیٹی چلائی آہ وزاری اسکی اس ستمگر
کی خاطر میں نہ آئی بادشاہ پہر بھر منتظر رہا پھر خیال میں آیا خود چلیے دیکھیے وہاں کیا ماجرا ہوا بیٹوں کا ہاتھ
پکڑے سرا سے نکلے ہر چند ڈھونڈھا نشان کے سوا قافلہ کا نشان نہ ملا دور گرد اُڑتی ہوئی دیکھی
جرس کی صدا سُنی نہ پاؤں میں دوڑنے کی طاقت نہ بی بی کے چھوٹنے کی دل کو تاب سب طرح
عذاب نہ کوئی یار نہ غمگسار نہ خدا ترس نہ فریاد رس بحسرت و یاس قافلے کی سمت دیکھ کر یہ کہا مصحفی

توہم ہاں قافلہ سے کہیو اے صبا		ایسے ہی گر قدم ہیں تھکائے تو ہم رہے	

ناچار لڑکوں کو لے کر اسی طرف چلا چند گام چلکر راہ بھول گیا ایک ندی ملی مگر نہ کشتی نہ ڈونگی نہ ملاح
راہ سے نا آشنا وہاں سیلاب کا گذار ایک نعرہ مارا اور ہر طرف ماہی بے آب سا واہی تباہی پھرا

تصویر بادشاہ کے دریا پر پہونچنے کی اور ایک لڑکے کو بھیڑیے کا لیجانا اور دوسرے کا دریا میں گرنا



رہبر کامل کو پکارا ساحل مطلب سے ہمکنار نہ ہوا مگر کچھ ڈھب ڈھبانے کا ڈھب

تھا ایک لڑکے کو کنارہ پر بٹھا چھوٹے کو کاندھے پر اٹھا دریا میں در آیا نصف پانی بصد گرانی طے کیا تھا کنارے کا لڑکا بھیڑیا اٹھا لیچلا وہ چلایا بادشاہ آواز سنکر گھبرایا پھر کر دیکھنے جو لگا کندھے کا لڑکا پانی میں گر پڑا زیادہ مضطرب جو ہوا خود غوطے کھانے لگا لیکن زندگی باقی تھی بہر کیف کنارے پر پہونچا دلمیں سمجھا بڑے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا چھوٹا ڈوب مرا نیرنگی فلک سے عالم حیرت میں شکر کرتا پھر چلا سہ پہر کو ایک شہر کے قریب پہونچا در شہر پناہ پر خلقت کی کثرت دیکھی ادہر آیا بی بی کے چھٹنے کی غیرت بیٹوں کے الم سے دل کباب سلطنت کے دینے سے خستہ وخراب اسی پریشانی اُس ملک کا یہ دستور تھا کہ جب بادشاہ عازم اقلیم عدم ہوتا ارکان سلطنت رؤسائے شہر وہاں آکر باز اڑاتے تھے وہ جسکے سر پر بیٹھ جاتا اسے بادشاہ بناتے تھے چنانچہ یہ روز وہی تھا باز چھوڑ چکے تھے ابھی کسی کے سر پر نہ بیٹھا تھا اس بادشاہ گدا صورت کا پہونچنا تھا کہ باز اُسکے سر پر آبیٹھا لوگ معمول کے موافق حاضر ہوئے تخت روبرو آیا ہر چند یہ تخت پر بیٹھنے سے باز رہا کہا مجھ گم کردہ

تصویر باز کے بیٹھنے کی بادشاہ کے سر پر اور لوگوں کا اُس کو بادشاہ بنانا



آشیاں کو سلطنت شایاں نہیں ہے میں نے اس علت سے اپنے مرز بوم شوم کو چھوڑا ہے حکومت سے منھ موڑا ہے مگر وہ لوگ اسکے سر پر باز کا بیٹھنا عنقا سمجھ نہ باز رہے جو شاہین تھے تاڑ گئے پُر بین پہچان گئے کہ یہ مقرر ہمارے اوج سلطنت سے ہے قصہ مختصر اگر جھگڑ کے تخت طاؤس پر بٹھایا نذریں دیں توپخانے میں شلک ہوئی بڑے تزک وحشمت سے آشیانہ سلطنت کاشانہ دولت میں داخل کیا تمام قلمرو نقد وجنس اشیائے بحری وبرّی اُنکے تحت حکومت قبضۂ تصرف میں آیا گزسکّے پر نام جاری ہوا منادی نے ندا دی دہائی پھر گئی کہ جو ظلم وجور کا بانی ہوگا وہ لٹیرا گردن مارا جائیگا۔ موسم

شعر	پل میں چاہے تو گدا کو وہ کرے تخت نشیں	کچھ اچنبھا نہیں اس کا کہ خدا قادر ہے	

کارخانۂ قدرت عجیب و غریب ہیں نہ اعتماد سلطنت نہ قیام غربت و حسرت ۔ مرزا رفیع سودا

عجب نادان ہیں جن کو عجب ہے تاج سلطانی	فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

یہ سلطنت تو کرنے لگا مگر افسردہ خاطر پژمردہ دل بسبب شرم و حیا منفعل حال کسی سے نہ کہتا تھا شب و روز غمگین اور اندوہناک پڑا رہتا تھا جب وہ بلبل ہزار داستان یعنی فرزند شمع دودمان یاد آتے تھے ظل سبحانی آہ کو لب پر لاتے تھے ۔ اب ان لڑکوں کا حال سنیے جس کو بھیڑیا اٹھائے لیے جاتا تھا ادھر سے کوئی تیر انداز سبکدست آتا تھا اسنے چھوڑ دیا دوسرا جو غوطے کھاتا تھا اسکو ماہی گیر نے دام محبت میں الجھایا وہ دونوں لاولد تھے اسی شہر کے رہنے والے جہاں ان لڑکوں کا باپ بادشاہ ہوا تھا وہ اپنے اپنے گھر میں لا بقدر مقدور لڑکوں کو پرورش کرنے لگے جل جلالہ کیا سنگ تفرقہ فلک نے پھینکا کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گیا ۔ چند عرصہ میں بیٹوں کی مفارقت نے بادشاہ کو بیچین کیا وزیر سے فرمایا کہ دو لڑکے قوم شریف کے ہماری صحبت کے قابل لا وزیر نے تمام شہر کے لڑکے طلب کئے حکم حاکم مرگ مفاجات وہ دونوں بھی آئے سبحان اللہ جامع المتفرقین بھی اسی کا نام ہے بچھڑے ملانا اسکے روبرو کتنا کام ہے وہی وزیر کو پسند آئے روبرو لایا بسبب طول زمان مفارقت اور تکلیف وعسرت نقشے بدل گئے تھے قطع اور ہو گئی تھی نہ بادشاہ نے پہچانا نہ تقاضائے سن سے لڑکوں نے باپ جانا اور نہ یہ سمجھ آئی کہ ہم دونوں بھائی ہیں یہ بھی قدرت نمائی ہے بہم ہوے مگر جدا رہے لیکن بادشاہ بہ محبت تمام مصروف عنایت علی الدوام تھا سنے سنا ہے کامل کا یہ نکتہ ہے کل امر مرہون باوقاتہا تھوڑے دن میں معتمد و مقرب ہوے اور وہ جو سوداگر جو فروش گندم نما دغا کا پتلا یہاں کے پہلے بادشاہ سے رسائی علیے سے شناسائی رکھتا تھا اس نظر سے وہ بھی اس عورت ناراض کو لے کر وہاں وارد ہوا خبر مرگ بادشاہ سنکر ملول ہوا کہ مطلب نہ حصول ہوا لوگوں نے کہا بادشاہ تازہ وارد اس سے زیادہ خلیق و غریب پرور ہے بوساطت وزیر اعظم تحفہ تحائف حضور میں نذر کر شرف اندوز ملازمت ہوا اسکو بھی بادشاہ نے نہ پہچانا نہ سوداگر نے حریف جانا مگر بادشاہ اسکو ذی اعتبار سیاح دیار دیار سمجھ بیشتر اطراف و جوانب کا ذکر سنتا ایک دن قریب شام حضور میں حاضر تھا بادشاہ نے فرمایا آج کی شب گھر نہ جانا کچھ پوچھنا ہے وہ بیٹھا تو مکدر و پریشان

بادشاہ نے تردد کا سبب پوچھا یہ باعث عنایت فی الجملہ گستاخ ہو چلا تھا دست بستہ عرض کی خانہ زاد کے پاس ایک عورت ناراض ہے اسکو فدوی سے اغماض ہے اسکی نگہبانی بذات خود کرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ نکل کے راز پنہاں فاش کرے حمایتی تلاش کرے حکم ہوا یہ مقدمہ آج ہمارے ذمہ ہے۔ وہی لڑکے بسکہ معتمد تھے خاص دستہ اُنکے ہمراہ کر پاسبانی کی تاکید کی لڑکے آداب بجالاکر سوداگر کے مکان پر گئے باغ میں خیمہ برپا تھا۔ درِ خیمہ پر کرسی بچھاکر دونوں بیٹھے لوگ گرد کھڑے ہو گئے جب آدھی رات گذری ایک کو نیند آنے لگی دوسرے نے کہا سونا مناسب نہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی فتنہ خوابیدہ جاگے خیمہ سے کوئی چونک بھاگے وہ بولا تو ایسا فسانہ کہو جو نیند اچٹنے کا بہانہ ہو اُس نے کہا خیر آج ہم اپنی سرگذشت کہتے ہیں اگر غور سے سنو گے تو نیند کیسی روز بھوک پیاس پاس نہ آئیگی اے عزیز باتمیز میں بادشاہ یمن کا بیٹا ہوں میرا باپ لِلّٰہ سلطنت سائل کو دے مجھے اور ایک میرا چھوٹا بھائی کہ وہ تم سے بہت مشابہ تھا اسکو اور اپنی بی بی کو ہمراہ لیکر غریب الوطن ہوا تھا راہ میں ایک سوداگر فریب سے شہزادی کو لیگیا ہم دونوں بھائی ساتھ رہے آگے چلکر دریا ملا ناؤ بیڑہ کچھ نہ تھا بادشاہ مجھ کو کنارے پر بٹھا چھوٹے کو کندھے پر اٹھا پار چلا مجھے بھیڑیے نے پکڑا میرے چلانے سے بادشاہ بدحواس ہوا بھائی دوش سے آغوش دریا میں کھسک پڑا خود غوطے کھانے لگا پھر نہیں معلوم کیا ہوا مجھے تیرانداز نے دہن گرگ سے چھوڑایا اب فلک اس بادشاہ پاس لایا وہ وکر لپٹ گیا کہا بھائی دریا میں ہم گرے تھے مچھلی والوں کے باعث ترے تھے پھر دونوں بغلگیر ہو ایسے چلائے کہ وہ عورت چونک پڑی پردے کے پاس آکر حال پوچھنے لگی انھوں نے ماجرائے گذشتہ بیان کیا وہ پردہ الٹ لڑکوں سے لپٹ گئی کہا ہم ابتک سوداگر کی قید میں ہیں اُسیدم یہ خبر بادشاہ کو پہونچی سواری بھیجی طلب کیا اسوقت سب نے پہچانا سوداگر کو قید کیا صبحدم جب جلاد سپہر شمشیر شعاع کھینچکر ہنگامہ پرداز عالم ہوا اسوداگر کو کاروان عدم کا ہمسفر کر بار ہستی سے سبکدوش کیا یمن میں اخبار نویسوں نے حال لکھا وہاں ہر بونگ مچا تھا وہ سائل ستم شعار بد بخت ظلم پیشہ جفا کار نکلا رعیت نالان ارکان سلطنت ہراساں رہتے تھے ہزاروں رنج رات دن سہتے تھے جب یہ خبر وہاں پہونچی وزیر نے زہر دیکر اُسے مار اتلخکامی سے نجات پائی اور عرضداشت اپنی بادشاہ کو مع تمغائے قدموسی تمام شہر کی تحریر کی بادشاہ کو بھی محبت وطن دامنگیر ہوئی جوش زن ہوئی سفر کی تیاری ہونے لگی قطعہ ؎ حب الوطن از ملک سلیماں خوشتر؛

خار وطن از سنبل و ریحاں خوشتر ٭ یوسف کہ بہ مصر بادشاہی میکرد ٭ میگفت گدا بودن کنعاں خوشتر ٭
القصہ یمن میں آیا دونوں سلطنتیں قبضہ میں رہیں جب بندر نے یہ فسانہ تمام کیا پھر کہا اے نیکبخت مطلب اس کہانی
سے یہ تھا کہ جو بادشاہ عاشق اللہ خدا پر شاکر تھا ایک سلطنت کی دو پائیں یہ دونوں بد بخت جو لالچی تھے
انھوں نے جانیں گنوائیں قیامت تک مطعون خلایق رہینگے جتنے نیک ہیں یہ قصہ سنکر یہ کہیں گے رنڈی ان
باتوں سے بر سر رحم ہوئی بندر کی تسکین کی کہا تو خاطر جمع رکھ جبتک جیتی ہوں تجھے بادشاہ کو زندگی فاقہ قبول
کرونگی پھر اسے روٹی کھلا پانی پلا کھنڈری میں لٹا سو رہی صبح کو چڑیمار اٹھا بندر کے لیجانیکا قصد کیا عورت نے
کہا آج اور قسمت آزما پھر جانور پکڑنے جا جو روٹی میسر آئے تو کیوں اسکی جان جائے تو ہمیں مہیا لگے بتا ہی آئے
نہیں تو کل لیجانا وہ بولا تو اسکے دم میں آگئی بندر نے کہا ماشاء اللہ رنڈی تو خدا پر شاکر ہے یہ تو مرد ہوکر
مضطر ہوتا ہے باجی تو زن مرید ہوتے ہیں پھر وہ پٹک جھٹک جال پھٹکی اٹھا لاسا کمپاٹی کندھے پر سے لگا کر
گھر سے نکلا یا تو دن بھر گھر سے خراب ہو کر دو تین جانور لاتا تھا اس روز دو پہر میں پچاس ساٹھ جانور ہاتھ آئے
پھٹکی بھر گئی خوش خوش گھر پھرا کئی روپیہ کو جانور بیچے آٹا دال لون تیل لکڑی خرید تھوڑی مٹھائی لے بھی چار
ٹکے کا ٹھرا پیا ہاتھ پیر بھول گئے جھومتے گیت گاتے گھر کا راستہ لیا مفلسی کا غم بھولگئے جورو سے آتے ہی
کہا اری ہنومان جی کے قدم بھڑے بھاگوان ہیں بھگوان نے دیا کہ آج روپیہ دو لائے اتنے جانور ہاتھ آئے وہ
گھر بسی بہت ہنسی پہلے مٹھائی بندر کو کھلائی پھر روٹی پکا آپ کھا کچھ اُسے کھلا پڑ رہی بندر بچارا سمجھا چندے
پھر جان بچی جو فلک نے جل مرجائے اور اس کا رشک کرے مؤلف ؎ کیا شاخ گل پہ پھولکے بیٹھی ہے عندلیب ٭ ڈرتا ہوں نہیں
نہ چشم فلک کو بُرا لگے ٭ جب لایا یار پاس ہی لایا ہے اے سرور ٭ گاہے نہ نخل غم میں ثمر اس سوا لگے ٭ اب روز چڑیمار
کی ترقی ہونے لگی تھوڑے دنوں میں گھر بار کپڑا لتا گہنا پاتا درست ہو گیا قضارا کوئی بڑا تاجر سرا میں اس بھٹیاری کے
گھر میں اُترا جسکی دیوار تلے چڑیمار رہتا تھا ایک روز بعد نماز عشا سوداگر وظیفہ پڑھتا تھا ناگاہ آواز خوب صدائے مرغوب جیسے
لڑکا پیاری پیاری باتیں کرتا ہے اسکے کان میں آئی بھٹیاری سے پوچھا یہاں کون رہتا ہے وہ بولی چڑیمار سوداگر نے
کہا اس کا لڑکا خوب باتیں کرتا ہے بھٹیاری بولی لڑکا بالا تو کوئی نہیں فقط جورو خصم رہتے ہیں سوداگر نے کہا اری
اٹھ یہ کس کی آواز آتی ہے بھٹیاری جو آئی لڑکے کی آواز پائی وہ بولا اس صدا سے بوئے درد دیدہ آتی ہے
اس کو میرے پاس لا باتیں کرونگا کچھ لڑکے کو دونگا اور تیرا بھی منہ میٹھا کرونگا بھٹیاری چڑیمار کے
گھر گئی بندر باتیں کرتا تھا اُسے دیکھ چپ ہو رہا وہ دونوں بھٹیاری کے پانوں پر گر پڑے منت

کرنے لگے کہا ہم نے اسے بچوں کی طرح پالا ہے اپنا دُکھ ٹالا ہے شہر پُر آشوب ہو رہا ہے بندر کش
بادشاہ اُترا ہے ایسا نہ ہو یہ خبر اڑتے اڑتے اسے پہونچے بندر چھن جائے ہم پر خرابی آئے وہ
بولی مجھے کیا کام جو ایسا کلام کروں سرا میں آکر سوداگر سے آکر کہا وہاں کوئی نہ تھا اُس نے کہا دیوانی
ابھی وہ آواز کس کی تھی بغور سنئے کہ کیا معقول جواب وہ نامعقول دیتی ہے بولی بلیاں لوں بھلا
مجھے کیا غرض جو کہوں بندر بولتا ہے سوداگر خوب ہنسا پھر کہا تو سٹرن ہے اری بندر کہیں بولتا ہے
پھر بولی جھاگ پر وصد کے گئی اسی سے تو میں بھی نہیں کہتی بندر بولتا ہے سوداگر کو سخت خلجان بمرتبۂ
خفقان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے مکان قریب تھا خود چلا گیا اور دیکھا تو فی الحقیقت ایک عورت دوسرا
مرد مچھندر تیسرا بندر ہے یقین کامل ہوا یہی بندر بولتا تھا بھٹیاری بچی سب ہے وہ سوداگر کو دیکھ بندر کو
چھپانے لگی اُسنے کہا بھید کھل گیا اب پوشیدہ کرنا لاحاصل ہے مصلحت یہی ہے بندر ہمیں دو جو احتیاج
ہو اسکے جلدی میں لو نہیں بادشاہ سے اطلاع کردونگا یہ بیچارہ مارا جائیگا تمھارا کیا جائے گا دونوں
رونے پیٹنے لگے بندر سمجھا اب جان نہیں بچتی اتنی ہی زیست تھی چڑیمار سے کہا اے شخص فلک کج رفتار
گردوں دوار نے اتنی جفا پر صبر نہ کیا یہاں بھی چین نہ دیا مناسب یہی ہے رضائے الٰہی پر راضی ہو
مجھے حوالہ کرو قضا آئی ٹلتی نہیں تقدیر کے آگے تدبیر چلتی نہیں فرد بشر کو حکم قضا و قدر سے چارہ نہیں اسکے
ٹال دینے کا یارا نہیں اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون چڑیمار نے کہا دیکھو بندر کی
ذات کیا بیوفا ہوتی ہے ہماری محنت و مشقت پر نظر نہ کی طوطے کی طرح آنکھ پھیر لی سوداگر کے ساتھ جانے
راضی ہو گیا بڑا آدمی جو دیکھا ہمارے پاس رہنے کا مطلق پاس نہ کیا بندر نے کہا اگر نہ جاؤں اپنی
جان کھوؤں تم پر خرابی لاؤں آخر کار بہزار گریہ و زاری سوداگر سے دونوں نے قسم لی کہ بادشاہ کو
نہ دینا اچھی طرح پرورش کرنا یہ کہہ کر بندر حوالے کیا سوداگر نے اسکے عوض بہت کچھ دیا بندر کو سرا میں
لا پیار کیا بدلداری و نرمی حال پوچھا بندر نے یہ چند شعر حسب حال سودا کے روبرو پڑھے مرزا رفیع سودا

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں — میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں
گریاں بہ شکل شیشہ و خنداں بہ شکل جام — اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں
میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد — جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

اے عزیز آتش کاروان نقش پائے یاران رفتگان ظاہر ہوں مگر نہاں ہوں بلبل دور از گلزار گم کردۂ

آشیاں صیاد در پے آزار گھات میں باغباں کیونکر نہ سرگرم فغاں ہوں حضرت عشق کی عنایت ہے زمانے کی شکایت ہے حاجت روائے عالم محتاج ہے تخت ہے نہ افسر ہے نہ وہ سر ہے نہ تاج ہے غریب دیار چرخ موجد آزار شفیق و مہربان نہیں حال زار کا کوئی پرسان نہیں حیرت کا کیوں مبتلا ہوں اپنے ہاتھ سے اسیر دام بلا ہوں خود گرفتار پنجۂ ستم ہوا کبھی مجھے جن کا الم تھا اب انھیں میرا غم ہوا مرنے سے ہم اس لیے جی چھپاتے ہیں کہ ہمدم میرے فراق میں موئے جاتے ہیں مجھے دام مکر میں الجھایا دوستوں کو میرے دشمن کے پھندے میں پھنسایا گردش چرخ سے عجب سانحہ پیش آیا میر تقی میر

سخت مشکل ہے سخت ہے بیداد	ایک میں خون گرفتہ سو جلاد	کوئی مشفق نہیں جو ہوئے شفیق
بیکسی چھٹ نہیں ہے کوئی رفیق	آہ جو ہمدمی سے کرتی ہے	اب تو وہ بھی کمی سی کرتی ہے
اب ٹھہرتا نہیں ہے پائے ثبات	ایک میں اور ہزار قصد حیات	مصرع گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

مگر آج خوش قسمتی سے آپ سا قدردان ہاتھ آیا ہے انتشار طبیعت ہر طرف ہو تو بہ دلجمعی تمام آغاز سے تا انجام اپنی داستان غم سانحۂ ستم گذارش کرونگا سوداگر کے اس مضمون دردناک سے آنسو ٹپک پڑے سمجھا یہ بندہ نہیں کوئی فصیح و بلیغ عالی خاندان والا دودمان سحر میں پھنس گیا ہے کہا اطمینان خاطر رکھ تیری جان کے ساتھ میری جان ہے اب زیست کا یہی سامان ہے بندہ کو تسکین کامل حاصل ہوئی غزلیں پڑھیں نقل و حکایات میں سرگرم رہا اپنا حال پھر کچھ نہ کہا تمام شب سوداگر نہ سویا اسکے بیان جانکاہ پر خوب رویا اب بہت تعظیم و تکریم سے بندہ رہنے لگا مگر امر شدنی بہر کیف ہوا چاہے راز فاش ہوا اگر خدا چاہے سوداگر کا یہ انداز ہوا جو شخص نیا اسکی ملاقات کو آتا اسے بندہ کی باتیں سنواتا وہ استعجاب غرق بحر فکر ہوتا ہر جگہ ذکر ہوتا آخر شہرا سکی گویائی کا چرچا کوچہ و بازار میں مچا اور یہ خبر اس کور نمک محسن کش کے گوش زد ہوئی سنتے ہی سمجھا یہ وہی ہے بعد مدت فلک نے پتہ لگایا اب مطلب ہاتھ آیا فوراً چوبدار بندہ کے لینے کو سوداگر کے پاس بھیجا یہ بہت گھبرایا اور تو کچھ بن نہ آیا بصد عجز و نیاز عرضداشت کی غلام صاحب اولاد نہیں اس اندوہ میں دل مضطر شاد نہیں طبیعت بہلانے کو اسے بچہ سا ایک فرزندوں کی طرح پالا ہے رات دن دیکھا بھالا ہے بندہ ہے مگر عنقا ہے مفارقت اسکی خانہ زاد کی جان لیگی آیندہ جو حضور کی مرضی چوبدار یہاں سے خالی پھرا وہ ظالم اظلم غضب میں بھرا وہاں کے بادشاہ کو لکھا اگر سلطنت اور آبادی مملکت اپنی منظور ہو سوداگر سے جلد بندہ لے کر

یہاں بھید و نہیں تو اینٹ سے اینٹ بجادوں گا نام و نشان مٹا دوں گا یہ خبر وحشت اثر سُنکے
غضنفر شاہ متردد ہوا شیران خوش تدبیر امیر وزیر سمجھانے لگے کہ خداوند نعمت ایک جانور کی خاطر
آدمیوں کا کشت و خون زبوں ہے حکم ہوا کہ کچھ لوگ سرکاری وہاں جائیں جسطرح بنے سوداگر سے
پکڑلائیں ڈیوڑھی پر پہونچائیں جب بادشاہی دستہ سرا میں آیا بندر دست بستہ زبان پر لایا
کہ اے مونس غمگسار و فاشعار اس اجل رسیدہ کے باب میں کد و کوشش بیکار ہے سراسر بیجا ہے
قضا کا زمانہ قریب پہونچا در ناکامی وا ہے مبادا کسی طرح کا رنج میری دوستی میں تمھارے دشمنو
پہونچے تو مجھے حشر تک حجاب و ندامت رہے خلق خدا برا بھلا کہے سوداگر نے کہا استغفراللہ یہ کیا
بات ہے جو کہا وہ سر کے ساتھ ہے جب بادشاہ کے لوگوں کا تقاضائے شدید ہوا اور زن کم رہا
بعد رد و قدح بہ معذرت بسیار منت بیشمار ہزار دینار دے کر اس شب مہلت لی اور صبح کے وقت
چلنے کی ٹھہری بموجب مثل بمصرعہ زر بر سر فولاد نہی نرم شود اس عرصہ میں یہ حال تباہ و ماجرائے
جانکاہ گلی کوچے میں زبان زد خاص و عام ہوا کہ ایک بندر کسی سوداگر کے پاس باتیں کرتا تھا وہ
بھی کل مارا جائیگا بحدیکہ اُس کشتۂ انتظار مایوس دلفگار یعنی ملکہ مہرنگار کو بھی معلوم ہوا وہ شیدائے جانعالم
سمجھی کہ یہ بندر نہیں شہزادہ ہے افسوس صد افسوس اب کونسی تدبیر کیجیے جو اس بیکس کی جان بچے
دل کو سوس وزیر زادے کو کوس پوچھا دم سحر کدھر سے وہ سوداگر جائیگا یہ تماشہ ہمارے دیکھنے میں
کیونکر آئیگا لوگوں نے عرض کی حضور کے جھروکے تلے شاہراہ ہے یہی ہر سمت کی گذرگاہ ہے
یہ سُنکر تمام شب تڑپا کی نیند نہ آئی دو گھڑی رات سے برآمدے میں برآمد ہوئی اور ایک طوطے طا بخجر
میں پاس رکھ لیا گجر سے پیشتر بازار میں ہلڑ تھا تماشائیوں کا میلہ سا ہوگیا جسوقت تاجر ماہ نے متاع
انجم کو نہانخانۂ مغرب میں چھپایا اور شحنۂ چرخ چہارم خونخواری کو مشرق سے نکل آیا سوداگر نماز
صبح پڑھ ہاتھی پر سوار ہو کر کمر میں پیش قبض رکھ گود میں بندر کو بٹھا مرنے پر کمر مضبوط باندھ کر چلا
بندر سے کہا پریشان نہ ہو جب تقریر سے اور اسراف کثیر سے کام نہ نکلے گا جو بن پڑیگا وہ کرونگا
اپنے جیتے جی تجھے مرنے نہ دونگا قول مرداں جان دارد اور بمصرعہ بعد از سر من کن فیکون شد
شدہ باشد سوداگر کا راسے سراسیمہ آگے بڑھتا تھا کہ خلقت نے چار طرف سے گھیر لیا بندر
لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ کہنے لگا۔ میر سوز ؎

برق طپیدہ باشرر جہیدہ ہوں — جس رنگ میں ہوں میں غرض از خود رمیدہ ہوں
اے اہل بزم میں بھی مرقع میں دہر کے — تصویر ہوں ولے لب حسرت گزیدہ ہوں
صیاد اپنا دام اٹھالے کہ جوں صبا — ہوں تو چمن میں پر گل عشرت نچیدہ ہوں
اے آہ و نالہ مجھ سے نہ آگے چلو کہ میں — بچھڑا ہوں کارواں سے مسافر جریدہ ہوں
غم ہوں الم ہوں درد ہوں سوز و گداز ہوں — سب اہل دل کے واسطے میں آفریدہ ہوں

صاحبو دنیائے دوں نیرنگی زمانہ سفلہ پرور بوقلموں عبرت و دید کی جا ہے گرما گرم آمد و رفت کا بازار ہے کس و ناکس جنس ناپائدار ہے لہو و لعب کا خریدار ہے اپنے کام میں مصروف قضا ہے جو شے ہے فنا ہے معاملات قضا و قدر سے ہر ایک ناچار ہے یہی مسئلہ جبر و اختیار ہے کوئی کسی کی عداوت میں ہے کوئی کسی کا شیدا ہے جسے دیکھا آزاد نہ پایا کسی نہ کسی بکھیڑے میں مبتلا ہے ایک کو اتنا سوجھتا نہیں کیا لین دین ہو رہا ہے سود کی امید میں سراسر زیاں ہے سڑی ہونیکا سودا ہے اسکی قدرت ناطقہ دیکھو مجھ سے بیزبان ناچیز کو بے تکلف گویائی عنایت کیا تم سب کا سامعوں میں چہرہ لکھ دیا باتیں سننے کو ساتھ چلے آتے ہو جدائی میری شاق ہے جو ہے حال زار پر رحم کھا آنسو بہاتا ہے یہ رحیمی کی صفت ہے شان تمہاری دیکھو اسی تقریر کی دھوم سے ایک ظالم شوم سے مجھ مظلوم کا مقابلہ ہوتا ہے یقین کامل ہے وہ قتل کریگا بیگناہ کے خون سے ہاتھ بھریگا سو دالوجہ فی الدارین کا تب اُسے آرام و چین ہوگا یہ گویائی گویا پیام مرگ تھا دیا جائے آزمایش ہے نادان جانتے ہیں یہ مقام قابل آرام و آسایش ہے دو روزہ زیست کی خاطر کیا کیا ساز و سامان پیدا کرتے ہیں رعونت سے بیامان ہوکر زمین پر پانو نہیں دھرتے ہیں جب سر کو اٹھا آنکھ بند کر چلتے ہیں خاکساروں کے سر کچلتے ہیں آخر کار حسرت و ارمان فقط لے کر مرتے ہیں جان اسکی جستجو میں کھوتے ہیں جو شے ہاتھ آئے ذلت سے جمع ہو پریشانی و مشقت سے پاس رہے خست سے چھوٹ جائے یاس و حسرت سے پھر سر پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ ناسخ ؎

دنیا اک زال بیسوا ہے — بے مہر و وفا و بے حیا ہے
مردوں کیلئے یہ زن ہے رہزن — دنیا کی عدو ہے دین کی دشمن
پھرتی ہے برنگ نرد گھر گھر — رہتی نہیں ایک جا یہ جم کر

انجام شاہ و گدا دو گز کفن اور تختۂ تابوت ہے سوا نہیں کسی نے ادھی یا محمودی کا دیا یا بہ تحریر کربلا کسی کو گز ہی گاڑھا میسر ہوا بصد کرب و بلا اُسنے صندل کا تختہ لگایا

اُسنے بیر کے چیلوں میں چھپایا کسی نے بعد مرگ سنگ مرمر کا مقبرہ بنایا کسی نے مرمر کے گور گڑھا پایا کسی کا
مزار مطلا منقش رنگا رنگ ہے کسی کی مانند سینۂ جاہل گور تنگ ہے حسرت دنیا سے کفن چاک
ہوا بستر دونوں کا فرش خاک ہوا نہ امیر سمور و قاقم کا فرش بچھا سکا نہ فقیر پھٹی شطرنجی اور ٹوٹا بوریا
لا سکا بعد چندے جب گردش چرخ نے گنبد گرایا اینٹ سے اینٹ کو بجایا تو ایک نے نہ بتایا کہ دونوں
میں یہ گور شاہ ہے یہ لحد فقیر ہے اسکو مرگ جوانی نصیب ہوئی یہ استخواں بوسیدہ پیر ہے سو یہ بھی
خوش نصیب نیک کمائی والے گور گڑھا کفن پاتے ہیں نہیں تو سیکڑوں ہاتھ رکھ کر مرجاتے ہیں
اب بیگور و کفن رکھ کر چلے آتے ہیں کتے بلی چیل کوے بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتے ہیں دامن دشت عریاں
کفن گور بے چراغ صحرا انکا صحن ہوتا ہے یاس و حسرت کے سوا کوئی نہ سرہانے روتا ہے تمنا چھوٹ
کوئی پائینتی نہ ہوتا ہے سالہا مقبروں کی عمارات عالی اور ساز و سامان کی دیکھا بھالی میں رہے اسیر رہے
ہزاروں رنج گور بے چراغ غریباں کی دید میں بیٹھے بٹھائے سہے حرف نقش ہے کہ نہ اہل ہوا رث انکے
سر پر سلطنت مسند حکومت پر شب و روز جلوہ افروز ہیں مگر تنبیہ غافلوں کو قدرت حق سے
گنبدوں میں آشیانہ زاغ و زغن میناروں پر مسکن بوم شوم قبروں پر کتے لوٹتے دیکھے پیر مرغ

مزار غریباں تاسف کی جا ہے	وہ سوتے ہیں پھرتے جو گل جا بجا تھے

رنگ چمن صرف خزاں دیکھا ڈھلا ہوا حسن گلرخاں دیکھا اگر گل خنداں پر جوبن ہے بہار ہے
غور کیا تو پہلوئے نازنیں میں نشتر سے زیادہ خلش خار ہے سینہ فگار ہے دنیا میں دن رات ذق ذق
بق بق ہے کوئی چہچے کرتا ہے کسی کو قلق ہے نوش کے ساتھ گزند نیش ہے ہر سرو کو کڑی منزل درپیش ہے الف

بلبل کو خزاں میں جان کھوتے پایا	صیاد کو سر ٹیک کے روتے پایا
گلچیں کی بھی نیند اڑ گئی لیک سرور	جو اہل دول تھے انکو سوتے پایا

مدتوں صدائے مرغ سحر کے رنج اٹھائے کبھی دم نہ مارا شکوہ لب پر نہ لائے برسوں ندائے اللہ اکبر
کے صدمے سے شکر کیا چپ رہے مہینوں گجر کی آواز نے دم بند کیا قلق جی پر لیا نالہ نہ بلند کیا
سوچے تو وصل پھر ویران خواب شب تھا لطف انکا عین غضب تھا تمام عالم کی خوب سیر کی کبھی حرم
محترم میں مسکن رہا گاہ دھونی رمائی کنشت و دیر کی عالم سے آیۂ حدیث وعظ پند ناقوس برہمن سن
سر دھنتا وہ بدکیش مانع ملت صنم لطف نسبت خدا نفس کا دشمن تھا یہ کوتہ اندیش رخنہ پرداز

اہل ایمان و دین کا رہزن تھا تامل کیا تو اُن دونوں سے دور حسد بغض بیر ہونا معلوم اپنے نزدیک اُن کا انجام بخیر ہونا معلوم واللہ اعلم یہ لوگ کیا سمجھے خود اچھے ٹھہرے اور کو بُرا سمجھے مطلب کی بات ہیہات دونوں کی سمجھ میں نہ آئی بایں دانائی اُن سے خدا سمجھے۔ مؤلف ؎

اچھے کو بُرا بُرے کو اچھا سمجھے	کتنی یہ بُری سمجھ ہے اچھا سمجھے

دنیا فقط رہگذر ہے ہر دم مثال تار نفس درپیش سفر ہے تار زیست ہزاروں مفسدے ہیں ڈر ہے مرنے کے بعد باز پُرس کا خطر ہے کسی طرح انسان کو مفر نہیں کون سا نفع ہے جسکی تلاش میں ضرر نہیں حاصل کار یہ ہے کہ دنیا میں جینے کی خوشی نہ مرنے کا غم کرے تا مقدور کسی کی خاطر نہ برہم کرے وگریہ

نیم شبے آہ زند پیر زال	دولت صد سالہ کند پائمال

دل شکستہ کی دلداری یا فتادہ کی مددگاری کرے ہوا و ہوس جو دل سے دوچار ہو جائیں تو مال سے یا کمال سے عجب و نخوت نزدیک نہ آئے عنایت ایزدی پر قانع ہو شکر ہر نعمت سپاس خدمت کرکے منہیات کا مانع ہو رنج کا حامل رہے سب رنگ میں شامل رہے زمانہ کے مکروہات سے گھبرائے نہیں صحبت غیر جنس سے نفرت کرے تو بدنامی پاس آئے نہیں دولت کا اعتبار کیا مفلسی سے ننگ و عار کیا ایک دن مرنا ہے جینا مستعار ہے اپنے کس کا اختیار ہے نیک عمل کا خیال رکھے کہ قید ہستی زیست کا نام ہے رہائی یہاں سے انجام ہے شعر ؎

کسی کے مرگ پہ اے دل نہ کیجیے چشم تر ہرگز	بہت سا روئیے اُن پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں

عمر خضر کی تمنا اور حشمت خسروانہ خزانہ قارون کی فکر میں ہر ایک صبح و مسا ذلیل و خوار ہے تحصیل لاحاصل کوشش اس امر میں سراسر بیکار ہے۔ بقول ناسخ ؎

ہاتھ آتی ہے کب علم و ہنر سے دولت	ملتی ہے قضا اور قدر سے دولت
جو علم و ہنر رکھتے ہیں وہ ہیں محروم	مانوس ہے بل احمق و خر سے دولت

روپیے کا جمع ہونا جواہر کی تلاش میں دن کا جاگنا چاندی سونے کی اُمید میں رات کا نہ سونا سیمیں تن لعل لبوں سے بہم ہونا جنھیں میسر ہر بار ہے انھیں مفارقت دنیا ناگوار ہے اور یہ کلام ہے مؤلف

یاں کے جانے سے جی الجھتا ہے	کیا ہی دلکش سرائے فانی ہے

سلف سے اہل کمال دنیا کے مال سے محروم رہے جو سزاوار حکومت تھے وہ محکوم رہے شعر ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں طوق زریں ہمہ گردن خرمی بینم

لیکن کبھی صبح عشرت ہے گاہ الم کی شام ہے دنیا عجب مقام ہے نہ امیر ہوتے عرصہ نہ فقیر ہوتے کچھ دیر ہے اس کارگاہ بے ثبات میں عجب اندھیر ہے ہو آہ

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار رکھتا نہیں یہ ہاتھ عنان کا بیک قرار
جنکے طویلے بیچ کئی دن کا ذکر ہے ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار

اور جب وعدہ آپہونچا تو نہ روپیہ کام آتا ہے نہ فوج ظفر موج سے کچھ ہو نہ تہمتن جرار بچا تا ہے کوئی آشنا دوست آڑے آئے نہ عزیز و اقربا پنجۂ ملک الموت سے چھوڑائے اگر یہی مانع قضا و قدر ہوتے جمشید و کاؤس دارا و سکندر بصد حسرت و افسوس جان نہ کھوتے نیک عمل کرے تو وہ ساتھ جاتا ہے یہ احتیاج کسی کی بر لائے یا اللہ کچھ دے البتہ کام آتا ہے وگرنہ دنیا سراب زندگی بدتر از حباب ہے پابند اس کا خراب ترک کرے یہ ولا نایاب ہے

ترک دنیا کا سوچ کیا نا سخ شعر کچھ بڑی ایسی کائنات نہیں
اس گلشن ہستی میں عجب سیر ہے لیکن شعر جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

دنیا خوابیست کش عدم تعبیر است قطعہ صید اجل است از جوان و پیر است
ہم روئے زمین پر است وہم زیر زمیں ایں صفحۂ خاک ہر دو رو تصویر است

الاّ مقتضائے عقل یہ ہے کہ عالم اسباب میں کسی اسباب کا پابند نہ ہو تعلق خاطر نہ رکھے ہمیشہ اپنے بھلے سے برائی کی ہے جو گیا یہاں سے یعنی جہان گذران سے اس کا شاکی تھا بادشاہ سے فقیر تک جوان سے پیر تک حقیقت میں نفس امارہ سخت ناکارہ ہے اسکو بہرکیف پچھاڑے گرد ہوا و ہوس سے دامن جھاڑے۔

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند شعر آنرا کہ عقل بیش غم روزگار بیش

آدمی کو لازم ہے وہ بات پیدا کرے تا صفحۂ دنیا پر چندے بہ نیکی نام یاد رہے۔

اس طرح جی کہ بعد مرنے کے شعر یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

دنیا میں کسی سے دل نہ لگائے کہ یہ کارخانہ بہت بے ثبات ہے وصل سے فرحت ہجر کی مصیبت اپنے سر پر نہ لائے کہ مرجانے کی بات ہے معشوق باوفا عنقا کی طرح ناپید ہے اور ہر دغاباز جابجا ہر جا مہیا ہے خواہش کا انجام کاہش ہے تمنا دل سے دور کرنے میں جان کی آسایش ہے۔ مؤلف

	کبھی نہ چین سے رہنے دیا تمنا نے		خراب خستہ ہیں اس دل کی آرزو سے رہا	

مگر وائے قسمت ہائے نادانی کہ جب نشۂ جوانی کا موسم پیری میں خمار اترتا ہے اسوقت آدمی سر پہ ہاتھ دھر کر روتا ہے وقت از دست رفتہ و تیر از شست جستہ کب ہاتھ آتا ہے ناچار ہو کف افسوس ملکر پچھتاتا ہے گذشتہ راصلوٰت کہکر دلکو سمجھاتا ہے آدمیونکو بندہ کی تقریر دلخراش پر اثر سے عبرت و حیرت حاصل تھی کبھی نصیحت و پند گاہ کلام رنگین و دلچسپ یاد دلدادہ مند کبھی سخنان وحشت افزا سناتا چلا جاتا تھا اہل دل طبیعت کیسے گدا سے روتے دیتے ساتھ تھے ہر فقرہ پر دکھ پر ضبط نہ ہو سکتا تھا چلاتے تھے خلق خدا جانور کی طرح ہاتھی کے ہمراہ تھی ایک عالم کے لب نالے تھے فغان و آہ تھی اسی ساہان سے ملکہ کے جھروکے تلے پہونچے وہ منتظر تمام شب لہ البیہ سوداگر سے بولی ایک دم ٹھہر جا میں اسکی تقریر کی مشتاق ہوں سوداگر نے ہاتھی روکا ملکہ نے کہا اے مقرب بے زبان گم کردہ خانماں اگرچہ اب ہم کس لائق ہیں مگر تیری داستان ظلم و جور کے شائق ہیں بندہ نے آواز پہچانی پہلے تو خوب رویا پھر جی ٹھہرا کر کہنے لگا شعر ہر کس از دست غیر نالہ کند ؛ سعدی از دست خویشتن فریاد ؛ تیر سے کیونکہ کہیے کوئی نہیں آگاہ ؛ اک قیامت بپا ہے یاں سراسر ؛ کچھ چھپا اب نہیں رہا یہ راز ؛ ہے جہاں اس سے سب سخن پرداز ؛ بس تغافل نہ کر ترحم کر ؛ گوش دل جانب تکلم کر ؛ شعر قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی طنا کند ؛ دو تین ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا ؛ افسوس یار نے عیاری کی دغا سے یہ نوبت ہماری کی جس کا رونا ہمیں ناگوار تھا وہ ہمارے لہو کا پیاسا قتل کا روادار تھا یہ مثل سچ ہے تیرھویں صدی ہے نیکی کا بدلہ بدی ہے مجنوں کی تمنا دلمیں رہی وطن جانیکی حسرت آب و گل میں رہی دوستوں کا کہنا مانا وہ آگے آیا پچھتانا پڑا اب اجل جلاد کے فریب سے ذبح ہوئے طالب و مطلوب جان جو گھونٹیں بھنیے زندہ درگور رہیے الحق دنیا دم مارنیکی جا نہیں راز کسی سے کہنا اچھا نہیں منصور حلاج نے کلمۂ حق کہا تھا ناحق لوگوں نے دار پر کھینچا غرض جو بولا مارا گیا جان سے بیچارا گیا کہتے تو کہا پر سوچکر بات بنائی جی میں دہشت آئی کہ مبادا یہ خبر اس کافر اکفر کو پہونچے تو یقین ہو کہا اے ملکہ کوئی کسی کمال سے دنیا میں نہال ہوتا ہے یہ بیگناہ گویائی کے سبب ناحق حرامزادی کی بدولت حلال ہوتا ہے ۔ مولف ؎ کمال شئے ذلیل شئے ہے اُس پر لاکھ حاسد ہوں ؛ بھلا نازاں نہ ہوں کیونکر میں اپنی بے کمالی کا ؛ خدا جانے ہے دیکھا دیکھکر چاند منہ کس کا ؛ ہوئی ہے عید غیروں کو ہمیں ہے چاند خالی کا ؛ میں نے اپنے ہاتھ سے پیر و نمیں کلہاڑی ماری فلک نے بنا کر بات بگاڑ دی بھیڑ ؎ اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی ؛ شعر گل و گلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث ؛ اب سر دست کچھ تدبیر نہیں آتی ہے صورت مرگ آئینہ چشم میں نظر ہے

ہماری ہمیں کو خبر ہے کوئی گھڑی میں مفت جان جاتی ہے جو جانتا ہے وہ دیکھتا ہے جسے خبر نہیں اس سے کہدو تمہارے واسطے غریب یار ہوئے اور تمہارے سبب سے قتل کے سزاوار ہوئے شعر

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

ان باتوں سے رہے سہے شک ملکہ کے برطرف ہوئے سمجھی جانِ عالم یہی ہے جواب یا جو جانتے تھے اُن سے کیا ہو سکا انجان کو تکلیف دینے سے کیا فائدہ او طوطے کی گردن مڑوڑ پنجرا باہر نکالا بندر کی نگاہ جو پنجرے پر پڑی سمجھا ملکہ پہچان گئی یہی فرصت کا وقت ہے ہنگامہ و تلاطم تو مچا تھا کسی نے دیکھا نہ بھالا بندر سوداگر کی گود میں لپٹ کر طوطے کے قالب میں پرواز کر آیا طوطا پھڑکا ملکہ کا خوشی سے دل دھڑکا پنجرا اندر کھینچ لیا

تصویر سوداگر معہ بندر ہاتھی پر سوار و ملکہ کا طوطے کے قالب میں لانا بندر کو و مرنا بندر کا



سوداگر نے دیکھا بندر مر گیا چاہا ہلاک ہو بدنامی کا قصہ پاک ہو جو شخص خواصی میں بیٹھا تھا سمجھانے لگا بندہ پرور شکر کرنے کی جا ہے شکایت کا موقع کیا ہے حرمت رہی جان بچی مرگ فرزند سے ماں باپ کو چارہ نہیں مرجانا بجز حماقت عقلمند کو گوارا نہیں اگر بادشاہ جبر سے چھین کر بندر کو مار ڈالتا جان کھونے کی جگہ تھی صبر کیجیے جو خدا کی مرضی اسکی رضا میں مجبوری ہے جائے صبوری ہے صابروں کا مرتبہ بڑا ہے اُنکے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے سنا ہے اِنَّ اللہَ مَعَ الصّابِرِیْنَ تماشائیوں پر جو یہ حال کھلا رونے پیٹنے کا دفتا شور و غل مچا سب نے متفق ہو کر یہی کہا بسکہ بندر عقیل تھا یہ پیام طلب کے بس رحیل تھا سامنے جانے کی نوبت نہ آئی سوداگر کی گود میں جان گنوائی اپنا قتل جو ثابت ہو خوف سے مر گیا داغ تقریر ہمارے صفحۂ دل پہ دھر گیا یہ خبر اس کافر اکفر کو پہونچی اُسے بھی چین

نہ آیا لاش ہنگا جلا کر دل ٹھنڈا کیا خاک تک برباد کی جب تسکین ہوئی وہاں ملکہ مہر نگار پنجرہ لئے بیٹھی لوگوں کو پاس سے سرکا دیا میاں مٹھو نے جو ہوا ابتدا سے انتہا تک مفصل سب حال سنا دیا کہ اس طرح نشہ کی حالت میں اس کے رٹنے پر عمل بتایا وہ ہمیں پر عمل میں لایا بندر بنایا پھر چڑیمار کے جال میں پھنسے دوست روئے دشمن ہنسے وہاں سے سوداگر متاع خوبی سمجھ کر اپنے پاس لایا فلک نے بعد خرابی بسیار آج تم سے ملایا ملکہ نے کہا خاطر پریشان جمع رکھیے انشاء اللہ تعالیٰ جلد کوئی صورت ہوئی جاتی ہے یہاں یہ گفتگو تھی کہ اُس نطفۂ شیطان کی آمد ہوئی ملکہ باہر نکل آئی تعظیم کی ہمیشہ یہ معمول تھا جب وہ آتا ملکہ بات نہ کرتی خفیف ہو کر اُٹھ جاتا اُس روز جو گفتگو ہوئی وہ مردک سمجھا بندر کا مرنا بچشم ملکہ نے دیکھا اس سے دب گئی ہمکلام ہوئی اب جلدی نہ کرو امروز فردا میں مقدمہ درست ہو جائے گا لیکن پہلے اس سے فیصلہ شرط ہے ملکہ کے باپ کا بہت ڈر تھا اس باعث ملکہ سے ہراس کرتا تھا نہایت پاس کرتا تھا جب رخصت ہونے لگا ملکہ نے کہا ایک بکری کا بچہ خوبصورت سا ہمیں بھیجدو پالیں گے رنج کو ٹالیں گے یا تو چپ رہتی تھی یا آج بچہ مانگا یہ بچا بہت خوش ہوے اُسی وقت ایک بکری کا بچہ تحفہ بھجوا دیا دوسرے روز جو آیا ملکہ کو زیادہ متوجہ پایا اُس کے روبرو بچے سے کھیلا کی دو تین روز یہی صحبت رہی ایک روز ملکہ نے بچہ کو دبا کر ادھ موا کر دیا اور بچہ بدرد دوڑایا شہزادے کو جلد بلا لا عرض کرنا اگر دیر لگاؤ گے جیتا نہ پاؤ گے یہ خبر سُن کر وہ محل سرا کا عازم ہوا ملکہ نے پنجرا اس ہمائے اوج سلطنت کا پلنگ کے پاس رکھ لیا جب وہ نابکار روبرو آیا ملکہ نے بچہ کو گود میں اٹھا اس زور سے دبایا کہ وہ مر گیا اس کا مرنا اس کا نالہ و فریاد کرنا گریباں چاک کرنے کی بکھیڑا پاک کرنے کی تدبیر کی وہ بیقرار ہو کر بمنت بولا ملکہ ہزار بچہ اس سے اچھا ابھی موجود ہوتا ہے تم کیوں روتی ہو ملکہ نے اسی حالت میں کہا میں کچھ نہیں جانتی تم اسے ابھی جلا دو جو میری خوشی چاہتے ہو وہ بولا بھلا مردہ کہیں جیا ہے کبھی کسی نے ایسا کام کیا ہے ملکہ نے رو کر کہا واہ تم نے میری مینا جو جلائی تھی جب میں مبتلائی تھی یہ دل میں سمجھا کہ شاید شہزادے نے یہ حرکت کی ہوگی کارخانے مسبب الاسباب کے معروف مشہور ہیں دنیا میں مثل ہے کہ کرد کہ نیافت جس نے جیسا کیا ویسا پایا ہر فرعونے را موسیٰ قطعہ اے یار جو کسی کو کلپا دیگا : یہ یاد رہے وہ بھی کل پا دیگا : اس دار مکافات میں سُن لے غافل : بیداد کریگا آج کل پا دیگا : وہ بد حواس پوچھنے لگا ہم نے مینا کیونکر جلائی تھی ملکہ بولی تم پلنگ پر لیٹ رہے تھے وہ جی اُٹھی تھی یہ پتہ بھی درست پایا کہا بچہ گود سے رکھدو ملکہ نے پھینکدیا وہ پلنگ پر لیٹا اپنی روح بکری کے بچہ کے قالب میں لایا وہ کودنے لگا ملکہ مہر نگار نے گود میں لیا پیار کیا وہ سوچا

دو گھڑی ملکہ کی طبیعت بہل جائیگی پھر روح قالب میں لیجاؤں گا مطلب تو نکل آئے گا یہ نہ سمجھا فلک کی گھات ہے فریب کی بات ہے چرخ کو کچھ اور منظور ہے اب اس جسم میں جانا بہت دور ہے شہزادہ جانعالم یہ سب معاملہ پنجرے سے دیکھ سن رہا تھا فوراً اپنی روح اپنے جسم میں لا اٹھ کھڑا ہوا یہاں وہ بزدل جانعالم کو دیکھ کر تھرا گیا خوف چھا گیا سمجھا قسمت اب بری ہے کوئی دم کو گلا ہے اور چھری ہے ملکہ نے

تصویر وزیر زادے کی پلنگ کے اوپر لیٹ کر اپنی روح بکری کے قالب میں لانے کی اور جانعالم کا اپنے قالب میں پرواز کرنا



جلد دوا پھر وہ پڑھ کر پھونکدیئے کہ وہ اور کے قالب میں روح لیجانا بھول گیا پھر انجمن آرا کو بلایا کہا لو صاحب مبارک ہو اللہ تعالی نے تمھاری و ہماری حرمت و آبرو کو بچایا بچھڑے سے ملایا یہ آپکا احمق الذی شہزادہ ہے وہ بکری کا بچہ بے دین وزیرزادہ ہے یہ کہہ کر تینوں عاشق و معشوق گلے مل مل خوب روئے جو جو محرم راز تھیں دوڑیں مبارک سلامت ہوئی جانعالم نے اسی وقت سوداگر کو طلب کیا سب حال مفصل کہدیا بعد ادائے شکر نعمت خلعت و انعام ہر اقسام کا عنایت کیا وطن آنیکا وعدہ حتمی لیا پھر چڑیمار اور اسکی جورو کو بلایا بہت زر و جواہر دیا اور بمشورۂ غضنفر شاہ اس مملکت کے چڑیماروں کا چودھری کر دیا پھر لشکر ظفر پیکر کو حکم تیاری سامان سفر فرمایا آپ رخصت ہونے کو غضنفر شاہ کے پاس آیا آخر کار بدقت تمام طول کلام دراز ایام مفارقت والدین کہہ کر اسے راضی کیا پیش خیمہ اسی دن لدگیا دو چار دن رخصت کی دعوتوں میں اور لگے اخیر جلسے خوب دھوم دھام کے ہوئے اپنے عمل تک وہ ساتھ آیا تمام لشکر نے یکا یکا پایا پھر رخصت ہوئے وہی دو چار کوچ ایک دو مقام کرتے براحت و آرام چلے

ورود لشکر نصرت اثر دشت پر خوف و خطر میں لب حوض خیام شاہی ہونا ساحرہ کا آنا تمام لشکر کو نصف پتھر بنانا پھر ملکہ کے باپ کا آنا او جادوگرنیوں کی لڑائی شہپال کا قتل فوج کی رہائی

نگارندۂ داستانِ عجیب ؛ یہ لکھتا ہے پھر ماجرائے غریب ؛ طلسم جہاں دید کا ہے مکان ؛ پھنسے اس میں رہتے ہیں پیر و جوان ؛ و لیکن ہنسا جو کوئی غنچہ ساں ؛ ہوا شل گل دستبرد خزاں ؛ جسے ہم نے دیکھا وہ تھا دلِ حزیں ؛ خوشی کی جگہ سچ ہے دنیا نہیں ؛ محرران جادو نگار سحر ساز راقمان فسانہ ہوش ربا خبر بیرایات نے لکھا ہے جانعالم ہر صبح مثل مہر درخشاں قطع منازل و مراحل یعنی کوچ و ہر شام مانند ماہ تاباں مقام کرتا تھا عرصے میں پھر اسی دشت ادبار صحرائے خارخار جہاں حوض میں کود پڑا تھا وارد ہوا حوض کے متصل سراپردہ خاص نصب ہوئے گرد لشکر نصرت اثر اترا انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کو وہ چشمہ دکھایا جب دن تمام ہوا نماز شام کے واسطے جدا خیمہ میں تشریف لایا نماز پڑھ کر کسل راہ سے پلنگڑی جواہر نگار بچھی تھی اس پر لیٹ رہا سستی کے باعث غنودگی سی تھی کہ دفعتہً ایک خواص خاص انجمن آرا کی بدحواس دوڑی آئی کہا شہزادہ جانعالم کی عمر دراز ہو نصیب دشمناں شہزادی کی طبیعت ناساز ہے شدت سے کلیجے میں درد ہوتا ہے وہ نقش سلیمانی اور لوح دیجئے دھو کر پلاویں عارضۂ مزاج مطلوب بدمزگی طبیعت محبوب سنکر بیقرار ہوا کچھ نیند کا خمار کچھ طبیعت کا انتشار دیکھا نہ بھالا نقش و لوح حوالہ کیا نقش دیتے ہی نقشہ بگڑ گیا ایک آواز مہیب پیدا ہوئی کہ اے جان عالم بہت دنوں اڑتا پھرا مدت کے بعد پھنسا خبردار ہو جا ایسی آواز ہولناک تھی کہ سب لشکری

تصویر جانعالم کے پتھر بننے کی نصف بدن تک مع لشکر اور رنڈیوں کا دعائیں مانگنا



ڈر گئے شجاعوں کے دل تھرا گئے محل میں رنڈیوں کو غش آ گئے گھبرا کر شہزادے نے اٹھنے کا قصد کیا جگہ سے ہلا نہ گیا
غور جو کیا تو آدھا جسم پتھر کا ہو گیا تھا پھر تو جو جہاں بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا جو کھڑا تھا اینٹھا رہ گیا ہر طرف غل اور شور تھا
جو پڑا تھا زندہ درگور تھا کچھ دکھ پکھ ہنسی تمام فوج آفت ناگہانی میں پھنسی عجب کھلبل مچی نامردوں کی ہائی بجی کل لشکر
انسان سے حیوان تک نیچے کا دھڑ پتھر کا اور اوپر کا جسم بدستور آہ و نالہ فریاد و بکا سب لشکر میں بپا تھا اور محلسرا
میں بھی یہی ہنگامہ مچا تھا ہر ایک گرفتار بلا تھا وہ رنڈیوں کی زاری انجمن آرا کی بیقراری علی الخصوص ملکہ کے
بیان سے زمین و آسمان کانپتا تھا جب وہ کہتی تھی شعر ہر دم زمانہ داغ دگر گونہ در دہد ؛ یکداغ نیک
ناشدہ داغ دگر دہد ؛ تمام لشکر میں از شام تا بگاہ ہر ایک کے لب سے نالۂ جانکاہ بلند رہا جس دم ماہ دم
سر بھر تا نقاب سیاہ روئے تاباں پر ڈالکر غم کدۂ مغرب کی طرف روانہ ہوا اور آفتاب جگر سوختہ مشرق سے
نکل کر خدنگ آہ بیکساں کا نشانہ ہوا ایک ابر تیرہ و تار آیا آدمی خوف زدہ ہو کر دیکھنے لگے اس ابر سے اژدہا خونخوار
شعلہ فشاں آتش دہاں نکلا ایک رنڈی اس پر سوار وہ بھی آتش بار شہزادے کے خیمہ میں اتری جانعالم نے
پہچانا کہ وہی جادوگرنی ہے دل سے کہا شہر اپنا دور رہا موت قریب آئی قسمت نے کس جگہ لا کر نیرنگی دکھائی
وہ بولی جانعالم کہو اب کیا قصد ہے شہزادے نے کہا وہی جو تھا اس نے کہا اب وہ نقش سلیمانی اور لوح
پیر مرد کی افشانی کہاں ہے جس کے بھروسے پر کودتے تھے اگر زندگی مع لشکر درکار ہے تو ملکہ اور انجمن آرا
سے انکار کرو ہماری اطاعت اور محبت مقدم جانکر ہم سے داد و مدارا کرو نہیں تو میں ایک دم میں سب کو
بے گور و کفن طعمۂ زاغ و زغن کر دوں گی دشت لاشوں سے بھر دوں گی شہزادے نے کہا ہمارے
لوح دل پر نقش ارادت حافظ حقیقی کلک قدرت سے منقش ہے عادت سے مجبور ہوں بیوفائی کیسے دوں جو کہا سو کہا
جو کیا سو کیا اگر قضا آئی ہے مرنے سے کیا چارہ ہے مگر جیتے جی بات جانی کب گوارا ہے یہ سنکر وہ جل گئی
غصہ سے رنگت بدل گئی کچھ بڑبڑا کر جانعالم پر پھونکا یا نصف پتھر تھا اب حلق تک پتھر ہو گیا حسرت و یاس سینہ میں
بھری تھی تصویر آذری سی پلنگڑی پر بجسں و حرکت دھری تھی وہ تو اژدہے پر چڑھ کر اڑی اور پکاری اے اجل
رسیدہ آج کے دن اور رات مہلت کی ہے اگر صبح کو بھی انکار کیا تو یاد رکھنا لشکر کا خون اپنی گردن پر لیا یہ سنا کر وہ تو
ہوا ہوئی جبتک شہزادہ آدھا پتھر تھا تو ملکہ اور انجمن آرا اپنے اپنے خیموں سے گھبرا کر پکارتی تھیں جانعالم جواب
دیتا تھا یہی آواز کا سہارا ان کی زیست کا سبب تھا اب تا حلق پتھر ہونے سے وہ جرس قافلۂ گم کردہ راہ
دشت غربت بے صدا ہو گیا وہاں صبر کا راہبر جدا ہو گیا ہر چند دونوں چلائیں شہزادے سے

مطلق جواب دیا بولا ہی نہ گیا پھر ملکہ مہر نگار بادل فگار سر پیٹ کر کہنے لگی بیر حسن سے فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا کہ جسکے عوض یوں رلانے لگا ؎ مژدہ اے مرگ غریب الوطنی خوب حیلہ ہاتھ لگا تو بدنامی سے بچی ہم نے ناکامی میں جان دی چرخ ستم شعار زور رنگ لایا انجمن آرا بیچاری مصیبت کی ماری سب کا منہ یسرت سے تکتی تھی اور روتی تھی نہ بین کر آتے تھے نہ غل مچایا جاتا تھا گھٹ گھٹ کر جان کھوتی تھی خواصیں سر کھول کر کہتی تھیں ہے ہے ہم اس جنگل ویران میں لٹ گئے وارث سے چھٹ گئے شعر ؎ تو وہ کریم ہے ناشاد کو جو شاد کرے ؎ مراد مند کو ہر طرح بامراد کرے ؎ لوگو ہم کدھر جائیں کیونکر اس بلا سے نجات پائیں کوئی کہتی تھی شیطان کے کان بہرے خدا نخواستہ اگر جانعالم کے دشمنوں کا رونگٹا میلا ہوا شہزادیاں خاک میں مل جائینگی غم جدائی سے جانیں گنوائیں گی ہم اُن کے ماں باپ کو کیا منہ دکھائیں گے اس دشت ادبار میں سر ٹکرا کر مرجائیں گے یہ جادوگرنی قربان کی تھی یونہی بے گور و کفن رکھے گی اور آتون محل دار جگر افگار سر سے چادریں ٹیک مدینے کی طرف پکار پکار یہ شعر کہتی تھیں ؎ تصدق اپنے نواسوں کا یا رسول اللہ ؎ کہو یہ حل کریں مشکل ہماری حضرت شاہ ایک طرف مغلانیاں غم کی ماریاں دم گرم آہ سرد بھرتی تھیں ایک سمت اصیلیں جلیبیں نجف کی طرف بال کھول کر التجا سے گریہ و بکا سے یہ عرض کرتی تھیں شعر ؎ تم نے مدد کی نوح کی طوفاں سے کشتی پار کی ؎ یا مرتضےٰ مشکل کشا کیوں دیر میری بار کی ؎ کوئی کہتی تھی ہمارا لشکر اس بلا سے جو نکل گیا تو مشکل کشا کا کھڑا دونا دونگی کوئی بولی میں سہ ماہی کے روزے رکھوں گی کونڈے بھروں گی صحنک کھلاؤنگی دودھ کے کوزے بچوں کو پلاؤں گی کسی نے کہا میں اگر جیتی چھٹی جناب عباس کی درگاہ جاؤں گی سقائے سکینہؑ کا علم چڑھاؤنگی چہل منبری کر کے نذر حسینؑ سبیل پلاؤں گی غرضکہ لشکر سے زیادہ خیموں میں تلاطم پڑا تھا صدائے حزیں نالۂ پر غمگین سے ہنگامۂ محشر بپا تھا اتفاقاً ایک شاگرد ملکہ کے باپ کا رشید فن سحر میں دیدہ شنید اُس مرد بزرگ کی ملاقات کو بڑے ہوا اُڑا جاتا تھا یہ نالۂ بلند صدائے ہر دردمند اُس کے کان میں جو پہونچی زمین کا جو متوجہ ہوا دیکھا تو ایک لشکر عظیم بہ حال سقیم سحر کا بتلا ہے شور و غل ہو رہا ہے جب قریب تر آیا طرفہ ماجرا نظر آیا کہ انسان سے تا جانور سب آدھے پتھر ہیں سمجھا کہ سحر شہپال میں خراب حال ہیں لوگوں سے پوچھا یہ ستم رسیدہ لشکر کس کا ہے کہاں سے آیا ہے وہ ملکہ مہر نگار کے ملازم تھے اپنا حال سب نے بیان کیا جب اُسے یہ امر معلوم ہوا کہ استاد زادی کی خانہ بربادی ہے در خیمہ ملکہ پر آیا سر پیٹا چلایا ملکہ نے آواز پہچانی کہا بھائی اسوقت پردہ کہاں کا یہاں آ کر بالمشافہ

ہمارا عذاب و رحال خراب دیکھو وہ اندر آیا ملکہ کو بھی اسی عالم میں پایا ملکہ نے فرمایا عداوت ساحرہ
سے ہمارا قافلہ تباہ ہے وہ عرض کرنے لگا مجھے اسکی ہمسری کی طاقت نہیں اور وقفہ کم صبح سب کا
کارخانہ درہم برہم ہوجائے گا۔ بجز آپ کے والد بزرگوار کے تشریف لائے یہ بلا ٹلتی نہیں تو خدا حافظ
دناصر ہے یہ کہہ کر بحال خستہ و تباہ لب پر نالہ و آہ اس تیز قدم سے چلا کر ادھم صبا کی ڈپٹ ہر
قدم پر نثار تھی ٹھوکروں میں صرصر بے قرار تھی پہر بھر میں وارد باغ ہوا گل سا چاک گریباں غنچے
کی طرح خموش شبنم نمط اشک ریزاں پیر مرد نے فرمایا خیر ہے اس نے شمۂ گرفتاری جان عالم ملکہ کی بیقراری
انجمن آرا کا الم لشکر کا حال ابتر کہہ کر عرض کی جلد چلیے اگر شام تک نہ پہونچے وہاں صبح ہی
دم سحر ملک الموت کا بازار گرم ہوگا ارمان سب دل ہی رہے گا کشتوں کو عالم بے والی وارث کہیگا کوئی
گور و کفن نہ پائے گا خاتمہ بالخیر ہوجائے گا پیر مرد نے آہ سرد بھر کر فرمایا افسوس شہزادے کو سب کچھ سمجھایا
تھا مگر عمل میں نہ لایا۔ میر سوز سے ایک آفت سے تو مر کے ہوا تھا جینا ؛ پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی ؛
اُسی دم شاہین تیز پر سوار ہوا مغرب کی نماز لشکر میں داخل ہوکر پڑھی پہلے جانعالم کے خیمہ میں آیا حال
دیکھ کر سخت گھبرایا پھر انجمن آرا کی جا کر تسکین کی وہ رونے لگی۔ وہاں سے ملکہ کے پاس آکے کہا
تمہاری بدبختی نے ہماری وضع میں فرق ڈالا برسوں کے بعد باغ سے نکالا ملکہ نے رو کر عرض کی یہ
وقت تدبیر نہ ہنگامۂ تعزیر بعد رہائی اس آفت سماوی کے جو چاہنا فرمانا القصہ مجبور و ناچار وہ عارف
با وقار شہزادے کے خیمہ کے نزدیک دو رنگ حصار کھینچ کر بیٹھا یہ مرد بزرگ نیک صفات فن سحر کے سوا
عامل اسم ذات کا تھا کچھ پڑھنے لگا کبھی مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات کرتا کہ اے یاور زیردستان
و سرفرو کنندۂ گردن کشان اس بوڑھے کی شرم تیرے ہاتھ ہے قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں
اخیر وقت کا تو حافظ و نگہبان ہے مجھ پر جو مشکل ہے تیرے روبرو آسان ہے سفید داڑھی کو بدنامی
کے وسمہ سے نہ رنگانا تیرہ بختی کا دھبہ بر ایں ریش سفید نہ لگانا۔ شعر سے مشکل ز توجہ تو آسان ؛ آسان
ز تغافل تو مشکل ؛ جبکہ سجادہ نشین چرخ اول با مجمع مریدان کواکب حجرۂ مغرب میں روپوش ہوا اور
ساحر فلک چہارم پر شوکت و با حشم طلسم مشرق سے نمودار باجوش و خروش ہوا اور وہ عبادت گذار
پیر جوانمرد و شب زندہ دار وظائف صبح سے فرصت پا چکا تھا یکایک وہ نابکار شیطان صفت ناپاک
عورت اژدہے پر سوار بچشم خونخوار بعزم قتل جانعالم لشکر میں تنہا آئی پہلے ملکہ کے باپ پاس گئی آنکھیں

لال لال ملیش کمال اور بہ آواز کرخت پکاری اے پیر مرد شست تدبیر تیری اجل بھی دامنگیر ہو کر کشاں کشاں اس دشت جانستان میں لائی ہے مجھے شرم آتی ہے کہ تو پیر نود سالہ ہو چکا ہے بے مارے مر رہا ہے تیرے قتل میں بدنامی چھٹ فائدہ کیا ہے جدھر سے آیا ہے سیدھا چلا جا ہیں بیک نگاہ کج نشان لشکر اس صفحۂ زمین سے مثل حرف غلط کار دسحر سے مٹائے دیتی ہوں مرد بزرگ نے آشفتہ ہو کر فرمایا اے ننگ فرقۂ بنی آدم مردود عالم تجھے جوش شہوت و لولۂ مباشرت نے آمادہ قتل ہزارہا بندۂ اللہ بے جرم و گناہ کیا ہیں مرگ عزیزاں دیکھوں مرنے سے ڈروں بقول تیرے آج نہ مواکل مرجاؤں نگا جیتے جی خلق کو کیا منھ دکھاؤں نگا ہمچشموں سے ناحق آنکھ چھپانی پڑے گی تو بدبخت مجھ سے کیا لڑیگی یہ کروہ فاحشہ جھلا آستین چڑھا سحر کی نیرنگیاں دکھانے لگی اُنکی بھی دعا کی تاثیر سپر بنکے اس کا سحر اسی پر ڈھال رنگ مٹانے لگی صبح سے پہر دن باقی رہا کوئی دقیقہ طرفین سے باقی نہ رہا طول اس مقام کا بیجا تھا اسی کلمہ پر تمام کیا کہ جب وہ عاجز ہوئی تب سحر کی طاقت سے شیرنی کی صورت بنائی پیر مرد بھی اسد اللہ الغالب کو یاد کر وہ ہیبت شیر ببر بنا اور اس طرح للکار کر گونجا کہ جنگل کے چارپائے نعرے کے خوف سے دریا میں گرے

تصویر ایک شیر ببر اور دوسری شیرنی کی باہم لڑنا اور شیر کا غالب آنا



اور پانی کے جانور خشکی میں چھپتے پھرے کچھ دیر اس ہیبت میں لڑائی زور آزمائی رہی آخر کار وہ روبہ صال اس ہزبر نیستان شجاعت کی تاب نہ لائی گیدڑ بھبکی دکھائی اور عقاب بن کر اُڑ چلی وہ شاہین اَوج دلیری سوچا کہ یہ گرفتاری طائر مطلب یعنی اس ڈھڈو کے لشکر جنجال سے نہ نکلے گا اسی طرح یہ بھٹکی بھٹکی ٹٹی کے آڑ میں شکار کھیلے گی بلا سے کچھ ہو اسے پھنساؤ زور میں کم پایا کھتا فوراً باز تیز پرواز ہو اس سناٹے سے چنگل آہنی میں اُسے دبوچا اور ایسا نوچا کہ اس کی جان سنسنا گئی

بھاگتے وقت رجال الغیب سامنے تھا موت پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑی بہت تڑپی پنجۂ اقضا سے نہ چھٹ سکی
اسی کشمکش میں اینچا کھینچی میں مرغ روح اس کا مجروح قفس تن سے اُڑ کر آشیانۂ جہنم میں پہونچا غلغلۂ
حشر و شور نشور اس صحرا میں نزدیک و دور مچا ہر طرف سے دار و گیر کی صدا آئی آسمان چکر میں آیا
زمین تھرّائی دشت تیرہ و مکدر ہوا آندھی چلی سحر کا کارخانہ اُڑ گیا ابتر ہوا قریب شام وہ سیاہی
موقوف ہوئی خورشید نے رخ انور دکھایا اپنا بیگانہ نظر آیا جانِ عالم گھبرا کر اٹھ بیٹھا اہل لشکر نے رہائی
از سر نو زندگی پائی جانِ عالم خیمہ سے نکل نادم و خجل پیر مرد کی خدمت میں حاضر ہوا سب نے دیکھا
... حصار میں ایک رنڈی اسّی نوّے برس کا سن ضعف کا زور و شور بڑھاپے دن قد کمان



مرنے پر لیس آنکھیں تو وہ طوفان جسم کا ہر سپٹا دریۂ ژولیدگی گھنی ہوئی لٹیں صاف نظر آتی تھیں ٹیاں
پسلیاں بوسیدہ جلد کے باہر سے گنی جاتی تھیں درج دہان بے درِ دندان حقۂ خالی کی طرح وا دار ڑھ
دانت کے نام سے منہ میں خاک نہیں بھاڑ سا کھلا نیلے نیلے مسوڑھے سڑے تالو لوہے کا توا جیب
جھلسی چھالے پڑے بازیاں ہاتھ ساکھو کا ڈالا اور دھنا برگد کا ٹہنا قد کا ڈول نرالا عوج بن عنق
کی خالہ ٹانگ ہر ایک تاڑ سے بڑی کھڑی ہو تو سقف بے ستون کی اڑداڑ ہو گنبد چرخ کی باڑ ہو
پھیلائے پڑی تھی گویا چھوڑا کے محل کی گڑی تھی سینۂ پر کینہ تنگ چھاتیوں کے ستکے تکے
کی طرح سیدھے لٹکتے پیٹ لپیٹ کی انتہا نہیں بے خاک گور کبھی بھرا نہیں دل پہاڑ کی
سِل سے سخت تر گردہ توپ کا ہمسر ہڈی سے گوشت گوشت سے کھال جدا پیرِ زال فرہاد کش
بڑھیا چہرے کا رنگ کہ سلہٹ کے سیر کا اسکے روبرو منہ سفید ہو جائے شب فرقت کی سیاہی

میں کالی بلا سی نظر آئی گو بڑکا وہ ڈھنگ کہ سب کہتے تھے بیچارے لڑکوں کو کاٹ نہ کھائے ماتھے
پر سیندور کا ٹیکا دور سے نظر پڑتا اور سفید چوندا چنور کی طرح لٹکتا سیاہی کا دھبہ بجز تیرہ بختی کہیں
نہ دیکھا ایسے سر کی مانگ میں بھی مانگ جانچ سیندور بھرا بالوں میں ناریل کا تیل پھٹے پھٹے دیدوں میں
نہ دیدوں کیطرح کاجل ریل پیل گہنے کے عوض سانپ بچھو لپیٹے کھوپڑی اور ہڈیوں کے ہار گلے میں
پڑے سحر کا سنگار کیے دلپشت بہشت رو بدخس سوے جہنم چیت پڑی تھی شہزادہ پیر مرد کو ساتھ
لیکر محلسرا کے خیمہ میں آیا شہزادیوں نے جان پائی جلیسوں کے منھ پر رونق آئی خواصوں نے شکر
جناب باری کیا ماما اصیلوں نے پیر مرد کے قدم پر عرض کیا۔ مصرعہ ؎ اے آمدنت باعث آبادی ما
اُس بزرگ نے فرمایا ابھی اس معرکے سے نجات نہیں ہوئی آفت عظیم کا سامنا باقی ہے جانعالم نے پوچھا
قبلہ وہ کیا ہے اُس نے فرمایا اس کا باپ شہنشاہ جادوان ہے کوئی دم میں ضرور آئیگا بکھیڑا مچائیگا ملکہ
مہرنگار مضطرب ہوئی پیر مرد نے فرمایا اللہ یار ہے وہ کیا نابکار ہے۔ مصرعہ ؎ دشمن اگر قویست نگہبان قوی تراست
یہ کہہ کے دو ماش چپ و راست پھینکے دو جانور نئی صورت کے پیدا ہوئے ہرن کے چہرے طاؤس
کے دھڑ یاقوت کے سینگ الماس کی آنکھیں نر مادہ کے پر اور دو ٹھیکریوں پر کچھ لکھ کے انکے سامنے
رکھا وہ ہر ایک چونچ میں اُٹھا اُڑ گیا وہ رات بھی بیم وہراس میں گذری جسوقت ساحر شب بیدار عامل
صبح کی آمد کے دبدبے سے بھاگا ہوا تند چلی برق چمکی رعد کی آواز ہوئی اہل لشکر ڈر گئے مثل مشہور ہے
مار گزیدہ از ریسمان پیچیدہ می ترسد پیر مرد کے گرد جمع ہوے کہ ایک سمت سے غول کے غول غٹ
کے غٹ جادوگروں کے جھٹ پٹ باز جرے باشے بھجنگے پرنگے دھڑنگے سوار قطار قطار آئے میدانیں
مرشد کامل نے اُن کا پرا جمایا دوسری جانب سے جادوگرنیاں طاؤس و ناگنوں پر سوار آتشبازی کے
حقے اڑاتی ناریل اچھالتی الکتارے چھوڑتے بادلے کی جھنڈیاں کھلی ہوا سے اڑتی ہوئیں آپس میں چھیڑ چھاڑ
سحر آزمائیاں ہاتھوں کی صفائیاں ہوتی لڑائی کے عزم پر ہر ہر کرتی موجود ہوئیں اسی پرے کے
مقابل ٹھہری انھیں دیکھ کے جانعالم کا جی کلبلایا فوج کے سرداروں کو بلایا اور فرمایا گو آج دغدغہ
کامل ہے مگر یہ جلسہ و معرکہ دیکھنے کے قابل ہے زندگی ہے تو ایسا روز کبھی کاہے کو نظر سے گذریگا
وگرنہ مرگ انبوہ جشن دارد ہماری فوج بھی چمک دمک سے صف آرا ہو اسباب سب نیا نکالو یہ
خبر سنکر پہلے بیلدار نکلے پست و بلند زمین ہموار کر کنکر پتھر چن کر جھاڑی جھنڈی کاٹ ڈالی

جھاڑی ہوئی زمین صاف برابر نکالی پلٹنوں کی خاطر مورچے درست کئے توپوں کے دمدمے باندھے
جھانکی لگائی کہیں سرنگ کا پوشیدہ رنگ جمایا بارود کو چھپایا میدان جنگی بنالیے پھر سقے
آبپاشی کر گئے توپخانے والے باچھوں میں پانی بھر گئے فوج کی آمد ہوئی صف کارزار آراستہ ہونے لگی
راست وچپ پانچ پانچ سو ہاتھی مست پٹے سونڈوں میں چڑھے ایک ایک پہلوان قوی ہیکل زرہ پوش
گرز گراں بردوش اُن پر سوار پھر پلٹنیں اور توپخانہ آیا قرینے سے جمایا گیا توپ فلک شکوہ
سورج جھنکار اور رنانک مستی کی سپتے کی گردوں گردان پر چوٹ کرنے والی مدد کو ہوٹ کوسوں کی
چوٹ کی اور وہ غبارے جس کا گولہ قصر چرخ میں اتارے پھر سواروں کے پرے میں میمنہ ومیسرہ
قلب جناح ساقہ وکمینگاہ درست کر دیا آگے ہراول پیچھے سواروں کے پیدل فوجوں کے
دل نقیب چار سو یے نکلے گلے سے کلہ کنوتی سے کنوتی ہٹنے سے پٹھا دم سے دُم سم سے سم ملا دیا
نشاں برداروں نے علم سبز وسرخ درافشاں کو جلوہ دیا سرہر علم ماہی پرچم کی چمک چشم دلاوران میں
بادۂ جرأت کا کام کر گئی نامردوں کو ہول ہوئی بھاگنے کی فکر پڑی پیٹ میں کھلبلی مچی کتنوں کی
چلتے چلتے جان گئی دریائے فوج ظفر موج موجزن تھا حشر کا میدان رن تھا عرش کوس حربی صدائے
نقارخانۂ جنگی چرخ پر برج ثور تک زیر زمیں گاؤ ثری کو پہونچی اور صدمۂ دمامہ تند مہیب آواز دہل گوش
فریب سے کرۂ ارض وسما دہل گیا اور قرنائے چینی کے غلغلے سے صور کی ہمدمی کا دم بھرا اِذَا زُلْزِلَتِ
الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا کا وقت قریب آیا جانعالم بھی بصد حشم اسپ پری پیکر پر جلوہ گر ہوا چتر زرنگار بالائے
سر تاج شہریاری کج رکھ کر شمشیر برق دم زیب کر فولادی سپر پشت پر بائیں ہاتھ میں مرکب کی عنان
داہنے میں نیزہ اژدہا پیکر دو دزبان فتح ونصرت جلو میں اقبال یاور تگ ودو میں ہمت وغیرت
دست بستہ بہم جرأت زیر قدم قربوس زین میں کمان کیانی چہرے پر رعب وجلال کشورستانی سمند
صبا دم کو گرم عنان کر کے پرے کے برابر باگ لی چاؤش طرار خبردار باش للکارا مریخ سا خنجر گذار
بالائے چرخ الاماں پکارا کتیوں نے کرو کا شروع کیا نقیبوں نے نہیب دی دلاورو آج
عرصۂ جنگ وجگہ نام وننگ کی ہے دنیا میں زندگی چار دن ہے لڑنے بھڑنے کا نوجوانو یہی
سن ہے کسی کو بقا بجز ذات خدا نہیں ہمیشہ دنیا میں کوئی رہا نہیں۔ شعر۔ رستم دبا زمیں پہ نہ بہرام
رہ گیا؛ مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا؛ اس صدا سے جو سدا کے بہادر صاحب جرأت تھے

اُن کا دریائے شجاعت سینے میں موجزن ہوا مونچھیں کھڑی آنکھیں سُرخ چہرے بشاش ہوگئے بسان
شیر دلیر قبضہ ہائے شمشیر دیکھنے لگے اور چست چالاک ہو کر مستعد کارزار ہوئے جانفشانی کو تیار ہوئے
ہر دم باہم یہ اختلاط تھا دیکھیں آج تلوار کس کی خوب کاٹتی ہے کس کس کا لہو چاٹتی ہے پہلے نیزہ
کس کا سینۂ عدو پر چلتا ہے نیزے کی تان پر کون چھاتی تانتا ہے لوہا کون مانتا ہے کس کے تیر کے
نشانہ سے خون کا فوارہ اچھلتا ہے آب پیکان دشمن کے حلق میں کون اُتارتا ہے سر پیکان کس کا
طالب سوفار سُرخرو ہوتا ہے کس کو کون للکار کر ڈانٹ کر مارتا ہے دوا کو کون پکارتا ہے عرصۂ کارزار
میں حق نمک شاہزادہ ادا کیجئے دشمنوں کا لہو پیجئے جب بگڑے تو وہ کام بنے جس سے رستم کی
گو تھرائے سام نریمان کا رنگ فق ہو جائے کوہ کو پر کاہ کی طرح اکھاڑے دیو اگر سامنے آجائے تو
پچھاڑے رئیس قدر دان سر میدان سرگرم نظارہ ہے دیکھیے کون کام کا ہے کون ناکارہ ہے کس کے
ہاتھ کھیت رہتا ہے کون کون کھیت رہتا ہے سن چلاین کر لو زر سُرخ و سفید سے پیریں بھر لو
آج ہی تو آن بان ہے یہی گو یہی میدان ہے دہل گنڈوں کا لاحول ولا یہ ڈول ہوا کہ ہول سے
چہرے زرد لب پر آہ سرد منھ پر ہوائیاں اُڑتی تھیں ہر بار بھاگنے کو باگیں مڑتی تھیں کھڑے ہوئے
اپنے منھ نوچتے تھے پیٹ پکڑے پھرتے تھے دست سر دست چلے آتے تھے ڈر کے مارے سب مارے
موئے جاتے تھے کوئی کہتا تھا میاں جان ہے تو جہان ہے نوکری نہ ملے گی بھیگ مانگ کھائیں گے
جانیں کہاں پائیں گے حرمت گئی تو گئی جان تو رہے گی ہو کی ندی تو بدن سے نہ بہے گی یہی نا کوئی
نامرد کہیگا آبرو جائیگی جی تو رہے گا یہاں کی بگڑی اور کہیں بنالیں گے تیر تلوار کی گوئی بچا کر
گالیاں کھالیں گے لڑنے کو سپاہیوں نے کمریں باندھیں ہیں کوسنے کو ہم موجود ہیں کوسوں بھاگنے کی
آندھی ہیں جونکیں لگاتے ہیں ہمارے ماں باپ بھنگ پلاتے تھے معجون کھلاتے تھے کسی کی فصد
کھلی دیکھ کر ہمیں غش آتے تھے ہم تو دوست ہو یا دشمن دونوں کی خیر مانگنے والے ہیں سب سے پہلے
معرکے سے بھاگنے والے ہیں ہمیشہ گالی گلوج کو خانہ جنگی ڈھول ڈھپے کو میدان داری سمجھے
لڑائی بھڑائی سے کبھی بھڑ کے نہ نکلے تمام عمر بدن میں سوئی نہ گڑنے دی گالیاں کھا کھا کے زندگی
بسر کی بے غیرتی کا بھلا ہو جس نے آجتک جان سلامت رکھی اس پر بھی قسمت نے یہ دن دکھایا
خدا نے ہمیں ہیجڑا کیوں نہ بنایا فوج میں اسطرح کی کھل بل چل رہی تھی اُدھر انجمن آرا اور مہر نگار نے

ایک اونچا ٹیکرا تجویز کر خیمہ بپا کیا چلمن چھوڑ آ بیٹھیں سیر دیکھنے اس عرصے میں لشکر غنیم کی آمد ہوئی
یعنی شہپال جادوگر نو لاکھ ساحر ہمراہ رکاب شکست انتساب لیکر تخت پر سوار چالیس اژدر خونخوار تخت
اُٹھائے بڑے کروفر سے آیا فوج بے قیاس وہ خدا ناشناس لایا اور سامنے جوانان تہمتن و گردان صف شکن
کے اپنا پرا جمایا پھر علم کالے آگے نکالے اور پرچم سیاہ ہم صورت بخت اس گمراہ کے کھلے دف و نے
و جھانجھ بجنے لگے ادھر کوس کو رگرجنے لگے وزیر اس کا پیام بیرمرد کے پاس لایا دست ادب باندھکر
عرض کی ایلچی کا زوال نہیں زیادہ گوئی کی مجال نہیں شہپال نے فرمایا ہے تمھارا مرنا جینا برابر ہے
کہ گرم و سرد زمانہ دیکھ کر عمر طبعی کو پہونچے مگر ان نوجوانوں پر رحم نہ کیا ان کے خون کا حساب اپنی
اعمال کی کتاب پر لکھوایا بوجھ اپنے ذمہ لیا پیرمرد نے جواب دیا اے اس اجل رسیدہ پیر نابالغ
سے کہنا طرفین سے جس کا خون زمین پر گرے گا اُس کا مظلمہ مواخذہ تیری بیٹی جو فاحشہ تھی اسکی
گردن پر ہوگا ہم سمجھے تھے وہی ننگ خاندان تھی لیکن اب معلوم ہوا ایسوں کے ویسے ہی ہوتے ہیں
تجھے سفید داڑھی کی شرم نہ آئی کہ وہ مری تیر اکلنگ کا ٹیکا مٹا تو تو اس سے بھی زیادہ بے حیا
سیہ قلب نکلا یہ مقام رزم ہے جائے نیزہ و شمشیر یا بزم ہے جو محل تقریر ہو گفتگو بیفائدہ بے طائل
باتوں سے کیا حاصل جو منظور ہو بسم اللہ اسمیں دیر نہ کر دیکھیں آج کس کے حصے میں تخت و تاج ہوتا ہے
اور گور و کفن کو کون محتاج ہوتا ہے وزیر محجوب پھرا شہپال سے سب حال کہا پھر تو وہ کافر غدار
گبر ناہنجار شل مار دم بریدہ برخود پیچیدہ ہو شعلہ غضب سے وہ ناری جل گیا چہرے کا رنگ
گرگٹ کی طرح بدل گیا پہلے تو آپ حقہ آتشی پر مردیر مارا پھر لشکر کے سرداروں کو للکارا دو پہر تک
عجیب و غریب سحر سازی و ہنگامہ پردازی جادوگر اور جادوگرنیوں کی لڑائی رہی کہ دیکھی نہ سنی
کسی نے کسی کو جلایا کسی نے بجھایا کسی سنگدل نے پتھر برسائے سب کچھ سحر کے نیرنگ دکھائے
آخر کار جب جادوگری ختم ہوئی لڑائی کی نوبت بگرز و شمشیر و نیزہ و تبر آئی پھر تو شہزادہ جان عالم
کی بن آئی باگ اٹھائی فوج جرار غازیان نامدار خبردار ہوئے سیاہ مانند ابر چہار سمت گھر آئی برق شمشیر
چمکی پہلوانوں کے نعرے نے رعد کا کام کیا خوب لوہا برسایہ سب تازہ دم وہ دو پہر کے
شل سیکڑوں ٹاپوں میں کچل گئے گھوڑوں کی جھپٹ میں کھندل گئے شمشیر صاعقہ خصال
جان عالم کا یہ حال تھا جس کے سر پر پڑی سر اُس خود سر کا کاٹا حلق میں قطرۂ سیماب کیطرح اُتر سینہ

پر کینہ کا لہو چاٹا وہی سر جو پناہ خود میں تھا پلک جھپکی تو گود میں تھا پھر گھوڑے کے تنگ سے جست
گذر زخم گشادہ کر خانۂ زین سے زمین میں قرار لیا سر بالیں اس کی قضا کو روتے دیکھا اسے خواب
مرگ میں پاؤں پھیلائے سوتے دیکھا جس پر لپک کر ایک وار کیا دو کیا دو کو چار کیا حواس خمسہ
کسی کے درست نہ تھے ششدر ہو گئے ساتوں زمین کے طبقے تھرائے آسمان کو چکر ہوا مردے
قبروں سے چونک کر باہر نکل آئے جو لپکا اسے مار لیا بھاگتے کا پیچھا نہ کیا گھڑی بھر میں خون کا دریا
بہہ گیا لاشوں کا انبار رہ گیا کاسۂ سر حباب دریا کی طرح بہتے نظر آتے تھے موج خون میں دھڑ
دھڑا دھڑ غوطے کھاتے تھے دشمنوں کی کشتی زیست طوفانی تھی آب تیغ کی طغیانی تھی فوج عدو
کا زندگی سے دل سیراب اور اچاٹ تھا لہولہان ہر تلوار کا گھاٹ تھا کوسوں تک لاشے پٹے تھے
یہ پاٹ تھا آخر کار فوج کو شکست ہوئی شہیال مارا گیا سر اُس خود سر کا ش خیار تر اتارا گیا سپاہ باقی ماندہ
اس تیرہ بخت نگونسار کی فرار ہوئی زندگی دشوار ہوئی پھر تو غازیان فتح نصیب اور جادوگران مہیب
لوٹ پر ٹوٹ پڑے سب کچھ لوٹا ساز و سامان اُنکا ذرا نہ چھوٹا اُدھر نشان کھلے شادیانے بجے وہ سب

تصویر معرکہ لڑائی شہیال کا مارا جانا اور تصویریں جادوگروں کی ہیبت ناک



چادر پھراتے ماتم کرتے گریباں چاک سر در و آغشتہ بخاک دم سرد بھرتے جن کا منہ جدھر اٹھا بھاگ نکلے
میدان کشتوں سے اٹ گیا دشت لاشوں سے پٹ گیا آجتک طعمۂ زاغ و زغن اسی بن سے ہے
صحرائی درندوں کے خوب پیٹ بھرے بلکہ جانوروں کی دعوتوں کو گوشت کے بچے قیمے کئے اٹھا
رکھے بہت ہیضہ کر کر مرے وہ سرزمین قلعہ خزانہ جانعالم کے قبضہ میں آیا بڑی جستجو و تکاپو سے وہ
لوح اور نقش پایا پیر مرد رخصت ہوا اور جتنے مدارج پند و نصیحت تھے بکرر سمجھائے راہ کا خطر مصیبت سفر
ہر منزل و مقام کا نفع و ضرر کہہ کر کہا میری جان اب ایسی حرکت و سامان کرنا جو پھر کوئی روز سیاہ دشمنوں کے سامنے
نہ دوستوں کے دیکھا نجائے ہم سے تو باغ چھوٹا لو اب اللہ حافظ و ناصر ہے سوال اس کا اور تمھارا مددگار دیا و دے ہے

نزول موکب شوکت و جلال بعد فتح جادو شہپال ساحل دریائے شور پر جہاز کا آنا شہزادے کی طبیعت کا لہرانا پھر سوار ہونا اور جہاز کی تباہی باہم کی جدائی انجمن آرا کی بے سر و پائی جوگی کی ملاقات

آشنایان بحر تقریر و غواصان محیط تحریر شناوران شط الفت غریق لجۂ محبت نے گوہر آبدار سخن کو سلک گفتار میں منسلک کر کے زیب گوش سامعین ذی ہوش اس طرح کیا ہے کہ بعد فتح جنگ جادو شہپال اور ہاتھ آنے خزانۂ مالا مال کے دو مہینے تک عساکر نصرت اثر شب و روز اس دشت میں جلوہ افروز رہا جب پیر مرد باغ کو تشریف فرما ہوا جان عالم نے کوچ کیا چند مدت کے بعد ایک روز خیمہ لب دریائے شور ہوا شہزادہ معشوقان باہم سے تماشائے بحر زخار و نظارۂ امواج دار اور سیر دریائے ناپیدا کنار کی بالائی کا زد رہوا سے دریائے شور کا شور کیفیت لطمۂ و گرداب دیکھتا تھا۔ نظم

آب کیسا کہ بحر تھا زخار ٭ تند و امواج تیرہ و تہ دار ٭ موج کا ہر کنایہ طوفان ریز ٭ مارے چشمک حباب عمان ریز ٭
گذر موج جب نہ تب دیکھا ٭ ساحل اس کا خشک لب دیکھا ٭ ناگاہ ایک جہاز پر تکلف با نقش و نگار
بسیار صبا رفتار نمودار ہوا شاہزادہ سمجھا کوئی سوداگر کہیں جاتا ہے جب قریب آیا جہاز کو لنگر کیا ہو
ناخدا اور دولت پر شرف اندوز ہو کر عرض کرنے لگے ہم لوگ ملاح ہیں یہاں جو شاہ و شہریار رونق افروز ہوتے ہیں
ہم اُسے دریا کی سیر و شکار بحری جانور آبی دکھاتے ہیں موافق قدر قسمت میں جو ہوتا ہے انعام پاتے ہیں
یہ سنکر خواہش سیر دریا شہزادے کے سفینۂ دل میں موجزن و لنگر انداز ہوئی ملکہ سے کہا چلتی ہو اس نے عرض کی بندہ گرداب

غم تلاطم اندوہ والم سے ساحل فرحت وطرب کی ہمکناری میسر نہیں ہوئی آپ کو اور لہر آئی نیا ڈھکوسلا سوجھا
جانعالم نے کہا دریا کی سیر جی کو مسرور کرتی ہے خفقان دور کرتی ہے طبیعت بہل جاتی ہے کیفیت
نظر آتی ہے تم نے سنا نہیں قول سعدی۔ مصرع۔ بدریا در منافع بیشمار است ۔ دو چار گھڑی دل بہلا
چلے آئینگے ملاح محرم نہ رہ جائیں گے ملکہ مہر نگار نے متردد ہو کر کہا یہ سب سچ ہے جو کچھ آپ نے فرمایا
خفقان کیسا تمھارے دشمنوں کو تو مالیخولیا ہے میں نے بارہا انجمن آرا سے کہا ہے سو یہ مرض لا دوا ہے
پانی سے دونا ہوتا ہے اسکے سوا میرے دماغ میں بھی کیا خلل ہے میرا دوسرا مصرع پر عمل ہے
سعدی ۔ اگر خواہی سلامت بر کنار است ۔ شہزادے نے کہا خیر تم تو سڑی ہو تنہا جائینگے تم نہ چلو
بیٹھی رہو آرام کرو جدائی کی تاب محبت کے مبتلا کو کہاں ہے الفت کا یہی بڑا امتحان ہے چار ناچار
اُسی دم ملکہ مہر نگار اٹھی اور انجمن آرا مع چند خواص ہمراہ ہوئی جہاز پر پہونچے بادبان کھنچے پالیں
چڑھیں لنگر اٹھا مہر نگار مضطرب اور یہ شعر پڑھنے لگی۔ حافظ ۔ دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا ۔
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا ۔ لوگ مصروف تماشا بلکہ غریق بحر تفکر غوطہ زن گرداب تحیر بلا اندوہ
والم کی آشنا بار بار انجمن آرا سے کہتی تھی خدا خیر کرے دشمن نہ ایسی سیر کرے بے طرح موج الم سے گذتی
ہے خود بخود یانی دیکھ کر جان ڈرتی ہے اللہ حافظ و نگہبان ہے سراسر سامان بد نظر آتے ہیں کلیجہ خوف سے
لرزاں ہے القصہ چار گھڑی جہاز نے باد مراد پائی سیر دکھائی پھر آفت آئی ناخدا چلایا ملاح ہراساں
ہوئے شہزادے نے پوچھا کیا ہے عرض کی کہ طوفان عظیم الشان اٹھا ہے ابھی یہ ذکر تھا کہ ہوا عالمگیر
ہوئی جہاز تباہی میں آیا بادبان ٹوٹ گئے مستول گرا ملاحوں کے چھکے چھوٹ گئے سنبھالنے کا

تصویر دریا مع جہاز اور دونوں ملکہ کی مع خواصوں کے اور جہاز کا ڈوبنا



مقدور نہیں رہا آخرش تلاطم آب صدمۂ پیچ وتاب موج سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا کسی کو کسی کی خبر نہ ملی کون ڈوب گیا کون جیتا رہا ایک سے دوسرا جدا ہو گیا جان عالم تختے کے سہارے سے ڈوبتا ترتا چار دن میں کنارے لگا جب تکان پانی کی موقوف ہوئی غش سے آنکھ کھلی دیکھا کنارے کیا ہوں بلکہ گور کنارے لگ رہا ہوں بڑی جد و کد سے اترا آہستہ آہستہ بیٹھتا اٹھتا ایک طرف چلا ایک بستی میں پہونچا وہاں کے باشندے اُس کا چہرہ اور جمال اور یہ خراب حال دیکھ کر بہت گھبرائے قریب آئے کوئی بولا یہ پریزاد ہے مثل سرو آزاد ہے چمن حسن وخوبی کا شمشاد ہے کسی نے کہا ابھی تو دن ہے یہ از قسم جن ہے غرض کہ جن جن نے اُسے جن کہا تھا پاس آ کچھ خوف سا کھا اس طرح بولے اُستاد کون ہو کیا ہو سچ کہو حور ہو یا پری ہو تم۔ جانعالم نے دم سرد دل اندوہگیں سے بھر چشم تر کر اُن لوگوں سے کہا لا اعلم

جانے دارم چناں کہ دشمن خواہد … جانے دارم کہ فرقت تن خواہد
ناکامی خویش زا اگر شرح دہم … دشمن بجدا زندگی من خواہد

ایہا الناس میں گم کردہ کاروان جرس کی طرح نالاں ہوں دل گرفتہ نقش پائے یاران رفتہ ہوں حمق میں گرفتار ہوں بچھڑوں کا طالب دیدار ہوں غریب دیار بتیاب داغ نصیب بیگانہ آب مفارقت یاران چند سے خستہ وخراب حیران ہوش وحواس یک لخت زائل ضعف سد راہ ناطاقتی حائل یاروں کی صورت نظر آئی نہیں دیدۂ دیدار طلب میں بینائی نہیں نہ تاب رفتار نہ طاقت گفتار۔ مؤلف

بسان نقش پا بیٹھے جہاں واں سے نہ پھر سرکے … ٹھکانا پوچھتے ہو کیا بھلا ہم بے ٹھکانوں کا
بیاد دوستاں پہروں مجھے ہچکی لگ آتی ہے … کہیں مذکور جب ہوتا ہے کچھ گذرے فسانوں کا
علم سے آہ کے ثابت ہوئی غم کی ظفر ہم کو … کہ باعث فتح کا ہوتا ہے کھُل جانا نشانوں کا
چھوڑائے جر سے پیر فلک نے دوست سب میرے … مٹے گا داغ کب دل سے میران نوجوانوں کا
شرر منہ سے نکلتے ہیں سر دوردِ دل حزیں ہر دم … بھلا دیواں ہو کیونکر جمع ہم آتش بیانوں کا

اس حکایت جانسوز شکایت چرخ غم اندوز سے سب رونے لگے کہا یہ شہزادہ عالی تبار ہے الادل از دست دادہ محبوبوں سے دور فتادہ اس سبب سے دل افگار ہے منت وسماجت سے مکان پر لے گئے ہاتھ منھ دھلوایا کھانا پانی حاضر کیا جانعالم آب وطعام دیکھ کر رو دیا یہ کہا اُستاد

ہو خاک بھوک کی اُس فاقہ مست کو پھر جھانکھ … جو اپنا خونِ جگر روز ناشتہ سمجھے

خدا جانے میرے بچھڑوں کا کیا حال ہوا کسی کو دانہ پانی میسر آیا یا کچھ نہیں پایا میں بھی نہ کھاؤنگا بھوکا پیاسا مرجاؤنگا وہ بولے حضرت سلامت کھانے پانی سے انکار نادانی ہے اسی سے بشر کی زندگانی ہے جو جیتے ہو تو کسی روز بچھڑوں سے مل جاؤگے وگرنہ غربت کے مرجانے میں گور و کفن بھی نہ پاؤگے ناچار سب کے سمجھانے سے دو ایک نوالے بجبر حلق سے اُتارے پانی پیا ہاتھ پاؤں سنسنائے پیہم غش آئے جب طبیعت ٹھہری سب حال پُرملال جہاز کی تباہی کا بیان ہمراز کی جدائی اپنا ڈوبتے اچھلتے وہاں تک آنا اوروں کا پتہ نہ پانا بیان کرکے بقول مرزا حسین بیگ حنا یہ کہا

ہمرہان رفتند و ما ماندیم و دزدان در کمین
خانہ ملاح در چین است و کشتی در فرنگ

سب تاسف کرنے لگے ایک شخص نے کہا یہاں سے دو منزل ایک پہاڑ ہے کوہ مطلب بر آر نام ہے اُس پر جوگی کا مقام ہے مرد باکمال ہے شیریں مقال ہزاروں کوس سے حاجتمند انکے پاس جاتے ہیں سب کے مطلب بر آتے ہیں بسکہ اُس پر عنایت باری ہے چشمۂ فیض اُس سے جاری ہے مشہور ہے کہ آجتک کوئی شخص محروم ناکام اُس مقام سے نہیں پھرا یہ مژدہ سُن کر چہرے پر بشاشت چھاگئی گئی ہوئی جان اسی آن بدن میں آگئی گھبرا کر یہ شعر پڑھا

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اُسی دم چلنے کا عزم کیا وہ لوگ مانع ہوئے کہا ابھی چلنے کی طاقت آپ میں آئی نہیں پاؤں میں راہ چلنے کی تاب و تواں نہیں دو چار روز یہاں آرام کرو قوت آجائے تو مختار ہو غرضکہ جانعالم نے اُن لوگوں کے سمجھانے سے وہاں مقام کیا عجب پریشانی میں صبح کو شام کیا گرد وہ سب حلقہ زن یہ باندوہ معشوقان گرفتار رنج و محن کبھی تو محزون چپ رہتا گاہ مثل مجنوں خود بخود بکنے لگتا اور جب جو اس خمسہ درست ہوتے یہ خمسہ پڑھتا

ہر سو خبر الفت کی کیا آپ سے پہونچائی
آگے بھی مرے لب پر فریاد کبھی آئی
کیوں مجھ سے بگڑتا ہے او کافر ترسائی
تا داشت دلم طاقت بود دم بر شکیبائی
چوں کار بجان آمد نہ من پس من رسوائی

گاہے مرے لب پر ہے فریاد گہے افغاں
پیارے غم دوری سے میں سخت ہوں اب نالاں
یہ جائے ترحم ہے کر رحم ذرا جاناں
در زاویۂ الفت دور از تو چو مہجوراں
تنہا منم و آہے آہ از غم تنہائی

ہے دن کو تو یہ عالم ظالم ترے مجنوں پر
ہیں گرد کھڑے لڑکے جھولی میں بھرے پتھر
سونے کی کسے فرصت اے یار اسے باور کر
شبہا منم و اشک و زخوں ہمہ بالیں تر

عشق ایں ہنرم فرمود از عیب نہ فرمائی

اعضا شکنی گاہے گہ درد جگر دیکھو — رومال بھگوتا ہوں لاکھوں ہی کبھی رو رو
گردن زدنی ہوں میں شکوہ کروں تیرا گو — صد رنج ہمی بینم اے راحتِ جان از تو

از دیدہ تواں دیدن چیزیکہ تو بنمائی

تھا تاب و تحمل میں یکتا جگر خسرو — آئے گی تو نہ بہتے تھے سلکِ گہر خسرو
تم اب تو نوازش لو چل کر خبر خسرو — بس در کہ ہمی ریزد از چشم تر خسرو

کز دست برون رفتہ سر رشتۂ دانائی

آخرش وہ رات کی رات بہزار عقوبات تڑپ تڑپ کر سحر کی نماز صبح کے بعد پہاڑ کی راہ لی چار دن میں ناچار وہ راہ طے کی پہاڑ پر پہونچا سنگ سفید کا پہاڑ بہت آبدار مانند ہمت جوان صاف باطن بلند اور مثال طبع سخنوران فرح افزا و دل پسند دریائے فراخ گشادہ روش جوش نباتات دیبا چین دلالہ سے اور خروش مرغان خوش الحان سے رشک صد گلشن چشمہ ہائے سرد و شیریں جابجا فرہاد کی روح کا ٹھکیہ ہر قسم کا میوہ دار درخت قدرت حق سے اوگا پھولا پھلا پتھر ہر ایک معدن لعل پرند چرند صاحب حسن و جمال یہ سیر دیکھتا چلا ایک طرف درخت گنجان گھنے پختہ مزار بید اردلوں کے بنے اور منڈھی کا گنبد گردون بے ستون کا جواب بنا ترسول گڑا گیروے کی جھنڈی پھر پھر اڑتی کلمۂ شہادت بخط جلی لکھا جب اس کے نزدیک آیا دور دور تک مکان صاف صحن شفاف پایا مٹھ کے روبرو درخت کے تلے چبوترے کے اوپر ایک جوگی سوا سو برس کا سن و سال مگر ٹانٹھا کماں داڑھی ناف سے بڑی گرہ لگی جٹا ہر ایک راکھ سے بھری قدبوس ہو رہی پاؤں پر پڑی پلکیں دیدۂ حق بیں کا اسرار چھپانے کو چشم حاسد سے گزند بچانے کو مونچھوں سے لبیں جسم میں موج دریا کی طرح جھریاں پڑیں کمر میں کردھنی سوتی سی مہین بانکی عجب آن بان کی گیروے کا لنگوٹ ستر عورت کی اوٹ گلے میں محمودی کی کفنی حقہ چنگالی منہ سے لگائے افیونی کی شکل بنائے شیر کی کھال بچھائے بھبوت رمائے دید وادید سے بظاہر آنکھیں بند مگر دیدۂ دل کھلا خموشی پسند دل بولتا سوتا نہ جاگتا آسن مارے دنیا سے کنارے میٹھا میٹھ سے لگا تیر سا قد راست مثل کمان خمیدہ گویا چلہ کھینچ چکا ہے زنار آسا رگیں عیاں کھال سے ہڈیوں کے جوڑ شمع فانوس نمط نمایاں تسبیح سلیمانی ایمان کی نشانی ہاتھ میں ہر بھجو ہر بھجو تکیہ کلام بات بات میں قشقہ ٹیکا ماتھے پہ ہندوں کا سا اور سجدے کا گھٹا بد کامل کی صورت چمکتا زر دمشی بدن میں ذکر حق دل و دہن میں کہیں مصلے پر جپ

سجدہ گاہ رکھی کپڑے کی جانماز بچھی کسی جا پوتھی کھلی دھونی رمی دونوں سے راہ رکھی عجب رنگ کا انسان خلاصہ یہ کہ ہندو نہ مسلمان بقول مرزا سودا ؎

کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلا اے شیخ
تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھ کو

ایک طرف تکیے میں دو چار کیاریاں بیلے چمیلی کی بہار گلکاریاں کہیں مرشدوں کے ڈھیر گرد کی چھتری بزرگوں کے مزاروں پر مولسری درخت سایہ دار قطار قطار درختوں کی ٹہنیوں میں پنجرے لٹکتے باہم بحث کرتے اٹکتے فاختہ کی کوکو قمری کی حق سرہ کوکلہ کے دم سناٹے کا عالم کہیں مرگ چھالا بچھا شیر چوکی دیتا دھونی لگی لکڑ سلگتا کسی جا ببر کی کھال کا بستر آہوئے صحرائی اُس پر بیٹھا اور اساتو بنا بیٹھا دھر ایک سمت بھوانی کا مٹھ تلسی کا پیڑ ہرا بھرا گرد چشمہ پانی کا بھرا جائے دلچسپ مکان رعب دار گل خود رو کی جدا بہار ایک طرف بھنڈار جاری کڑھاؤ چڑھا موہن بھوگ بٹتا کہیں پلاؤ قلیے کی تیاری چھاندا بٹ رہا تھا کچھ مہنت بانکے کچھ مرید حال قال کے کوئی چلہ میں بیٹھا کوئی دنیا سے ہاتھ اٹھائے کھڑا کسی کے خرقہ و تاج میں کوئی چو اگن میں کہیں کتھا ہوتی کوئی وعظ کہہ رہا ایک طرف خنجری بجتی طنبورا چھڑتا بھجن ہوتے ایک سمت حلقہ مراقبے کا بندھا نوحہ پڑھ رہے لوگ روتے عجیب وہ گھر و مرشد عجیب یہ مرید چیلے روز ایک دو کو مونڈتا تیسرے چوتھے دن عرس میلے حاصل کلام یہ کہ وہ عجیب جلسہ تھا کہ دیکھا نہ سنا یہ اجتماع نقیضین آرام و چین سے شہزادے کے پاؤں کی آہٹ جو پائی مرد آگاہ دل روشن ضمیر نے پلک ہاتھ سے اٹھائی آنکھ ملائی دیدے لال لال چہرے پر رعب و جلال جان عالم کو بغور دیکھا اُس نے جھک کر بادب سلام کیا اُس خوش تقریر شیریں مقال نے کہا بھلا ہو بچہ بڑی مصیبت فلک نے دکھائی جو یہ صورت

تصویر پہاڑ اور مٹھ اور بھنڈارہ جوگی مع ترسول وغیرہ اور جان عالم کی



یہاں تک آئی آؤ بیٹھو گرو بھلا کرے مرشد کی دعا سے حق حاجت روا کرے ہم تمھارے امانت دار ہیں سواری کھڑی ہے چلنے کو تیار ہیں جانِ عالم متعجب ہو رہا تھا اور زیادہ حیران ہوا کہ یہ کیا اسرار ہے پاس جا بیٹھا جوگی اٹھا چشمہ میں نہایا گیروا چادر پھینک سفید اوڑھ عطر لگا جانِ عالم کے نزدیک آیہ نکتہ زبان پر لایا بابا ایک دن ذوق و شوق کے عالم میں ہمارے مرشد گرو نے تیرے حال سے خبر دی تھی کہ ایک شہزادہ کا جہاز تباہ ہو جائیگا وہ سراغ مطلب یہاں آئیگا اُس کا کام تجھ سے اور تیرا کام اُسکے سامنے پورا ہو جائیگا اس بات کے سننے سے شہزادہ کو نہایت مسرت ہوئی کہا جوگی جی تمھارے نام سے میری زندگی ہوئی وگرنہ دو چار دن میں گریبانِ صبر چاک ہو جاتا رِیک کر ہلاک ہو جاتا خوبصورتی کا بھی عجب مزا ہے جہاں اس کا شیدا ہے عالم کو مرغوب ہے طرحدار سب کا محبوب ہے پیر فقیر غریب امیر سب کو عزیز ہے اس کا خواہشمند ہر باتمیز ہے جوگی سمجھانے لگا کہ یہ اضطراب بیجا ہے دیر آید درست آید بابا دنیا کا یہ نقشہ ہے گاہ خوشی کبھی غم یہ دونوں امر باہم ہیں کبھی وصل کی شام کو دل کیسا بشاش ہوتا ہے کبھی ہجر کی صبح کو کلیجہ پاش پاش ہوتا ہے ایک شب لذت ہمکناری ہے ایک روز پہلو تہی گریہ و زاری ہے کبھی شب وصل کیا کیا اختلاط ہوتے ہیں گاہ فصل کے دن سر پیٹتے ہیں روتے ہیں آدمی جب رنج سے گھبرائے اور غم مفارقت دوست جان ہونٹوں پر لائے دل کو یہ تسکین دیکر سمجھائے۔ مصرعہ ؎

چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند ع درپس ہر گریہ آخر خندہ ایست مصحفی ؎

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گذر جائینگے دن		فصل گل جیتوں کو پھر اگلے برس آئے گی

جو وصل میں راحت و آرام پاتا ہے وہی ہجر کے دُکھ قلق اٹھاتا ہے تو نے ان دونوں بھائی جو توام پیدا ہوئے تھے اُن کا قصہ سنا نہیں کہ پہلے انھوں نے کیا کیا صعوبت اٹھائی پھر ایک نے سلطنت پائی دوسرے کے ہاتھ شہزادی آئی جان عالم نے کہا ارشاد ہو کیونکر ہے

قصہ برادران توام کا شکار کو جانا پھر شب کو اندھیرے میں دونوں جانوروں کا پھنس جانا ان کا کھانا ایک نے سلطنت پائی دوسرے پر خرابی آئی پھر شہزادی پاکر بھائی سے ملا

جوگی نے کہا ایک شہر میں دو بھائی تھے توام پرورش یافتہ ناز و نعم روزگار پیشہ نیک اندیشہ سوائے رشتہ برادری کے سررشتۂ دوستی باہم مستحکم تھا مگر دونوں کی طبیعت متوجہ سیر و شکار ہمت مصروف سیاحی دیار دیار تھی ایک روز شکار کھیلنے جنگل میں جاتے تھے ہرن سامنے آیا چھوٹے بھائی نے

تیر لگایا کاری نہ لگا ہرن کنوتیاں اٹھا بھاگا دونوں نے تعاقب کیا تمام دن واں واں افتاں وخیزاں چلے گئے قریب شام بڑے بھائی نے جو تیر مارا ہرن ڈگمگا کر گرا یہ گھوڑوں سے اترے ذبح کیا دن بھر کی دوڑ سے گھوڑے شل خود بھی مضمحل ہو گئے تھے تمام روز کے بے دانہ و آب بھوک پیاس سے بیتاب تھے لکڑیاں چن کر پانی بہم پہونچا یا کباب لگائے بخوبی تمام دونوں نے کھائے مگر اس روز جو کیفیت اور لذت خشک کباب میں پائی مرغ کی بریانی تر تراتی نے کبھی ایسی نہ دکھائی تھی پانی پیتے ہی سستی معلوم ہوئی رات بھی ہو گئی تھی لیکن شب ماہ پورنماشی کا چاند اللہ اللہ جنگل کی فضا سبزہ نورستہ جابجا انھوں نے کہا آج کی شب اس صحرا میں بحر کیجیے چاندنی کی بہار صنعت پرور دیکھ لیجیے پھر دل میں سوچے کہ تنہائی کی چاندنی گور کے اندھیرے سے بدتر ہے سچ ہے جب ماہرو بر میں اور نور نظر میں نہ ہو اندھیرا اجالا آنکھ میں برابر ہے شیخ ناسخ ؎

دھوپ بہتر پر شب فرقت کی بدتر چاندنی	صاعقے کے طورسے پڑتی ہے مجھ پر چاندنی

خیر یہ دونوں ایک درخت سایہ دار چشمے کے قریب دیکھ شطرنجی چاندنی گو ہمراہ نہ تھی زین پوش چاندنی کی عوض بچھا چاندنی کی سیر کرنے لگے باگ ڈور سے گھوڑے اٹکا دیے چھوٹا بھائی بڑا متین ذی شعور نکتہ سنج دوربین تھا بڑے بھائی نے کہا آج ہم تمھاری عقل کا امتحان کرتے ہیں بتاؤ تو اسوقت ہمارے شہر کا ہم سے کتنا فاصلہ ہے اور سمت کونسی ہے دوسرے کباب کی لذت پانے کا مزا آج بہت ملا اس کا سبب کیا تھا اس نے جواب دیا یہ باتیں سہل ہیں شہر ہمارا یہاں سے سو کوس ہے اور دلیل یہ کہ بارہا تجربہ کیا ہے میرا گھوڑا تمام دن میں سو کوس اسی چال سے پہونچتا ہے اور سمت بتاں رد سے ثابت ہے کہ شمال ہے رہا کھانے پانی کا لطف خلاف وقت سے تھا الآنیا مقدر یہ سنیے یقین کامل ہے کہ صبح کو عنایت خالق اور مدد طالع سے وہ سامان مہیا ہو جو کدورت سابق دور ہو آئندہ آسایش رہے طبیعت مسرور ہو بڑے بھائی نے اس کی وجہ پوچھی اس نے کہا آج سو کوس کی مسافت بصد آفت طے کی بھوکے پیاسے رہے لیکن دل بشاش ہے وہ سن کے چپ ہو رہا یہ قصہ رفت وگذشت پھر مشورہ ہوا کہ یہ ایک جنگل سنسان ہو کا مکان ہے یہاں درندہ گزندہ سانپ بچھو شیر بھیڑیئے کے سوا پرندہ درندہ نظر نہیں آتا جو ہم تم دونوں سو رہے خدا جانے کیا ہو تین پہر رات باقی ہے ڈیڑھ پہر ہم جاگیں پھر تم ہوشیار رہو یہ صلاح پسند خاطر طرفین ہوئی پہلے بڑے بھائی سونے

آرام کیا چھوٹے نے جاگنے کا سر انجام کیا تیر کمان ہاتھ میں اٹھا ٹہلنے لگا جب زلفِ لیلائے شب کمر تک آئی اسی درخت پر دو جانور آپس میں اپنی اپنی توصیف و تعریف زبان بے زبانی میں کرنے لگے اور یہ شخص بہت جانوروں کی بولی سمجھتا تھا آواز پر کان لگائے ایک بولا میرے گوشت میں یہ تاثیر ہے جو کھائے ایک لعل تو پہلے دوپہر کے بعد اُگلے پھر ہر مہینے میں منہ سے نکلے دوسرا بولا جو شخص میرا گوشت کھائے اُسی روز بادشاہ ہو جائے وہ یہ باتیں سمجھ دل میں نہایت خوش ہوا تیر و کمان تو موجود تھا الا اللہ کہہ کر تیر بے تامل چلّے سے جوڑ کر کھینچا

تصویر دونوں بھائیوں کی مع گھوڑوں کے اور ہرن کے کباب پکانا اور درخت کے جانوروں پر تیر لگانا



لبِ سوفار کان کے پاس آ بو عدۂ نشانہ سرگوشی کر کے روانہ ہوا قضا نے ہر چند اُن کے سر پہ خبردار پکارا کمان کڑکڑا کر چلّائی کہ وہ مارا رات کا تیر سراسری انکر لیس مگر مرگ جو درپے ہو گئی جان نہ بچی پیکان سے تا سوفار دوسار ہوا زمین پر چھد کر وہ دونوں ایک تیر میں گر پڑے اس نے تکبیر کہہ کر ذبح کیا طائر روح اُن کا اُڑ گیا دن کی لکڑیاں بچی سُلگا کباب لگائے جس کے گوشت میں سلطنت کا ذائقہ سمجھا تھا اُسے خود کھایا دوسرا بھائی کے واسطے اٹھا رکھا اور ایسا خوش ہوا کہ تمام شب آپ پاسبانی کی بڑے بھائی کو تکلیف نہ دی مگر معاملاتِ قضا و قدر سے مجبور بشر ہے

انسان کے قبضۂ قدرت میں نہ نفع ہے نہ ضرر ہے۔ مصرعہ تقدیر کند بندہ تقدیر زند خندہ شعر

آنچہ نصیب است بہم مے رسد		ور نہ ستانی بستم مے رسد	

جس وقت زاغ شب نے بیضہ ہائے انجم آشیانۂ مغرب میں چھپائے اور صیادان سحرخیز دام بر دوش آئے اور مرغ زریں جناح طلا بال عزت لعل قفس مشرق سے جلوہ افروز ہوا یعنی شب گذری روز ہوا بڑا بھائی اُٹھا چھوٹے نے وہ کباب پس ماندہ شب یعنی رات کے بچے ہوئے روبرو رکھے وہ نوش کر گیا اور کچھ حال نہ کہا دو گھڑی دن چڑھے جب لعل اُگلا تب سمجھا ہم نے بہت تدبیر کی مگر سلطنت بڑے بھائی کی قسمت میں تھی پھر وہ لعل بطریق نذر روبرو لایا اور رات کا فسانہ مفصل سب کہہ سنایا کہا اللہ کی عنایت سے جلد آپ کو سلطنت حصول ہو یہ نذر غلام کی قبول ہو اس کو اُس کی سعادتمندی سے خرسندی حاصل ہوئی پھر کہا سامنے آبادی معلوم ہوتی ہے ہم جا کر اس لعل کو کسی دلال کے ہاتھ بیچ آئیں تم گھوڑوں کے پاس رہو اگر اپنے شہر چل کر یہ امر کریں گے حاکم کا خوف مانع کار ہے وہاں ایسا کہاں اختیار رہے یہ کہہ کر اُدھر چلا جس دم شہر کے دروازے پر پہنچا خلقت کا انبوہ نظر پڑا اس ملک کا یہ معمول تھا جب وہاں کا بادشاہ دار السلطنت عدم کا تخت نشین ہوتا وضع و شریف شہر کے سوم کی رسم کے بعد وزیر اعظم کے ہمراہ صبحدم تخت لے ڈہلانے پر آتے جو اُس روز پہلے مسافر باہر سے آتا اُسے بادشاہ بناتے قضارا وہاں کا بادشاہ قضا کر گیا تھا لوگ تخت لیے منتظر تھے یہ داخل ہوا اُسے تخت پر بٹھا نذریں دیں نوبت و نشان جلوس کا سب سامان موجود تھا دھوم دھڑکے سے دیوان خاص میں داخل کیا منادی ہوئی بقول مشہور ان کی رہائی دہائی نزدیک و دور ہو گئی اس کو سرور سلطنت اور احکام مملکت کے باعث اُس دن بھائی کا خیال نہ آیا دوسرے روز جب تخت پر رونق افروز ہوا بھائی یاد آیا فوراً جاسوس ہرکارے درخت کا پتہ بتا روانہ کیے کہا اس صورت کا جوان اور گھوڑے وہاں ہیں جلد حضور میں حاضر کرو وہ سب دوپہر تک تمام جنگل کی خاک چھان حیران و پریشان پھر آئے غرضکہ تمام دشت میں پھر کر پانوں توڑنے نہ آدمی ملا نہ گھوڑے وہ کچھ رنجیدہ ہو سلطنت کے شغل میں مشغول ہوا بھائی بیچارے کو بھولے سے بھی کبھی یاد نہ کیا مگر وہ لعل جسے بیچنے کو لایا تھا جس کے بیعانے میں تخت و تاج میسر آیا تھا فال مبارک اور بے نشان بھائی کی نشانی سمجھا اور ہر روز دربار میں لاتا اور ملازموں کو دکھاتا وہ سب بہ خاطر

شاہ تعریف کرتے اس کو خوشی حاصل ہوتی

مذکور اُس گرفتار پنجۂ اجل کا جانور کا اُٹھا لیجانا کنوئیں میں گرانا قافلے کا آنا پھر بعلت لعل شہزادی تک پہونچنا اور بہ حیلۂ ایلچی بھائی کی ملاقات

صیادان طائر معانی ذی ہوش و دام داران بلبل خوش بیانی خانہ بدوش نے حال اُس منتظر زیر درخت کا یہ لکھا ہے کہ ہمہ تن چشم محو انتظار برادر فراموش کار تھا ناگہاں ایک جانور مہیب بدشکل عجیب آیا اور پنجہ میں داب کر اڑا گھوڑوں نے ڈر سے باگ ڈور توڑا کر جنگل کا راستہ لیا کود بھاگے اللہ کی قدرت دیکھے بڑا بھائی سلطنت کا مالک ہوا چھوٹا بیچارہ موذی کے چنگل میں پھنسا واللہ اعلم بالصواب وہ جانور وہاں سے کتنی دور اڑا آخر کار تھک کر ایک درخت کنوئیں کی جگت پر تھا اس پر جو بیٹھا یہ جھپٹ کر کنوئیں میں گرا چاہئے

فغان زین چرخ دولابی	کہ ہر روز	بجا ہے افگند ما ہے	دل افروز

تصویر جانور مہیب جو چھوٹے بھائی کو اڑا لے گیا اور وہ جھپٹ کر چاہ میں گرا



الا رسن حیات مضبوط تھی نہ گر نہ بچے کی پہونچی نہ چوٹ جھپٹ گرنے کی لگی یہ جرحسن ٥

کنواں وہ جو اندھا تھا	روشن ہوا	جوان اس میں وہ	سانپ کا من ہوا

وہ جانور تو اڑ گیا یہ بے پر کنوئیں میں پڑا رہا اتفاقاً اسی روز ایک قافلہ گم گشتہ راہ وہاں پہونچا آدمی پانی بھرنے کنوئیں پر آئے یہ رسی کے سہارے سے باہر آئے جس نے اس کا جمال دیکھا بے ساختہ پکارا ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم

کا شور برپا کیا دنیا کے عجیب معاملہ ہیں۔ شعر ؎

روزنے نگر کہ طوطی جانم سوئے لبش	بر بوئے پستہ آمد و بر شکر افتاد

جب لوگ حال پوچھنے لگے اس نے جیسا موقع دیکھا ویسا بیان کیا غرضکہ میر قافلہ کی خدمت میں رہنے لگا چندروز میں قافلہ منزل مقصد پر پہونچا اور مہینہ بھی تمام ہوا جوان نے دوسرا لعل گلا میں قافلہ نے لعل جو دیکھا تمام ملال بھولا با خود سوچا ایسی گراں بہا شے کا سہل سے لینا مشکل ہے مُباد افساد اُٹھے تدبیر شرط ہے جوان کو قید کر کوتوال پاس بھیجا کہا یہ میرا غلام ہے آج اس نے لعل چرایا کچھ ایسا وسوسۂ شیطانی دل میں آیا میں نے آپکی خدمت میں بھیجا ہے اسے سزا ملے تا لوگ ڈریں عبرت سے ایسی حرکت نہ کریں کوتوال نے قاضی سے مسئلہ پوچھا اس نے ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دیا مگر اس شہر کا یہ دستور تھا جب کسی شخص پر گناہ ثابت ہوتا تو مدعی اور مدعا علیہ بادشاہ کی بیٹی کے رو برو حاضر ہوتے اظہار حال کے بعد مرافعہ ثانی میں جو اسکی رائے معدلت پیرا میں آتا وہ ہوتا اسواسطے کہ بادشاہ حسن تھا بیٹی کے سوا اور کوئی تخت سلطنت کا وارث نہ تھا اللہ رے اُسکے جمال کا جلوہ اور حُسن کا غوغا پری کو ہزار جان اسکی پر واحور اسکی شیدا خلق اللہ اس پر سیاپر نثار آفت روزگار تھی حسن عالم فریب کے علاوہ طبع حلیم رائے سلیم نکتہ فہم دقیقہ رس اپنے عصر کی حکیم حقیقتاً قابل ریاست صاحب فراست تھی غنچۂ خاطر اس گل اندام یاسمین پیکر کا رونا دیدہ صبا دہن صدف مراد تمنائے قطرۂ نیساں میں بند کوچۂ عصمت عفت میں اس رنا سفتہ درج شہریاری کے وہم و فکر تاجداران دہر کا گذر نہ ہوا تھا اُس دم تک نا کتخدا تھی جس وقت وہ دونوں روبرو ہوئے پہلے شہزادی نے میر قافلہ سے پوچھا اُس نے جو کچھ کوتوال سے کہا تھا وہی بے کم و کاست پھر عرض کیا شہزادی بولی .سعدی ؎ باطل است انچہ مدعی گوید :: پھر جوان کی طرف مخاطب ہوئی کہ یہ زیست سے تنگ آمادۂ مرگ تھا بے تامل بولا شہزادی آپ روشن ضمیر ہیں ہم مصیبت زدوں کی طرح سلسلہ بے جرمی میں اسیر ہیں یہ شخص سچا ہے وہ تو عقیلہ تھی زیادہ شک ہوا دل سے کہا آجتک کسی چور نے حاکم کے روبرو بجز انکار دست بری دفعۃً اقرار دزدی کیا نہیں یہ بیگناہ ہے تقریر اس شاہد کی شاہد ہے خدا گواہ ہے کچھ اس میں بھید ہے قافلہ باشی سے فرمایا کل محکمہ میں حاضر ہونا جوان کو ڈیوڑھی پر قید کیا یہ تو حسین بلکہ مہر طلعت ماہ جبین تھا طالع کا ستارہ جو چمکا شہزادی کا میلان خاطر جوان کی جانب ہوا شب کو تنہا بدلداری تاسف استفسار حال فرمایا اسوقت جوان ناکردہ گناہ نے آہ سرد بھر مشروحاً از آغاز تا انجام عرض کیا شہزادی کا دل یہ نیا قصہ سنکر بمرتبۂ اتم

سرور ہوا چوری کا شک اس دزد دل کی جانب سے دور ہوا صبح کو بادشاہ کے حضور میں الا خود دست ادب باندھ کر عرض کی قبلۂ عالم و عالمیان کی عمر دراز ہو قیصر و فغفور کی اس در پر جبین بر نیاز ہو شہر کا قاضی اور کوتوال بے دریافت حقیقت حال حکم سزا بندہ ہائے خدا کو کرتا ہے و زجر اکی جواب ہی سے کوئی نہیں ڈرتا ہے غضب کی جا ہے عجب ماجرا ہے واجب التعزیر صاحب تقصیر کو لعل ملے بیگناہ کا ہاتھ کٹے بادشاہ نے پھر دونوں کی زبان سے حال سُنا اور بسبب کبر سن کے عقل کو زوال ہوتا ہے وہ دن سن کہ نسیان کمال ہوتا ہے ذہن نہ لڑا تامل کیا شاہزادی نے التماس کیا حضور یہ امتحان بہت آسان ہے ایک مہینہ اور اس جوان کو قید رکھیے اگر دوسرا لعل اگلا تو سچا ہے پھر ایسے در یتیم صدف راستی کو کیوں بے آب و تاب کیجیے آبرو لیجیے و گرنہ بماہ آیندہ یہ بدکردار کا سزاوار ہے ہاتھ کاٹنے سے کیا ہاتھ آئیگا بادشاہ کو درست جواب باصواب بیٹی کا بہت پسند آیا حاضرین نے تحسین و آفرین کی بادشاہ نے جوان کو اپنی آنکھوں کے سامنے نظر بند کیا میر قافلہ کو شہزادی نے محبس بھیجا قصہ کوتاہ وہ مہینہ بھی تمام ہوا اور راتے دنوں میں شعلۂ محبت مجمر سینے سے بھڑکنے لگا دم شہزادی کا پھر طے کنے لگا حال طشت از بام افتادہ ہوا جوان نے عرض کی کل لعل اگلونگا پھر صبح کو سر دربار روبرو حضار لعل بے بہا درج دہان سے نکالا سب کو حیرت شہزادی کو فرحت و مسرت حاصل ہوئی اسی دم مال و اسباب قافلہ باشی کا جوان کو ملا اُسے تشہیر کر کے شہر سے بدر کیا جوان کی صورت دل پذیر فصاحت تقریر پسند خاطر صغیر و کبیر تھی بایمائے شہزادی سب نے متفق اللفظ بادشاہ سے عرض کی کہ یہ شخص حضور کی عنایت کے لایق ہے تمنائے ملازمت رکھتا ہے۔ کفش برداری کا شائق ہے بادشاہ بھی اس کی راستبازی سے خوش تھا راضی ہوا سعدی ؎

راستی موجب رضائے خدا است
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

چند عرصے میں مقرب بارگاہ سلطانی مورد عنایات جہانبانی ہوا ہر مہینہ لعل اُگل حضور میں لانے لگا روز بروز ہمچشموں میں سرخروئی حاصل کر آبرو پانے لگا آخر کار بشورۂ ملازمان قدیم و تحریک حکما و ندیم بادشاہ نے اس گوہر مسلم سلک تاجداری کو برشتۂ عقد اس لعل بے بہا سے منعقد کیا یہ دونوں مشتاق بصد اشتیاق باہم لطف کے ساتھ بے اندیشہ و غم ایام گذاری بڑی دھوم دھام اور تیاری سے کرنے لگے مگر ہر روز بلاناغہ جوان بادشاہ کے حضور میں حاضر رہتا تھا ایکدن ایلچی اسکے بھائی کا کسی تقریب میں وارد ہوا اور جواہر کا ذکر نکلا ایلچی نے عرض کی کہ ہمارے بادشاہ کے پاس ایک لعل اس رنگ ڈھنگ سنگ کا ہے کہ آجتک

جوہری چرخ نے باوجود عینک مہر و ماہ و گردشِ شام و پگاہ سال و ماہ میں اسکے سنگ کا کیا پاسنگ کے برابر بھی نہیں دیکھا ہے یہ کلمہ سُنکر بادشاہ نے وہی لعل جو گنجینۂ سینہ بے کینہ جوان سے نکلے تھے دس بارہ ایلچی کو دکھائے وہ بھی جواہر شناس تھا سخت حیران تا دیر سر بہ گریبان رہا پھر عرض کی قبلۂ عالم عجب کی جا ہے کہ رنگ و روپ نقشہ اُن کا اس کا ایک سا ہے اتنا فرق مقرر ہے کہ وہاں ایک ہے یہاں ایک سے ایک بہتر و برتر ہے بادشاہ نے جوان کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میرا فرزند ہے ہر مہینہ ایک لعل تھوکتا ہے ایلچی نے جو غور سے دیکھا اپنے بادشاہ سے مشابہ کیا بعینہ پایا آخر رخصت ہوا جب اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس کا تو معمول تھا جب تخت پر آکر جلوہ گر ہوتا وہ لعل پیش نظر ہوتا ایلچی کو پھر وہ سانحہ یاد آیا عرض کی قبلۂ عالم اس لعل کو جدا کرتے نہیں ہے اسکے قدم مبارک تخت پر دھرتے نہیں ان دنوں خانہ زاد جس بادشاہ کے پاس گیا تھا نیا ماجرا دیکھا معدن جواہر اور لعل کی کان کہ وہ امکان نہیں لیکن وہ لعل کا پتلا زندہ اپنے پاس رکھتا ہے بادشاہ نے اُس کا حال مفصل پوچھا اُس نے سب بیان کیا کہ داماد اس شاہ خجستہ نہاد کا ہر مہینہ لعل اُگلتا ہے اور کیا گذارش کروں جیسی حضور کی صورت ملتی ہے حقیقی بھائی ایسے دکھائی نہیں دیئے یہ سُنتے ہی یقین ہوا کہ اب پتہ ملا مقرر وہ بھائی میرا ہے اسی وقت نامہ شوقیہ اُس کان گہر کے اشتیاق دید میں بادشاہ کو لکھا کہ برائے چندے اگر اُس فرزند ارجمند کو ادھر روانہ کرو محبت دیرینہ سے بعید نہ ہو ہمیں شوق دیدار از حد تحریر و اظہار افزوں ہے اور پوشیدہ خط تنہا بھائی کو رقم کیا کہ آجتک تیری مفارقت سے تخت شاہی بدتر از بوریائے گدائی تھا اب ایلچی سے یہ خبر فرحت اثر سُنکر دل کو سرور آنکھوں میں نور آیا لازم کہ بمجرد ورود رقیمۂ وداد ادھر کو روانہ ہو اور کچھ پتے حسب نسب کے سانحہ نگار تفصیل دار قلم بند کردیئے ایلچی سے فرمایا کہ نامہ علی روس الاشہاد بادشاہ کو اور یہ خط خفیہ اُس غیرت ماہ کو دینا قاصد صبادم صرصر قدم جلد تر اُس شہر میں وارد ہوا بادشاہ کو نامہ دیا اور خط پوشیدہ جوان کو حوالے کیا وہ مکتوب محبت دیکھ کر ایسا گھبرایا یہ لہو نے جوش کھایا کہ اسی دن رخصت کا ذکر بادشاہ سے لایا آخر وہ عاشق برادر معشوقہ روح پرور کو لے کر جہاز پر چڑھ روانہ ہوا راہ میں ایلچی سے شہر کا نقشہ راہ کا پتہ سب پوچھ لیا فرط شوق سے دن رات سرگرم رفتار تھا ساعت بھر کسی منزل کا مقام ناگوار تھا کہ جلد پہونچیں کہیں نہ ٹھہریں نیرنگ زمانہ کج سرشت بوقلموں کہ ہر دم و ہر ساعت دگرگوں ہے کیا

کہوں جب دس بارہ کوس وہ شہر رہا جہاز تباہ ہوگیا جسکی قضا تھی وہ تہہ آب گرداب ہا جسکی بقا تھی بہہ نکلا یہ قصہ جانگداز دور دراز پہونچا اسکے بھائی نے سنا فوراً ہزار سوار تیز رفتار دوڑائے کہ جس ڈوبتے اچھلتے کا پتہ پاؤ جلد حضور میں لے آؤ آخر کار بہزار جستجو و تگاپو شہزادی ہاتھ آئی انکی خبر نہ پائی اُسے بادشاہ پاس حاضر کیا جوان کے ڈوبنے کا حال کہدیا بادشاہ بحال تباہ گرداب فراق میں پھنسا شہزادی صف نشین ماتم بجہ لطمۂ اندوہ و غم میں الجھی جوان کا حال یہ ہوا کہ تختے کے سہارے سے بہتا بہتا پیاس کے صدمے بھوک کی موجیں سہتا سہتا کئی دن میں کنارے پر پہونچا فی الجملہ جب تاب و طاقت آئی پوچھتا پوچھتا اس شہر میں داخل ہوا بادشاہ کو خبر پہونچی روبرو بلایا بسبب طول ایام مہاجرت درازی زمانہ صعوبت نہ پہچانا۔ استاد

اتنی مدت میں ملا مجھسے وہ دھوکا دے کر	یاد ہی جب مجھے اس شوخ کی صورت نہ رہی

ہیئت تبدیل خوار و ذلیل تھا اس اختلاف کو دیکھیے یہاں صحرانوردی بھوک پیاس مصیبت وہاں حکمرانی و عیش و آرام و تخت سلطنت ناچار شہزادی کو طلب کیا اسے بھی تامل ہوا وہ شخص بولا پہر بھر کا عرصہ باقی ہے آج لعل اُگلنے کا دن ہے پھر تم سب پہچانوگے بادشاہ کو یقین ہوا کہا اگر یہ جھوٹا ہوتا ایک پہر کا وعدہ نہ کرتا شہزادی نے کہا تیری طبیعت کی جودت مشہور ہے ایک معمہ پوچھتی ہوں اگر بدیہہ جواب دیا تو بیشک شک رفع ہوا بھلا وہ کیا شے ہے جسے گبر و مسلمان و یہود و نصاریٰ سب انسان کا فرقہ آشکارا کھاتا ہے مگر جب اُس کا سر کاٹ ڈالو تو زہر ہوجائے کوئی نہ کھائے اور جو کھائے تو فوراً مرجائے جوان نے ہنس کر کہا شہزادی قسم ہے یہ کیا معمہ پوچھا ہے وہ بھڑک گئی دل کی بھڑک گئی وحشت مٹی بیباکانہ چلمن اٹھا پروانہ کی طرح اس شمع بزم فرقت کے گرد پھری بادشاہ متعجب ہوا کہ ہم تو کچھ نہ سمجھے شہزادی کیا سمجھ کر سامنے آئی جوان نے عرض کی کہ قبلہ وہ چیز قسم ہے تمام عالم کھاتا ہے سر اس کا قاف جب اسے کاٹو تو سم صاف ہے سم زہر کو کہتے ہیں کون کھاتا ہے کھانے والا مرجاتا ہے بادشاہ بنگر بغلگیر ہوا اسی نے لعل اگلا شادیانے بجے بچھڑے ملے اسی طرح جامع المتفرقین سب بچھڑوں کی دوری کا بکھیڑا مٹائے جو جس کا مشتاق ہو جس کی جدائی جسے شاق ہو نہ اسے مل جائے جوگی نے یہ قصہ تمام کرکے جانعالم سے کہا بابا شعر

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود	مرد باید کہ ہراساں نہ شود

جوئندہ پابند ہے یہاں سے منزل دوست قریب ہے سب کچھ معلوم ہے الا کہنا منع ہے دنیا مقام چپ رہنے کا ہے اتنا اس جگہ وقفہ کر میری زیست کا ساغر بادۂ اجل سے لبریز ہے سمند جان کو نفس سرد مہمیز ہے مجھے زمین کو سونپ

تشریف لیجانا اور چند وصیتیں کیں جانعالم نے کہا یہ رنج و قلق کس سے دیکھا جائیگا پتھر کا کلیجہ کہاں سے ہاتھ آئیگا کہ دوست غمخوار کو اپنے جیتے جی زیر خاک کیجے اُسکے ماتم میں گریبان صبر چاک کیجیے یہ کہکر رونے لگا گریبان تا دامان بارش اشک سے بھگونے لگا جوگی اسکی محبت کا بروگی ہوا کہا افسوس دم واپسیں کا عرصہ بہت کم دم نہیں مار سکتے ہم و گرنہ تیرے ہمراہ شریک درد و غم ہوتا بھلا آخری فقیری کا ایک لٹکا سیکھ لے سائیں چاہے تو کہیں اٹکا نہ رہیگا قبر میں لیجا کر کیا کرونگا پھر چند کلمے وہ بتائے کہ جس صورت کا دھیان لائے فورًا ہو جائے یہ مقدمہ بتا ہر ہر گرو کا نام لیا پھر کلمہ جو پڑھا دنیا سے چل بسا دم نکل گیا جوگی مسافر عدم بیکنٹھ باشی رم گیا جانعالم کا روتے روتے دم گیا بیتابانہ نعرۂ الفراق مارے مرید چیلے جمع ہو کر گرد گرد یا ہادی کہہ کر بہت پکارے بولتا نکل گیا جوگی نے صدا نہ دی منزل مقصد کی راہ لی شہزادے نے بموجب وصیت غسل دیا کفنایا قبر میں اتارتے وقت کچھ نہ پایا برابر کفن پھاڑ دیا آدھا چیلوں نے جلایا نصف مریدوں نے مڑھی میں گاڑ دیا ہندوؤں نے راکھ پر چھتری بنائی مسلمانوں نے قبر بنا کے سبز چادر اُڑھائی وہ تنت منتر اسبہ و مصلے خرقہ و جبہ اسکے منظور نظر کو دے جانشین کیا مرید چیلوں کا ہاتھ اُسکے ہاتھ میں دیا اُسے ایک لولہ آیا از سر نو اُن سب کو یہ تلقین کیا کہ سنو بچا گو جوگی ظاہر میں آنکھوں سے نہاں ہے مگر مرشد کامل کا جلوہ سائیں کا ظہور ہر برگ و بار بوٹے پتے گل و خار بلکہ در مسجد و دیوار کنشت سے دیدۂ دوربیں میں عیاں ہے عارف کا یہ کلام ہے سعدی ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار		ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار	

دیدۂ بینا گوش شنوا اس رمز کو درکار ہے ہر کونے میں اسی کا جھگڑا ہے نمونۂ قدرت نشان وحدت دنیا کا نقش و نگار ہے بلبل کے پردے میں ترانہ سنجی ہوتی ہے قمری کی کو کو گویا کی جان کھوتی ہے اسکے ذکر میں سرگرم ہے جسکی زبان و منقار ہے کسی کو حرم محترم میں نامحرم رکھا بھٹکایا کسی کو بیت الصنم میں بلاکر جلوہ دکھایا کعبے کا دھوکا دیر کا بہانہ ہے دوڑا کر تھکانا ہے اور جسے سن تیتا کو رہبر کر کے ڈھونڈھا اُسنے گھر بیٹھے پایا ہے امیر خسرو ؎

جن ڈھونڈھا تن پائیاں گہرے پانی پیٹھ		میں بوری ڈوبن ڈری رہی کنارے بیٹھ

دنیا کا معاملہ مذہب و ملت کا جھگڑا اچھا وہ بُرا پر زبان دے سو ہے حق بیشک دانا ہر آن موجود ہے رنج میں دل کو خوش الم میں طبیعت کو شاد رکھو وحدہٗ لاشریک کے نزدیک شرکت کرنے والا مشرک حماقت شعار ہے مسلم کو رستگار جانو مرید یار سمجھکر مانو مرشد کی ذات گرو کی صفات ہر جلسے میں یاد رکھو بود و نابود کا غم نہ ہو

اور احباب کا دل کہ حباب سے نازک تر ہے خدا کا گھر ہے آشفتہ و برہم نہ ہوا اللہ بس باقی ہوس یہ کہہ کر قصہ مختصر کیا بے خبروں کو باخبر کیا جب اس صحبت سے جانعالم کو فرصت ملی چلنے کا سرانجام کیا اُس جانشین مہنت نے روکا اور دو چار دن خاطر سے مقام کیا پھر جس طرف جوگی نے بتایا تھا چل نکلا پہاڑ سے جس دم آگے بڑھا دریا ملا ہر چند ڈھونڈھا نا وُ بیڑے کا تھل بیڑا نہ لگا مگر ایک لعل درخشاں بروئے آب رواں سامنے آیا قریب اسکے دوسرا نظر پڑا اسی طرح تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے بہت لعل بہتے دیکھے تازہ فکر ہوئی کہ اس حال کو کیونکر دریافت کیجیے کنارے کنارے سیر دیکھتا چلا دو کوس جب راہ طے کی عمارات عالیشان دیکھی اس چشمے کو اُس کے اندر سے رواں پایا دروازہ اور در کی بہت تلاش کی تا اندر جانے کا باب مفتوح ہو نہ ہوا سوائے دیوار و در نہ تھا اسوقت بلبل بن کر دیوار پر جا بیٹھا مکان رفیع الشان باغ بھی بہار کا مگر سنسان انسان نہ حیوان فقط ایک بنگلہ نہایت نقش و نگار کا وہ نہر اسی بنگلہ کے اندر سے جاری تھی چمن خالی اور باد بہاری تھی آدمی یا جانور ناطق و مطلق نہ تھا باغ میں اتر صورت قدیم بد لگر بنگلے میں آیا منقش و مطلا سجا سجایا پایا لیکن طرفہ حال یہ دیکھا ایک پلنگ زمرد کے پایوں کا بچھا ہے اسپر کوئی دوشالہ تانے سوتا ہے برابر یاقوت کی تپائی پر پھولوں کا دستہ آدھا سرخ نصف سفید رکھا ہے جانعالم نے قدم بڑھا دوشالہ سرکایا وہ تن پری پیکر بے سر نظر آیا حسرت سے کہا کہ کس ظالم ستم شعار بے رحم جفا کار نے اس مہر دفتر خوبی سراسر دلبری و محبوبی کا سر کاٹا ہے بحیرت ہر طرف دیکھتا تھا چھت پر آنکھ پڑی چھینکا بندھا سر بھی دھرا دیکھا سر کے نیچے نہر جاری ہے جو خون کا قطرہ اس حلق بریدہ سے پانی میں گرتا ہے اللہ کی قدرت کاملہ سے وہ لعل ہو کر ترتا ہے اس نے کہا سبحان اللہ مقرر یہ سحر کا کارخانہ ہے قریب جاکر غور سے دیکھا انجمن آرا کا چہرہ تھا پہچانتے ہی سر و تن کا ہوش نہ رہا چاہا کہ سر سے سر ٹکرا کر ہمسر ہو کسی کو خبر ہو بسکہ تجربہ کار ہو چکا تھا سوچا مرنا ہر وقت ممکن ہے پہلے حال مفصل معلوم کر لو کہیں حوض کا سا دھوکا نہ ہو ہر چند غواص عقل رسا محیط فکر میں غوطہ زن و آشنا ہوا مگر گوہر مقصد صدف مراد سے ہاتھ نہ لگا معاملہ سے نا آشنا رہا شام نزدیک ہوئی تند ہوا چلی شور و غل مچا یہ سمجھا اب کسی دیو یا ساحر کی آمد ہے چھپا چاہیے سر گلدستہ گلبن محبت کے روبرو بھونرا بن کر بیٹھ رہا دفعتہً دیو آ پہونچا قوی ہیکل زبون شمائل مگر وحشی سا ہر رحمت بو سونگھنے لگا پھر اسی گلدستہ سے سفید پھول توڑا اُس نازنین پیکر کو سونگھایا سر اُچھل کر بدن سے ملا انجمن آرا اُٹھ بیٹھی دیو نے میوہ تر و خشک دربرو رکھا مگر پریشان ہر سو متحیر نگراں

شہزادی نے کہا خیر ہے اُس نے کہا آج غیر انسان کی بو آتی ہے خوف سے جان جاتی ہے وہ کہنے لگی ہمیں آجتک جانور کی پرچھائیں نہ نظر آئی تو نے آدمی کی بو پائی طرفہ خبط ہے یہ جملہ بے ربط ہے غرضکہ صبح تک مذکور ہر شہر و دیار عجائبات روزگار کا بیان رہا دم سحر اسی دستے سے سرخ پھول اُس خون آشام نے توڑ کر اس لالہ فام کو سونگھایا سر تو چھینکے پر سربلند ہوا تن نے پلنگ پر آرام فرمایا دیو

تصویر ایک مکان نفیس پلنگ پر انجمن آرا دوشالہ اوڑھے بے سر پڑی اور سر چھینکے پر



دوشالہ اُڑھا راہی ہوا جانعالم نے چار گھڑی بجبر صبر کیا پھر اپنی صورت اصلی بنکر وہی سفید پھول توڑ کر سونگھایا انجمن آرا بدستور اول اٹھی شہزادہ چیخ مار کر لپٹ گیا دونوں مہجور اس زور و شور سے روئے کہ تمام باغ ہل گیا زمین و آسمان ہل گیا جانعالم اپنے مصائب وہانتک آنیکا حال فرقت کا درد و ملال کہنے نہ پایا تھا کہ انجمن آرا نے کہا اہلِ علم

تجھ بن مری اوقات جو اکثر گذری	وہ حالتِ نزع سے بھی بد تر گذری
تو تو کہے سر گذشت اپنی ظالم	میں کس سے کہوں جو کچھ کہ مجھ پر گذری

یہ کہہ کر پھر دونوں چلا چلا آہ و بکا سے رونے لگے دنیا کے معاملے میں ہمیشہ سے کسی کی عقل نہیں لڑی شکست ہوئی ہے۔ شعر بیک لحظہ بیک ساعتے بیکدم ÷ دگرگوں می شود احوال عالم۔ مؤلف سے

اک وضع پر نہیں ہے زمانے کا طور آہ	معلوم ہو گیا ہمیں لیل و نہار سے

ہر عقدۂ لاینحل ناگزیر کے واسطے ناخن تدبیر خلق نہیں کیا ہے اور جہاں میں جہاں تدبیر کا دخل ہوا ہے تقدیر کے حوالے کر دیا ہے اکثر جس بات میں عقل عاجز آتی ہے وہی طرفۃ العین میں ہو جاتی ہے ناگہاں ایک

سفید دیو زبردست زور کے نشہ سے سرشار مست بڑا طاقت دار رستم کا یادگار اُدھر سے گذرا نالۂ حزیں
صدائے غمگین کان میں آئی بسکہ بایں زور وطاقت خداداد وہ دیو نیک نہاد رحم دل غم رسیدوں کے
رنج کا شامل تھا گریہ وزاری سُنکر دل کو بیقراری ہوئی سمجھا کوئی انسان نالاں ہے مگر اس صحرائے پُرخار
وادی ہمہ تن آزار میں آدمی کا ہونا محال ہے اگر ہے تو حقیقت میں مبتلائے الم اسیر پنجۂ ستم خراب دل ہے
یہ سوچ کر باغ میں آیا یہاں روتے روتے دونوں کو غش آگیا تھا دیو ڈھونڈھتا ہوا بنگلے میں آیا دیکھا
مہر و ماہ گردش سپہر بے مہر سے برج زمردین میں بے ہوش ہیں چہرے کے رنگ اُڑے ہوئے سکتہ کی حالت
میں ہم آغوش ہیں روئے یار آئینہ دار درمیان ہے فلک بر سر امتحان ہے سمجھا مدت کے بعد دونوں
کا مقابلہ ہوا ہے اس سے کسوف خسوف کا رنگ ڈھنگ پیدا ہے سر بالیں بیماران محبت بیٹھکر
نہرے پانی لیا دونوں کے منہ پر چھڑکا آنکھیں کھولیں ہوش و حواس درست ہوئے دیکھا کہ
ایک دیو سرہانے موجود ہے دیو سفید نے اٹھ کر سلام کیا تسلی کا کلام کیا کہا تشویش نہ فرمائیے بندہ
دوستدار جان نثار ہے پہلے جانعالم اٹھ کر بغلگیر ہوا وہ حال پوچھنے لگا بسکہ شہزادۂ جانعالم لسان
و خوش بیان تھا اپنی رام کہانی چرب زبانی سے کہہ سنائی دیو ماجرائے سرگذشتہ سنکر بیقرار اشکبار ہوا
عرض کی اب بدلجمعی تمام آرام کیجیے اب وہ قرمساق آئے تو عمل بد کی سزا پائے جانعالم بشدت لگاوٹ باز
تھا اُس سے بھائی چارہ کیا صیغۂ اخوت پڑھا وہ بیچارہ بندۂ بے دام حلقہ بگوش غلام ہوا وہاں سے اٹھکر
باغ کی سیر کرتے تھے کہ وہ جفا کار بھی آپہونچا یہاں اور رنگ دیکھا کہ شہزادی آدمی زاد کے ہمراہ پھرتی ہے
سفید دیو کا ہاتھ میں ہاتھ ہے مصاحبت کرتا ساتھ ہے جلکر جانعالم پر جھپٹا دیو سفید نے بجلدی تمام
اُس نطفۂ حرام کا ہاتھ پکڑا وہ کافر اسی رحم دل سے لپٹا باہم کشتی ہونے لگی یہ کشمکش ہوئی کہ زمین جابجا
شق ہوئی الغرض بمدد مددگار و قوت پروردگار سفید دیو نے زمین سے لنگر اکھاڑ سر سے اونچا کیا زمین پر ٹپک
چھاتی پر چڑھ بیٹھا جانعالم قریب آیا زور وطاقت کی تعریف کرنے لگا کہا کیا جناب باری نے تجھ
مددگار بیکساں کی یاری کی جو ایسے مردود پر ایک دم میں تجھے فتح وظفر حاصل ہوئی اگر ناگوار طبع
نہ ہو میں بھی ایک وار کر دوں وہ بولا بسم اللہ شہزادے نے ایک ہاتھ شانے پر دھر دوسرے
سے گردن اُس سرکش کی مضبوط پکڑ دھڑ سے کھینچ کر زمین پر دھم سے پھینک دی
دیو سفید یہ طاقت دیکھ کر سفید ہوگیا شہزادے کا چہرہ سرخ ہوا وہ زرد رو بے دین

جانعالم اور دیو کی لڑائی اور دیو سفید کی مدد سے دیو کو پچھاڑنا



اسفل السافلین کو پہونچا اس عرصہ میں سفید دیو کے ملازم حاضر ہوئے دعوت کی تیاری ضیافت کی اضافت لگی ایک ہفتہ اکل و شرب گانا ناچ رہا آٹھویں روز اس ماہ دو ہفتہ یعنی انجمن آرا نے رنج جدائی ملکہ مہر نگار مردمان لشکر کا لب دریا انتظار بیان کر کے کہا بخدا مفارقت ملکہ میں خواب و خور حرام ہے تمھارے بار احسان سے دب کر کبھی ہنسی لب پر آگئی وگرنہ دور شراب و کباب خون دل لخت جگر تھا ہر گلاس برادۂ الماس تھا فقط تمھارا پاس تھا اس نے عرض کی میرے آدمی جائیں پتہ لگائیں انجمن آرا نے کہا اپنے تجسس میں زیادہ مزا ہے اپنا کام آپ خوب ہوتا ہے ناچار رخصت ہو کر چلے اور آنے جانے کے باہم وعدہ ہائے مستحکم ہو گئے مگر ہر دم ملکہ کا خیال ہر گام دلیر فرقت کا ملال تھا کہ خدا جانے ڈوب گئی یا ہماری طرح کسی آفت میں پھنسی کبھی دو کوس کبھی چار کوس بہزار دقت چلتے دو تین دن میں پاؤں سوج گئے چھالے پڑے قدم اٹھانیکے لالے پڑے دشت سفر سخت نازک مسافر کالے کوس مالوے کی طرح کاٹے انجمن آرا جھلا کر بولی تیرے

کب تھا یہ شور نوحہ تیرا عشق جب نہ تھا
دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرا نہ تھا

آپکی بدولت یہ ذلت و رسوائی پیادہ پائی صحرا نوردی عزیزوں کی جدائی نظر آئی آفت اٹھائی۔ میر سوز نے

چھوڑ کر مجھ سے میرے خانماں کو
خدا جانے چلا ہے اب کہاں کو

شہزادہ ہنسکر چپ ہو رہا پھر وہ عمل جو جوگی سے سیکھا تھا انجمن آرا کو بتایا دونوں نے طوطے کی ہیئت بنائی اور توکلت علی اللہ کہہ کر نظر بخدا ایک سمت سرگرم پرواز ہوئے پھر دو پہر اڑنا پھر کسی درخت پر بسیرا خیمہ نہ ڈیرا اس روپ میں قاصد ہوئے سابق مصاحب انسان تھے اب ہمنشیں طیر

ہوئے روز نیا پانی نیا دانہ نت نیا آشیانہ کبھی بستی گاہ ویرانہ کسی کو اگر ہنستے دیکھ لیا تو رو دیا یاد کر کے اپنا زمانہ اور اکثر یہ شعر پڑھ دینا الاعلم ؎ شب عشرت غنیمت دان و داد خوش دلی بستاں ٭ کہ در عالم کسے احوال فردا را نمیداند

مذکور ملکہ مہر نگار تختے پر بہتے جانا بادشاہ کا جہاز پر سیر کرتے ہوئے آنا رحم کھا کر جہاز پر منگانا شہر میں داخل ہو کر مکان دینا پھر طوطے کا اڑ کر پہونچنا اور نامہ لیکر روانہ ہونا

اے جنون تو دل شوریدہ کی امداد کو آ
چین دنیا میں نہیں عشق کے بیماروں کو
تا لکھوں حال میں اک اور ستم دیدہ کا
نت نیا رنج فلک دیتا ہے بیچاروں کو

بار فرقت کبھی معشوق جو دھر جاتے ہیں
زیست بے لطف گذر جاتی ہے بیچاروں کی
جیتے جی دب کے یہ اس بوجھ سے مرجاتے ہیں
کیا کہانی میں کہوں تم سے دل افگاروں کی

نگارندۂ حال غریق شط فرقت و کشتی شکستہ لجۂ محبت بادبان گسستہ صرصر دوری و لنگر بریدۂ کار و مجبوری طوفان رسیدۂ کنار کامیابی ندیدہ یعنی ملکہ مہر نگار خامۂ جگر افگار یوں رقم کرتا ہے کہ جب جہاز تباہ ہوا تھا یہ بھی ایک تختے کے ٹکڑے پر دل ٹکڑے ٹکڑے ڈوبتی ترتی چلی جاتی تھی ادھر سے کوئی بادشاہ عالیجاہ جہاز پر سوار سیر دیکھتا آتا تھا دور سے تختہ بہتا دیکھا جب قریب تر آیا آدمی اس پر نظر آیا خوف خدا سے جلد پنسوئی کو دوڑایا جہاز پر منگوایا ملکہ کو تلاطم آب نے بیتاب کیا تھا او جانعالم و انجمن آرا کے صدمۂ جدائی سے جی ڈوب گیا تھا یعنی غش تھا لیکن صورت رعنا چہرۂ زیبا میں فرق نہ ہوا تھا بادشاہ بیک نگاہ دلدادہ و شیدا ہو گیا جلد جلد عطر سونگھایا بازو باندھا اور تدبیریں کیں دو تین گھڑی میں غش سے آنکھ کھلی دیکھا کہ نہنگ اجل کے منہ سے تو بچی آفت لطمۂ و لجۂ سے بر کنار جہاز پر سوار ہوں مگر شخص غیر سے دوچار ہوں شرم سے سر جھکا لیا تمام جسم میں پسینہ آیا بادشاہ نے پوچھا اسم شریف گو باعث حجاب بولنا گوارا نہ تھا لیکن بے جواب دیے چارہ نہ تھا آہستہ سے کہا محروم و ناکام آفت کی مبتلا ذلیل و خوار فلک دلریے آزار برآلام جگر خون دل شکستہ و محزون کشتی تباہ گم کردہ راہ ناخدا گم فتادۂ تلاطم اسکی فصاحت و بلاغت چہرے کی شان و شوکت سے ثابت ہوا کہ یہ شہزادی ہے اور کلام دردناک نے گریبان صبر و طاقت چاک کیا بادشاہ رو دیا پھر خاصہ طلب کیا ملکہ نے انکار کیا اُس نے بہت اصرار کیا لجاجت سے کہا آپ کھانا نوش فرمائیں وطن کا پتہ بتائیں جب تاب و توانائی تم میں آئے گی وہاں بھجوا دیں گے ملکہ نے کہا ہم جن کے دامن دولت سے الجھے تھے وہ گرد راہ کی صورت خار صحرا کی طرح جھاڑ اس دریائے ناپید اکنار

میں ڈوبے خدا جانے کیا ہوئے کدھر گئے جیتے ہیں یا مر گئے اگر سوئے عدم ہیں وانہ کردو بکھیڑا چھٹے غم والم سے نجات ملے بڑا احسان ہو اس نے کہا۔ مؤلف ؎

تم سلامت رہو زمانے میں	ایسی باتیں زبان سے نہ کہو

غرضکہ مجبوراً کچھ کھایا دو چار دن میں طاقت گونہ آئی اور جہاز دارالسلطنت میں پہونچا ملکہ کے واسطے مکان عالیشان خالی ہوا لونڈیاں پیش خدمت آتون محلدار جو کہ قرینہ شاہ اور شہریاروں کا ہوتا ہے اور جس طرح شہزادیاں رہتی ہیں سب سامان مہیا کر دیا ایک روز بادشاہ آیا کہنے لگا تم اپنا حسب ونسب چھپاتی ہو مگر ہمیں معلوم ہوا کہ تم شہزادی ہو ہمارے تمھارے ملاقات اس حیلے سے بدی تھی امیدوار ہوں بہ خوشی مجھے اپنے فرمانبرداروں میں قبول فرماؤ ملکہ نے کہا میں نے تمام عمر سلطنت کا نام نہیں سنا الا آپ کو خالق نے بادشاہ کیا ہے انصاف شرط فرمانروائی ہے میں ظلم رسیدہ آفت کشیدہ فلک کی ستائی ہوں خدا جانے کون ہوں اور کس طرح یہانتک آئی ہوں بقول استاد ؎

دیکھتے آنکھوں کے کیا کیا لوگ اٹھے پیش چشم	ہوں لب حیرت بدندان رنگ دنیا دیکھکر

اگر بیگناہ کا خون گردن پر لینا گوارا ہے تو مختار ہے مجھے کیا چارہ ہے اور جو میری خوشی منظور ہے تو برس روز کی مہلت دے اس عرصے میں اگر کوئی ڈوبا ترا میرے وارثوں کا پتا ملا کوئی سوا جیتا پھرا تو خیر نہیں میں تیرے قبضۂ اختیار میں ہوں جبر کرنا کیا ضرور ہے عدالت سے دور ہے بادشاہ نے لیں سوچا آجتک ایسے غریق ابھرتے نہیں وہاں کے گئے پھر ادہر قدم دھرتے نہیں اتنے دنوں کی فرصت دو حکومت نہ کرو آنکھ بند کرنے میں سال تمام ہو جائے گا پھر کون ساحیلہ پیش آئیگا کہا بہت خوب لیکن جو تمھیں ناگوار نہ ہو تو جی چاہتا ہے گاہ گاہ آنے کو تمھارے دیکھ جانے کو ملکہ نے یہ امر مغتنم جانا کہ حاکم ومحکوم کا فرق سب کو معلوم ہے اب یہ انداز ٹھہرا پانچویں چھٹے روز پہلے خواجہ سرا اطلاع کرتا پھر بادشاہ قدم دھرتا دو چار گھڑی نشست ہوتی ہر شہر و دیار کا تازہ اخبار بیان کر اٹھ جاتا یہاں سے دو کلمے یہ سنیئے مسبب الاسباب کی کارسازی کے سامان دیکھئے وہ محل جو ملکہ کو ملا تھا اسمیں مختصر سا پائیں باغ بہت کیفیت کا تھا طرح طرح کے میوہ دار درخت باغ و بہار یک لخت نئے نئے رنگ ڈھنگ کے وہ گل بوٹے جو باد خزاں سے جھڑے نہ ٹوٹے پھل قصد سے منہ میں آجائے ہاتھ بڑھانیکی بار نہ آئے روشیں لوٹ کی صوت کی سالم آب رواں میں پری کا عالم بھدے نہ بدقوارے سڈول سانچے کے ڈھلے نازک

بک فوارے کیاریاں بچیدار اُنہیں آبشار پختہ ہر ایک کیاری سراسر گلکاری چمن بندی قطعدار جابجا چبوترے معقول گل پیادہ و سوار پُر بہار جو کو رعرض وطول باغبانیاں خوبصورت نوجوان تکلف کے سامان طلائی نقرئی کھرپیاں مرصع کار بیلچے ہاتھوں میں غمزہ چال میں ادا دیکھ بھال میں لگاوٹ باتوں میں کسی طرف کنوئیں کی جگت پر کیلے والے لال بریخ وملال ہو رہا کوئی کچھ اکھاڑتی کوئی توڑتی کوئی گرا ہوا پھول پتی پھل اٹھاتی گھاس کھرپی سے چھیل ڈالتی کوئی ٹوٹا جھڑا پتا گرا پڑا کانٹا کیاری سے نکالتی سرِ شاخ ہر گل رعنا بلبلوں کا غنچہ سرو و شمشاد پر جوبن صدائے قمری طوق در گردن ایک طرف طاؤس کا رقص پر ناز ہر ایک خوش آواز باغ کے گرد ملبب جھیل غنچوں کا چٹکنا کوس رحیل کہیں لالہ پیالہ در دست کسی جگہ نرگس شہلا باچشم مست تاک انگور پر میخواروں کی تاک عنبر بیز صحن گلشن کی خاک ملکہ گہ و گاہ شام و بیگاہ رفع پریشانی و دفع سرگردانی کو وہاں آنظارہ صحبت گل و بلبل سے رشک کھا بصد حسرت یہ غزل پڑھتی میر سوز ؎

وہ دن خدا کرے کہ خدا بھی جہاں نہ ہو
بس ہوں صنم ہو اور کوئی درمیاں نہ ہو

گل ہو شگفتہ خاطر و گلزار خندہ رو
باد صبا بھی ہووے ولے باغباں نہ ہو

گلشن ہو اور یار دل آرام اور ہیں
اپنا ہو قصہ غیر کی کچھ داستاں نہ ہو

کبھی پیچ و تاب زلف اور گیسوئے معنبر کی پریشان حالی جعد سنبل کو دکھاتی گاہ سیاہی داغ جگر لالے کی لالی سے لڑاتی غنچۂ افسردہ سے جو کچھ دل گرفتگی کی تسکین ہوتی تو گل کی ہنسی پہ پھوٹ پھوٹ کر خوب روتی اور اس غزل سے دل کو سمجھاتی ۔ مؤلف ؎

جل جھبے اس طرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو
گل خندہ زن ہیں چہچہے کرتی ہیں عندلیب
بہکے ہو یار وہ یہ جرس کارواں نہ ہو
لینا بجائے فاتحہ تربت پہ نام یار
مجنوں کی بن پڑیگی اگر سارباں نہ ہو

اللہ ری بےحسی کہ جو دریا میں غرق ہوں
پھولی ہوئی چمن میں کہیں زعفراں نہ ہو
ہستی عدم سے ہوگی وحشت کی اک شلنگ
مرنے پہ یہ خیال ہے وہ بدگماں نہ ہو
چالوں سے چرخ کی یہ مرا عزم ہے سرورا

لازم ہے سوز عشق کا شعلہ عیاں نہ ہو
تالاب کی طرح کبھی پانی رواں نہ ہو
بھاگو یہاں سے یہ دل نالاں کی ہے صدا
اے زلف یار پاؤں کی تو بیڑیاں نہ ہو
ناقہ چلا ہے نجد میں لیلیٰ کا بے مہار
اس زمیں پہ جاؤں جہاں آسماں نہ ہو

گاہ لب کسی سرو کے پاس یاد قامت جاناں عالم میں مثل فاختہ کو کو کرتی دل بیتاب کو تڑپا کر لہو کرتی غور کرو دنیا میں کسی چیز کو قرار نہیں اس کا سب کارخانہ پیدا ہے کہ پائدار نہیں کبھی تو روز روشن ہے گاہ اندھیری رات ہے یہ کائنات کی کائنات بے ثبات ہے گلشن میں اگر بہار ہے تو خزاں درپئے آزار ہے بلبل کو

ہزار چھپے یا دیں پر باغباں آشیاں اُجاڑنے کی فکر میں ہے دام لیے لاکھ صیاد ہیں نوش کے ساتھ گزندِ نیش ہے کوئی دل شاد کسی کا سینہ ریش ہے عاشق ازل سے غم کا مبتلا ہے مثل مشہور ہے کہ معشوق کی ذات بیوفا ہے اور جو کبھی کسی قسمت کے زبردست کو وفادار ہاتھ آتا ہے تو سردست کسی نہ کسی پیچ سے فلک تفرقہ پسند رشک کھا چھوڑتا ہے اسی بہانے پر لوگ جان دیتے ہیں جی بیچ کر یہ روگ مول لیتے ہیں یہ نہیں معلوم القلیل کالمعدوم یہ جملہ تو معترضہ تھا پھر وہی قصہ شروع ہوا ایک روز فرح اندوز ملکہ بدستور قدیم بے یار و ندیم باغ میں گئی شاہزادے کی صحبت کا خیال انجمن آرا کی گرمجوشی کا ملال تنہائی میں اپنا خراب حال دیکھ کر یہ شعر مؤلف کا پڑھا مؤلف ؎

اک انقلاب چرخ سے افسوس دیکھنا	وہ صحبتیں رہیں نہ تو وہ ہمنشیں رہے

پھر ایسا روئی کہ ہچکی لگی شام کا وقت تھا جانور درختوں پر بسیرا لیتے تھے جس درخت کے تلے ملکہ کھڑی تھی ایک طوطا اُس پر آبیٹھا گریہ و زاری اس غم کی ماری کی دیکھ کر بیچین ہوا پوچھا شاہزادی حال کیا ہے کونسا صدمہ ایسا جانکاہ ہے جو بطرح لب پر نالہ و آہ ہے ملکہ نے کہا سبحان اللہ قسمت کی گردش سے یہ حال بہم پہونچا کہ جانور مجھ پر رحم کھاتے ہیں حال پوچھنے کو اڑ کر آتے ہیں زیادہ بیقرار و اشکبار و سوگوار ہوئی یہ قاعدہ کلیہ ہے جب کسی دل شکستہ کی کوئی دلداری کرتا ہے بندھی بات ہے دل امنڈا آتا ہے ملکہ نے بے اختیار ہو کر کہا آصف الدولہ ؎

جو دو شخص خنداں بہم دیکھتے ہیں	فلک کی طرف روکے ہم دیکھتے ہیں

اے جانور خوش بیان سخن سنج مہربان کیا بتاؤں گھر بار سے جدا بیکسی میں مبتلا ہوں بسان آئینہ حیران مثل زلف سیہ بخت پریشان نے کی طرح نالاں مورد صد اندوہ بلا ہوں ۔ شعر ؎

بے کسی سوخت کسے می خواہم	نفسے ہم نفسے می خواہم

شام تیرہ بختی کی سیاہی میں بیقرار صبح قیامت کی صورت دامن چاک گریباں تار تار ۔ شعر ؎

کس کو اب یہ فلک طاقت رسوائی ہے	کاش شق ہو وے زمین اور سما جاؤں میں

دل میں الم سے خار غیر جنس کے دام میں گرفتار سخت مجبور و ناچار ہوں طائر رنگ پریدہ ہزاروں جور و ستم میں جریدہ رُوئے راحت کو دے آشیاں ندیدہ شب فرقت کے اندھیرے میں سوجھتا نہیں خونبار رہوں ۔ ناسخ ؎

صبح سے کرتے ہیں معمار مرے گھر کو سفید	شام سے کرتی ہے فرقت کی شب تار سیاہ

طوطے نے کہا مجھے تم سے بوئے محبت آتی ہے تمہاری باتوں سے چھاتی پھٹی جاتی ہے برائے خدا اپنے راز سربستہ سے

مجھے آگاہ کرو للہ جلد مفصل حال کہو ملکہ نے قصۂ عشق جانعالم انجمن آرا کا آنا وزیرزادے کی بُرائی جادوگرنی کی کج ادائی جہاز کی تباہی اپنا وہاں آنا اور انکا پتہ نہ پانا جانعالم کا چھٹ جانا سب بیان کرکے کہا وہ شاہ گردوں بارگاہ ہمیں منجدھار میں ڈوبتا چھوڑ اپنا بیڑا پار لگا منھ موڑ خدا جانے کیا ہوا ہم ہیں اور رنج تنہائی میں بیتابی انیس ہے پریشانی میں ہمدم خانہ ویرانی جلیس ہے جو دم ہے دم شمشیر ہے سانس ناوک کا تیر ہے طوطا یہ باتیں سنکر زمین پر گر پڑا پر نوچنے لگا ملکہ مہر نگار گھبرائی کہ یہ کیا ماجرا ہوا افسوس سے

	دیکھ کر مجھ کو وہ حاضر ہوا مرجانے کو		وہی غمخوار جو یاں بیٹھا تھا سمجھانے کو

گھڑی بھر میں جب طوطا سنبھلا بولا کہ اے ملکہ مہر نگار میں وہی طوطا کمبخت جفا شعار ہوں جسنے اُس رشک قمر کو دلبر کیا مجھ سے انجمن آرا کا ذکر سن کر آوارہ ہوا تھا باقی حال تو آپنے سنا ہوگا پھر تو ملکہ اُسے گود میں اٹھا یہاں تک روئی کہ بیہوش ہوگئی شہزادے کے یہاں کی باغبانیاں دوڑیں خدمتگزاریں جھپٹیں کہ آج ملکہ پر کیا حادثہ پڑا جب دونوں کے ہوش وحواس درست ہوئے طوطے نے کہا آپ دل کو تسکین دیں خاطر مبارک جمع رکھیں جانعالم اور انجمن آرا دونوں خیریت سے زندہ ہیں میں نے یہ مقدمہ نجوم سے دریافت کیا تھا بالاتفاق سب اس پر ہیں کہ رنج مفارقت کے سوا جان کی خیر ہے سب آملینگے اب مجھے رخصت کرو صبح کو خدا جانے کس وقت بیدار ہو ملکہ نے کہا واہ بعد مدت کے محرم راز ملا وہ بھی اتنا جلد چلا فلک بر سر کجی ہے بے لطف زندگی ہے دیکھیں یہ بُرے دن کب جاتے ہیں اور اچھے کیونکر آتے ہیں

اُستاد سے ایک عالم کو آزما دیکھا :: جس کو دیکھا سو بے وفا دیکھا :: حال بد کا شریک دنیا میں :: نہ برادر نہ آشنا دیکھا :: کیوں دلا ہم نہ تجھ سے کہتے تھے :: جی لگانے کا کچھ مزا دیکھا :: سچ ہے دنیا مریض خانہ ہے :: رنج میں سب کو مبتلا دیکھا :: کیف میں کم بہت نوازش ہے :: عشق خوباں میں جو نشہ دیکھا :: آخرش رات

کی رات طوطا رہا صبح کو رخصت ہوا چلتے وقت ملکہ نے تھوڑا حال اپنا پرچہ پر تحریر کردیا کہا جہاں شہزادے سے ملاقات ہو یہ خط نشانی دے کر جو کچھ دیکھا ہے زبانی بیان کرنا وہ رقیمۂ شوق لے کر راہی ہوا شہر بہ شہر خستہ جگر ڈھونڈھتا پھرتا تھا ایک روز قریب شام بادل ناکام تھک کر لب چشمہ کچھ درخت تھے اُن پر بیٹھ کر سیل سرشک چشم پُرنم سے بہاتا تھا اسی دن جانعالم اور انجمن آرا طوطے کی صورت بنائے اسی درخت پر آبیٹھے یہ طوطا ہمجنس سمجھ دیکھنے لگا وہ دونوں مضطرب الحال ایک ٹہنی پر بیٹھ رہے طوطا سمجھا کہ یہ منقار بستہ میری طرح سے دل خستہ ہیں پھر رونے لگا انجمن آرا نے کہا جانعالم دیکھنا یہ طوطا روتا ہے

شائد ہماری صورت مصیبت دیدہ مصائب کشیدہ ہے طوطا باتیں تو سمجھتا تھا پھر بیٹھا اور بولا خدائے کریم تمھیں وہ رنج نہ دے عدو بھی تمھارا یہ ستم نہ دیکھے مجھے وہ غم ہے اور دل پر ایسا الم ہے کہ ہر دم یہ دعا ہے دشمن کا دشمن یہ صدمۂ جانکاہ اور ایسے روز سیاہ نہ دیکھے میرے سوز سے جو دم لیتا ہوں تو شعلۂ جگر کا جی جلاتا ہے ؞ جو چپ رہتا ہوں تو اندر ہی اندر جان کھاتا ہے ؞ جو کچھ احوال کہتا ہوں تو سننے والے روتے ہیں ؞ نہیں کہتا ہوں تو کوہ الم سینہ دباتا ہے ؞ جو جنگل میں نکل جاتا ہوں تو سب دشت پھنکتا ہے ؞ کبھی جو شہر میں آتا ہوں تو گھر بھول جاتا ہے ؞ پہاڑوں میں اگر پھرتا ہوں ٹکڑے ہو کے اڑتے ہیں ؞ جو دریا پر کبھی جاتا ہوں سر پہ خاک اڑاتا ہے ؞ مجمع رنج و محن غریق شط خفت ہمہ تن ہوں محسن میرا خانماں آوارہ ہوا یہ ندامت ہے مفارقت اسکی ظلم ہے قیامت ہے اُس کے ورائے تازہ حال یہ دیکھا ہے کہ ایک عاشق صادق اپنے معشوق سے جُدا غیر جنسوں میں اسیر بلا ہے اسکے ناوک آہ سے چھاتی سوا خدا ہے سنان نالہ کلیجہ کے پار ہے اگر گریہ زاری یا تڑپ اور بیقراری اسکی بیان کروں پتھر پانی ہو کر بہہ جائے سیماب کی چھاتی خجلت سے پارہ پارہ ہو راہ چلتے انجان کو رحم آئے جانعالم یہ سنکر پھر بیٹھا کہا وہ کون تھا جو سرگشتہ و آوارہ دشت و بار ہوا اور وہ کون ہے جو ناجنسوں میں گرفتار ہوا طوطے نے انکی داستان گذشتہ اور ملکہ کا حال بیان کیا انجمن آرا ملکہ کا نام سنکر شگفتہ خاطر ہوئی دونوں نے صورت بدلی طوطا پہچان کر پانؤں پر گر پڑا شہزادہ گلے سے لگا کر خوب رویا

جانعالم اور انجمن آرا کا زیر درخت صورت اصلی پر آنا اور طوطے کا پانؤں پر گرنا



کہاں اے ہمدم تم سے جو ہم جدا ہوئے کس کس رنج و مصیبت میں مبتلا ہوئے دشت بدشت کوہ بکوہ خراب و خستہ دربدر محتاج پھرے تم اس دن کے گئے آج پھرے پھر ملکہ کا حال پوچھا اُس نے خط حوالے کیا پہلے انجمن آرا نے آنکھوں سے لگایا دل نے قرار پایا مضمون اضطراب بدحواسی کا مطلب سرنامے سے کھلا کہ جانعالم کی جگہ ملکہ اور ملکہ مہر نگار کی جا رقیمۂ شوق جانعالم لکھ دیا تھا اس انتشار کو سوچ شہزادے کے ہوش گم ہوئے بسکہ نامۂ شوقیہ پیچ و تاب دل اور اشتیاق ملاقات میں تحریر تھا جانعالم جب کھولتا تھا اثر شوق ہم آغوشی سے ہر بار خط شوقیہ ہاتھ میں لپٹا جاتا تھا مضمون مکرر سو سو حسن طلب دکھاتا تھا مؤلف

نامۂ شوقیہ جب میں نے رقم اُس کو کیا	سو جگہ مضمون تب اُس میں مکرر ہو گیا

آنسو دم تحریر یعنی لکھنے کے وقت جو خط پر ٹپکے تھے دھبے اور نشان اسکے دیدۂ منتظر چشم حیرت زدہ کیطرح ہر سطر سے کھلے تھے اور رخ ہالہ ہر حرف نے نکالا تھا ایک جدول خونی ہوا تھی ہونے کی کیفیت پیدا تھی لکھا تھا حافظ

از خون دل نوشتم نزدیک دوست نامہ	إِنِّی رَأَیْتُ دَهْراً مِنْ هِجْرِكَ الْقِیَامَه
سواد دیدہ حل کردم نوشتم نامہ سوئے تو	کہ تا ہنگام خواندن چشم من افتد بروئے تو

شعر

اے یار وفادار صادق الاقرار اللہ تجھے سلامت رکھے شرح اشتیاق داستان فراق قصۂ طول و طویل ہے زندگی کا بکھیڑا قلیل ہے اگر ہماری زیست منظور ہے جلد آؤ صورت دکھاؤ نہیں تو تاسف کروگے پچھتاؤگے تم نے آنے میں اگر دیر کی تو ہم نے صدمۂ ہجر سے تڑپ کر جان دی مٹی کے ڈھیر پر رو رو خاک اُڑاؤگے بمؤلف

شکل اپنی ہم کو دکھلا دو خدا کے واسطے	جان جاتی ہے ابھی آؤ خدا کے واسطے

کوئی دم کا دم سینے میں مہمان ہے نام کو جسم میں جان ہے فلک نے ہماری صحبت کا رشک کھایا ہے تفرقہ پردازی ظالم کو چین نہ آیا روز و شب رنج جدائی سے جان کھوتے ہیں اتنا کبھی کاہے کو کسی دن ہنسے تھے جیسا اب بلک بلک کر فرقت کی راتوں میں روتے ہیں بیتابی دل کسے سنائیں :: دیدۂ تر کسے دکھائیں :: تمہاری تقریر ہر دم بر زبان ہے بے تصور سے باتیں کیے چین کہاں ہے استاد

یہ جانتے تو نہ باتوں کی تجھ سے خو کرتے	ترے خیال سے پہروں ہی گفتگو کرتے

ہمارے تڑپنے سے ہمسایہ سخت تنگ ہے دل تسرا زندان سے تیرہ و تنگ ہے بس ترسے گر یونہی رہیگی بیقراری :: تو ہوچکی زندگی ہماری :: وحشت پیرامون حال ہے ہر گھڑی فرقت کی مار ہے جو پہر ہے وہ سال ہے تیرہ دل کوئی دم میں خون ہوئیگا :: آج کل میں جنون ہوئے گا :: تمہاری صورت ہر پل رُوبرو ہے جسطرف

دیکھا تو ہی تو ہے چشم فرقت دیدہ دریا بار ہے آنکھ نہیں چشمۂ آبشار ہے جن آنکھوں کو تم پرنم نہ دیکھ سکتے تھے اُن سے خون کے دریا بہہ گئے۔ مؤلف ؎

تم نے نہ ہماری پر خبر لی	چھاتی پتھر کی کیوں جی کر لی

دن رات کی وہ صحبت تمہارے ساتھ کی جب یاد آتی ہے نیند اچٹتی ہے بےچینی کی رات پہاڑ ہو جاتی ہے کاٹے نہیں کٹتی ہے چارپائی تنہائی میں پلنگ بنکر کاٹے کھاتی ہے خواب میں نیند کا خیال کھانا پانی ہجر میں حرام ہے حلال نہیں وہ سر جو اکثر آپ کے زانو پر رہا ہے اس کو سو سو بار بالش و بالیں پر سے پٹکا۔ مؤلف

جس میں باہیں تری حمائل تھیں	طوق حسرت میں اب وہ گردن ہے

میرے جاگنے کے لئے پیارے ستارے شاہد ہیں گواہ شرعی زاہد ہیں مرغ سحر کو بیقراری سے چونکاتی ہوں مؤذن کی نیند آہ و زاری سے اُڑاتی ہوں شب وصل یہ ہمیں جگاتے تھے اب ہجر کی رات ہم انہیں سونے نہیں دیتے من مانتے بدلے لیتے ہیں دل ہر ساعت گھڑی سے زیادہ نالاں ہے ہر پہر گجر سے فزوں شور و فغاں ہے چشم اختر معائنہ حال زار سے بحیرت وا ہے چرخ گرداں میری گردش دیکھ کر چکر کر رہا ہے۔ استاد ؎

کھا لیجئے تھوڑا زہر منگا ہم اور کہیں تم اور کہیں	کیا لطف ہے ایسے جینے کا ہم اور کہیں تم اور کہیں

افشائے حال باعث ندامت موجب دشمنوں کی خوشی کا سبب دوستوں کے ملال کا ہے۔ لا اعلم ؎ دل من داند و من دانم و داند دل من ؛؛ اگر جیتے جی مل جاویں گے رنج فرقت کے دکھڑے مفصل زبانی کہہ سنائیں گے اور جو فلک کو یہی منظور ہے تو انسان مجبور ہے اس حسرت کو بھی در گور لیجائینگے۔ سعدی ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ؛؛ بخدا نماز پنجگانہ میں دعا ہے جامع المتفرقین سے یہی التجا ہے کہ تم سے جلد ملاقات ہو جائے جان زار دل بیقرار کو چین آئے زیادہ ملاقات کا اشتیاق ہے اشتیاق اور جدائی کا صدمہ جانکاہ بخت شاق ہے شاق خوگر وصل ہجر کے الم کا مبتدی ہے نہ شاق
یہ خط کا مضمون جو پڑھا دونوں نے رو دیا اور سر نو مع سرنامہ سراسر وہ نامہ بھگو دیا اس رات کو تو چار و ناچار وہاں مقام کیا صبح ہوتے ہی صورت بدلی کوچ کا سرانجام کیا آگے آگے طوطا رہبر پیچھے پیچھے وہ دونوں تیز بر

پہونچنا جانعالم اور انجمن آرا کا معہ طوطے ملکہ مہر نگار کے پاس پھر ملاقات ہدیگر فوج بھیجنا وہاں کے بادشاہ کا لوگوں کا ملجانا بادشاہ کا آنا پھر اسکی گرفتاری اور جانعالم کی سیر چشمی

پلا دے تو ساقی مے لالہ فام	ہوا چاہتا ہے یہ قصہ تمام	وہ مے دے کہ ہو دور دل سے الم
کہ ہوتے ہیں معشوق و عاشق بہم	جدائی کے ایام طے ہو چکے	شب ہجر میں خوب سا رو چکے

بہلاؤں کوئی دم بہلا چہچہے | کہ رنج جدائی بہت سے سہے
کہ ہے رنج کے بعد راحت ضرور | مثل ہے یہ مشہور اے ذی شعور

محرران حال طالب و مطلوب و حاکیان حکایات خوب لکھتے ہیں کہ وہ پرندۂ بھولا ہوا شوق یعنی جان عالم خستہ جگر غمگین آزار طوطے کے ساتھ آٹھویں روز ملکہ کے پاس پہونچا یہاں جس دن سے طوطا رخصت ہوا تھا ملکہ مہر نگار دونوں وقت بلاناغہ اُس درخت کے تلے جہاں طوطا ملا تھا اگر یہ کمتی تھی بیر تو نہ مانند جرس پھٹ گئی چھاتی تو فغاں سے بفریاد کو پہونچا نہ کوئی راہ داں سے بلا شرح ایک روز موافق معمول دل ملول قریب شام درخت کے نیچے حزین و زار طوطے کے انتظار میں کھڑی تھی اور آنکھ ٹہنی سے لڑی تھی اور دیدۂ خونبار سے تا دامن یاقوت رمّانی رواں تھی جب دل سوختہ گھبراتا تو آہ سوزدار و دل مثل دخان لب پر آتی جی بہلانے کو یہ غزل پڑھتی۔ مؤلف

آتش فرقت سے سینہ جب سے مجمر ہو گیا | پھنک کے لخت دل مرا ہر ایک اخگر ہو گیا
باعث افشائے ذلت دم نہ مارا میں نے آہ | دامنِ زیر آسمان کیا کیا نہ بجھ پر ہو گیا
تیغ یک تو آمد جاناں کا کھینچا انتظار | وہ نہ آیا وعدہ اپنا یاں برابر ہو گیا
کیا ڈراتا ہے ہمیں واعظ سُنا شور نشور | شام فرقت یاں عذاب روز محشر ہو گیا
اب جو ہنستا ہوں تو ہنستے ہنستے بھی گرتے ہیں اشک | روتے روتے آخرش رونے کا خوگر ہو گیا
فکر پھر کس کو ہے دیواں جمع کرنے کی سرور | اپنا جب مجموعۂ خاطر ہی ابتر ہو گیا

دفعتاً طوطے سلام کیا وہ خوش ہو کر بولی اے قاصد نیک صدا و ہُدہُد شہر سبا میرے سلیمان حسن و خوبی کا پتہ پایا اس بلقیس محبوبی کا سُراغ ہاتھ آیا طوطے نے کہا اے ملکہ عالم قدردان خبر داروں کو خلعت و انعام دیتے ہیں جب دوست کا پیغام پوچھتے ہیں علی الخصوص یہ خبر فرحت اثر پہلے ارشاد ہو کہ اگر یہ بتاؤنگا اسکی اجرت کیا پاؤنگا یہ سُن کے ملکہ کی جان رفتہ بدن میں آئی یقین ہوا اس نے خبر پائی یہ کہا استاد

پیغام دوست جلد تو پیغا بر سُنا | گھبرا کے دم ہی جائے نہ میرا کہیں الٹ

طوطا عرض کرنے لگا حضور کا فرمانا بجا ہے مگر ایسی بات کا جلد کہنا حمق کا مقتضا ہے۔ استاد

دفعتاً خوگر فرقت کو نہ دے مژدۂ وصل | خبر خوش نہیں اچھی جو یکا یک ہو وے

حکایات طول کر دیتا تھا کبھی خوش گاہ ملول کر دیتا تھا ملکہ بیچین ہوئی جاتی تھی ادھر شہزادے سے یا وہ اُلجھن سے گھبراتی تھی غرض نہ رہ سکی صورت بدلی جان عالم مجسم ہو کر سامنے آیا آپس میں معشوق و عاشق وعاشق و معشوق

تصویر انجمن آرا و جان عالم اور ملکہ مہر نگار کی باہم ملاقات ہونا



گلے مل کر روئے غبار کلفت پارینہ داغ مہاجرت دیرینہ دل کھول کر صفحۂ سینہ سے دھوئے رونے کی آواز سے مغلانیاں خواصیں جمع ہوئیں جنکی آنکھ ان دونوں پر پڑی دوڑ کر صدقے ہوئی اور پانوں پر گر پڑی جل جلالہ حسن خوب سے کوئی چیز زیادہ دلکش و محبوب نہیں دوست تو دوست ہے دشمن غش کر جاتا ہے لڑکا ہو یا بوڑھا شیدا نظر آتا ہے مال تو کیا مال ہے سوت کی آنٹی بھی اگر پاس ہو تو انٹی ماری سے خریدار بن جاتا ہے جان عزیز نہیں حرمت کچھ چیز نہیں غلام کی غلامی پر آقا فخر کرتا ہے جان تازہ پاتا ہے جو کوئی کہتا ہے کہ یہ اس پر مرتا ہے عیاذاً باللہ یہ امر محمود نہیں اسمیں غیر ضرر کچھ سود نہیں غرضکہ خرم و خنداں بارہ دری میں آئے انجمن آرا سے ملکہ نے حال پوچھا اس نے دیو کا اٹھا لیجانا باغ کی بے سروپائی پھر جانعالم کی رسائی اور سفید دیو کا آنا باہم کی لڑائی آفت سے چھوٹ آنا اپنی پیادہ پائی صحرانوردی ہوا گرم پانوں کا ورم پھر وہ عمل جوگی کا بتایا ہوا شہزادے کا سکھانا طوطے سے درخت پر مل جانا سنا دیا پھر اس نے جانعالم سے سرگذشت پوچھی اپنی صعوبت کہی گذشتہ کا حال میں ذکر کرے جو کچھ دھیان بندھا پھر سب رونے لگے طوطا بدمزہ ہوا کہا صاحبو اب یہ قصہ بکھیڑا دور کرد ہنسی خوشی کا مذکور کرو یاد رکھو یہ بات گذشتہ را صلوات۔ مصحفی ؎

جز حسرت و افسوس نہیں ہاتھ کچھ آتا	ایام گذشتہ کو کبھی یاد نہ کیجیے

ملکہ بولی اے شیریں مقال مبارک قدم خجستہ فال شہزادہ سا عقل کا دشمن دیکھا نہ سنا تو نے

معلوم ہم کو دل کو سلوکوں سے یہ ہوا	ناداں ہے جو دوست وہ دشمن ہے جاں کا

اس نے جتنی محنت و مشقت اٹھائی اپنی بدعقلی کی سزا پائی بھلا عالم تنہائی میں جو کچھ کیا سو کیا دو تین بار ایسا ساتھ ہم دونوں کو خراب آفت کا مبتلا کر چکا ہے آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے یہ کہہ کر روبروئے دشمنان بند دوست بادل خرسند باہم بیٹھے اور دور ساغر بے دغدغہ فلک تفرقہ پسند و سفلہ پرور شروع ہوا مطرب نے سازکی ناسازی پر گوشمالی دی صدائے عیش و طرب بلند ہوئی یہ خبر بارہ دری میں مشتہر ہوئی اور وہاں کے بادشاہ کو پہونچی کہ ایک مرد صاحب جمال دوسری عورت پری تمثال ملکہ کے پاس تازہ وارد ہوے کہنے لگا الحمد للہ ایک موجود تھی دو اور آئے پھر دو ہزار سوار جرار اور دو سپہ سالار تجربہ کار نگہبانی کو بھیجے جانعالم نے ماجرا سنا کہا فضل الٰہی چاہئے بعد مدت یہ صحبت بہم گر میسر ہے صبح سمجھ لیں گے سوار تو باغ گھیرے رہے یہ تمام شب جلسے کئے گئے جس وقت خسرو خاور آرام گاہ مشرق سے برآمد ہو کر جلوہ گر تخت زنگاری ہوا اور سپہ سالار انجم معہ سواران سیارہ کو مغرب کی طرف فراری ہوا جانعالم حمام سے غسل کرکے نکلا اُس لوح سے اسم تسخیر پڑھتا باغ کے دروازے پر آیا جس کی نگاہ پڑی اسم کی برکت سے آداب بجا لایا دست بستہ روبرو آیا وہ دو ہزار سوار معہ سپہ سالار فرمانبردار ہوئے پھر تو دروازہ بکشادہ پیشانی کھولا یہ خبر وحشت اثر اس بادشاہ کو پہونچی اور سوار پیادے لڑائی کے آمادے بھیجے وہ بھی جب سامنے آئے حلقۂ غلامی کان میں ڈالا جنگ کا خیال نہ رہا پھر تو مشہور ہوا کہ ساحر ہے المختصر تمام فوج آکر حاضر ہوئی اُس وقت وہاں کا تاجدار طیش کھا کر سوار ہوا کہاں یکہ سوار کجا انبوہ بے شمار تلوار چلی دس پانچ زخمی ہوئے کچھ جان سے گئے اور فوج نے نرغہ کر جان سے لونہ مارا کمندوں میں پھنسا لیا اور جانعالم کے حوالے کیا شہزادہ عالی حوصلہ خوف خدا سے اور نحوست طالع نارسا سے مش بید کانپا اور فرمایا اللہ وقت کسی کو نہ دکھائے جو دوست دشمن ہو جائے یہ ارشاد کر اُس سے بغلگیر ہوا برابر بٹھایا قتل سے ہاتھ اٹھایا وہ بیچارہ نادم و پشیمان سر در گریبان گھٹنے پر گردن جھکا منفعل خاموش بیٹھا شہزادے نے کہا سافر کشی صفت شاہی سے بعید ہے ہم تمھارے مہمان تھے تم نے دعوت کے بدلے عداوت کی اللہ کو یہ بات پسند نہ ہوئی عبرت کا تماشہ دکھایا یہ سلطنت آپ کو مبارک میں غریب دیار کمر باندھے چلنے کو تیار ہوں اس لڑائی کا قصہ فسانہ ہو جائے گا امروز فردا سافر روانہ ہو جائے گا وہ اسکی فصاحت و بلاغت اور یہ سیر چشمی دیکھکر حیران ہوا کہ دشمن کو گرفتار کیا پھر ملک بخشدیا سر جھکا کر بولا بخدا اے عزّ و جل لایق حکومت قابل سلطنت آپکی ذات فرخندہ صفات ہے جانعالم نے کہا آپ اپنی تعریف کرتے ہیں

دگر نہ من آنم کہ خوب میدانم القصہ وہ محجوب ہو کر رخصت ہوا فوج کو صلح جو ثابت ہوئی اپنے بادشاہ کے ہمراہ چلی جب یہ جنگ زرگری ہو گئی مکان پر آ کر بہت تیاری سے دعوت کی اور عذر تقصیر کر عفو کا امیدوار ہوا شہر میں یہ چرچا ہوا اہل شہر مشتاق ہو غول کے غول آنے لگے روز باغ کے روبرو میلا ہوتا تھا کسی وقت شہزادہ نہ اکیلا ہوتا تھا پھر جاسوس شتر سوار ہرکارے فوج کے تجسس میں روانہ کیے چالیس منزل پر لشکر ملا جان عالم کی مفارقت سے کسی میں جان نہ تھی فرمان مہری دیکھ کر جان تازہ پائی پھر آنکھوں سے لگائی رات دن کوچ کرتی بیس پچیس دن میں برسم یلغار فوج داخل ہوئی شاہزادہ لشکر کو ملاحظہ فرما کر مسرور ہوا ملال بھولا ارکان سلطنت نے ملازمت حاصل کی سب نے نذر دی موافق قدر و منزلت خلعت اور انعام خاص و عام کو مرحمت ہوا اور رعایا برایا بازاری اہل حرفہ کو بھی کچھ دیا فوج کے سرداروں کو خلعت جواہر نگار سپر و شمشیر مرصع کار عنایت کیے دو ماہہ تمام فوج کو انعام میں دیا از سر نو لشکر چمکا دیا پھر وہاں سے کوچ ہوا وہی راہ میں جلسے اختلاط فسانے حکایات عیش و نشاط طوطا ہنستا رمز و کنایہ کرتا لطیفہ سناتا دل بہلاتا ہر صبح باخاطر شگفتہ مثل نکہت گل کوچ ہر شام بسان فصل بہار بہ آسایش مقام روز و شب براحت و آرام رو بہ راہ ہوئے۔

ورود لشکر نصرت آمود پر بہار جنگل میں جاڑے کی شدت صحبت شراب کے نشہ کی ترنگ میں خیالات فاسد کا آنا کج بحثی باہم کی پھر طوطے کا سمجھانا شہزادے کا پچھتانا

ناگاہ ایک روز گذر موکب حشمت و جلال بافر و شوکت کمال ایک صحرائے باغ و بہار دشت لالہ زار میں ہوا فضائے صحرا قابل تحریر کیفیت دشت گلشن آسا لائق تقریر بو باس ہر برگ و گل کی رشک مشک اذفر صفحہ بیابان معنبر و معطر چشموں کا پانی صفا میں آب گہر سے آبدار تر ذائقے میں بہ از شیر و شکر چلے کے جاڑے کڑاکے کی سردی تھی گویا کہ زمین سے آسمان تک یخ بھر دی تھی پرند اور چرند اپنے اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں بچے ہوئے بیٹھے بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھاتے تھے دھوپ کھانے باہر نہ آتے تھے قصد سے تھرتھراتے سردی سے سب کا جی جلتا تھا دم تقریر ہر شخص کے منہ سے دھواں دھار دھواں نکلتا تھا آواز کسی کی کان تک کسی کے کم جاتی تھی منہ سے بات باہر آئی اور جم جاتی تھی مار سیاہ اوس چاٹنے باہر نہ آتا تھا سردی کے باعث دم دبا کے بانبی میں بھاگ جاتا تھا زمانہ کے کاروبار میں خلل تھا ہر ایک

دست در بغل تھا عاشق و معشوق بھی اگر ساتھ سوتے تھے گھٹتے تھے مگر گھٹنے پیٹ سے جدا نہ ہوتے
تھے اشک شمع انجمن لگن تک گرتے گرتے اولا تھا پروانوں نے گرد پھرتے پھرتے ٹوٹا تھا شعلہ
کانپتا تھا فانوس کے لحاف میں منہ ڈھانپتا تھا شمع کا جسم برف تھا پگھلنے کا کیا حرف تھا ہر سنگ
کے سینہ میں آگ تھی گواہ شرعی شرر تھا لیکن سردی کو بھی یہ لاگ تھی اور جاڑے کا ایسا اثر
تھا کہ سلیں کی سلیں جمی پڑی تھیں فولاد سے زیادہ کڑی تھیں تنور فلک چہارم کی چھائی سرد تھی
گلخن میں یہ برودت تھی کہ کشمیر گرد تھی نجوں نے بٹیر پکڑے لوے لوؤں کے ہاتھ آئے لنگڑے
ہرن باندھ لائے سرزمین ہند میں مردے نہ جلتے تھے زندوں کے ہاتھ پاؤں گلتے تھے آتش رخسار
گل شبنم نے بجھائی تھی باغ میں بھی جاڑے کی دہائی تھی اوس برگ و بار کی صنعت پروردگار کی
دکھاتی تھی مرصع کاری یک لخت نظر آتی تھی دانہ ہائے اشک شبنم خواہ بڑے یا ریزے تھے ہر شجر کے
پتے اور شاخ میں الماس و موتیوں کے آویزے تھے عذار لالہ احمر رشک زعفران تھا طلائی درختوں
کی ٹہنیاں کہربائی پتے بہار میں رنگ خزاں تھا اس سردی کا کہیں ٹھکانا تھا حمام تہ خانے کا خسخانہ
تھا آگ پر لوگ جی نثار کرتے تھے زردشت کا طریق اختیار کرتے تھے اس زمانے میں جاڑے کی یہ ترقی
تھی کہ آج تک بتوں کی سرد مہری نہ گئی آفتاب عازم برج حمل تھا آتش پرستوں کا عمل تھا زیست سمندر کے
عنوان تھی آگ خلقت کی جان تھی عاشق تو کیا معشوق ٹھنڈی سانس بھرتے تھے گرمی نہ کرتے تھے
دانت سے دانت بجتا تھا ہونٹ نیلم کو شرماتے تھے پان کے لاکھے میں موسن کی پنکھڑی سی نظر آتی تھی
عاشق تن پریوں کو ساتھ سلاتے تھے اس پر بستر کو گرم نہ پاتے تھے جاڑے میں ہر ایک الست تھا عالم
اللہ کا آتش پرست تھا جاڑے سے اس دشت میں ایسا پالا پڑا تھا تمام اہل شکر کو تپ لرزے کا عالم تھا بانکے
ترچھے اینٹھے جاتے تھے ڈھال تلوار کھڑکھڑانے کے عوض دانت کڑکڑاتے تھے تنچے چقماق پتھر کلے لاٹھی
سے بیکار ہو گئے تھے چاپ کے پتھر آگ نہ دیتے تھے اور توڑے دار کا یہ حال تھا کہ بوجھ کندھا توڑے
دیتا تھا قدم اٹھانا محال تھا توڑا ہر ایک گل تھا طوطے کی جگہ شور بلبل تھا ہوش لوگوں کے کانپتے تھے کیچو کی
مٹی کو الاؤ سمجھ پھونکتے ہانپتے تھے ملائم لوگوں کے حواس جم گئے تھے جگنو کو چنگاری کے دھوکے
اٹھانے کو تھم گئے تھے سردی بسکہ کارفرما تھی ایک کو دوسرے کی تمنا تھی یہاں تک جاڑے کا زور و شور عالمگیر ہوا تھا
کہ کرۂ نار زمہریر ہوا تھا جانعالم نے فرمایا آج خیمہ ہمارا یہیں ہو بعد ورود متوجہ سامان عیش و نشاط ہوا اور ملکہ

انجمن آراسی پری پیکر محبوب طوطا مصاحب بے بدل بدل مرغوب دور شراب کا گردش میں الا کشتی شراب کی نہ چلتی تھی اور کباب بھوننے کو آگ نہ جلتی تھی گلاس شراب کا برف کی قفلیوں کو شرماتا تھا قطرہ مے اسمیں گرتے ہی جم جاتا تھا مینا بے زبان کے منھ پر روئی تھی ایسی سردی ہوئی تھی گلا بیٹھا تھا جب بہت غل کرتی تھی تب قلقل کرتی تھی لب ساغر خشک جسم پر پسینہ تھا پانی کا پیالہ فخر آبگینہ تھا جاڑے کا لشکر میں ہر طرف شور و غل تھا بازار میں روئی کا لین دین بالکل تھا جب دور آفتاب ماہ جبینوں میں چمکا عالم سرور میں جانعالم کو خیال نزدیک دور آیا دل میں سوچا کہ اتنے عرصۂ دراز زمانۂ دیرباز تک ملکہ اور انجمن آرا کو ہم سے فرقت غیروں سے غربت رہی رنڈی کا اعتبار کیا ہے یہ قوم قدیم سے بیوفا ہے فردوسی

اگر نیک بودی سر انجام زن		زنان را مزن نام بودے نہ زن	

یہ نشیب و فراز جو ذہن میں آیا جلی کٹی ہونے لگی کج بحثی صحبت کا لطف کھونے لگی وہ سبز پوش خانہ بدوش موقع شناس مزاجدان دلسوز ادب آموز بے زبان بلبل ہزار داستان دل کا حال جانتا تھا اڑتی چڑیا پہچانتا تھا سمجھا جانعالم کی طبیعت کبیدہ ہوئی قریب وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ ایسی گفتگو آغاز ہو جس کا انجام یہ صحبت درہم برہم کرے بات کو کاٹ طبیعت کو اچاٹ کہنے لگا شہزادہ نشہ اس کیفیت سے حرام ہے کہ اسکی ترقی میں عقل کو تنزل ہے خیالات لاطائل آتے ہیں احسان بھول جاتے ہیں فقط گمان بیجا اور خیال وہ بھی نشے کے حال کا اُسپہ حق خدمت سہو کرنا روکھی صورت بنانا فورًا بگڑ جانا آدمیت سے بعید ہے ایک ساعت ادہر مخاطب ہو جیے اس مدت مفارقت میں جو جو سانحے دیکھے افسانے اپنے بیگانے نے یاد دیئے ہیں اگر گوش ہوش انھیں سنیئے تو یہ تخیلات فاسد دور ہوں جانعالم نے کہا ایسی بات اسوقت واجبات سے ہے جلد کہہ

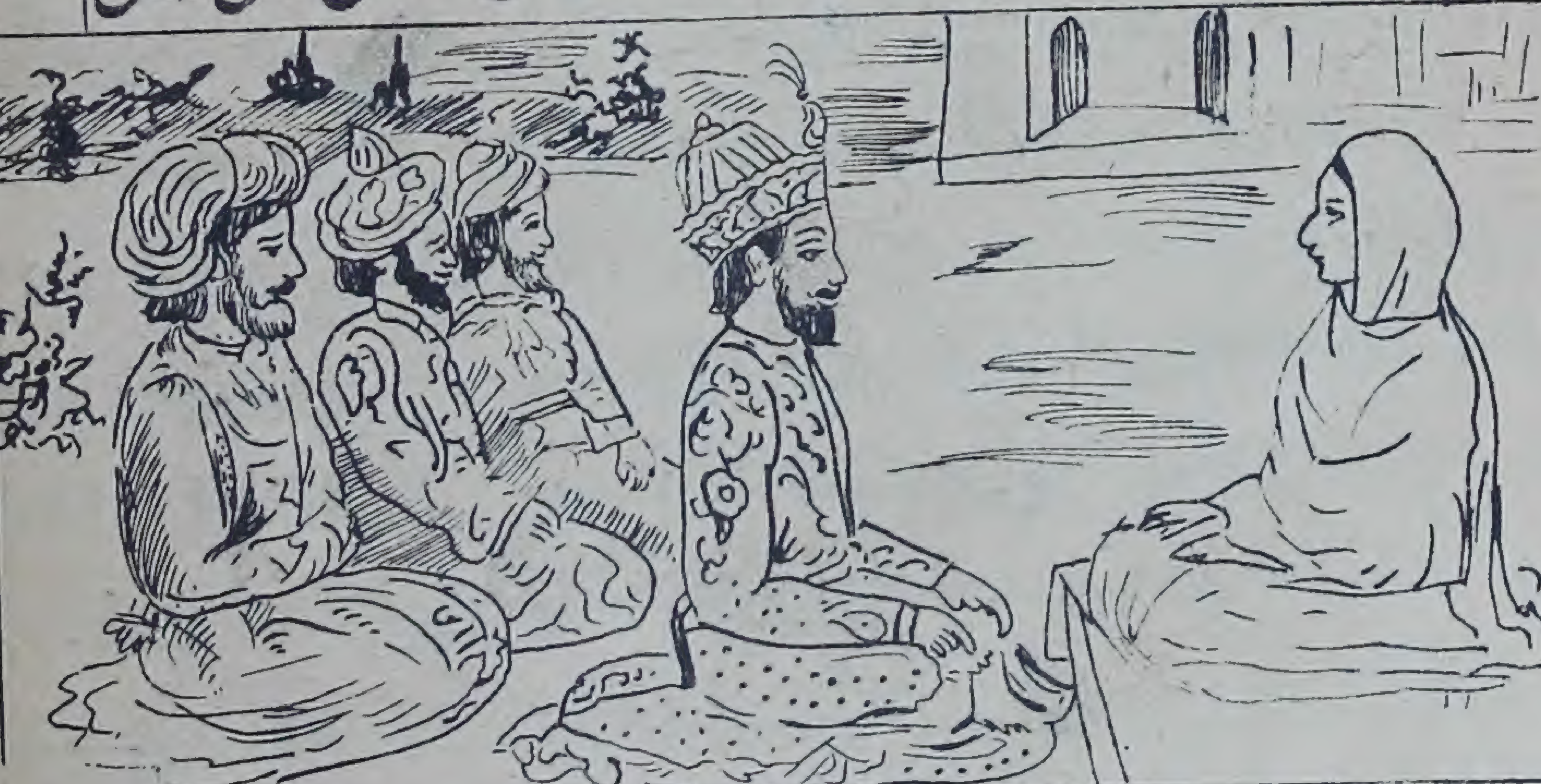
طوطے کا بیان کرنا قصہ شاہ قوم بنی اسرائیل کا بھاوج پر فریفتہ ہونا دین و ایمان کھونا پھر سنگسار کرنا عورت کی بادیہ گردی پھر اسی شہر میں آنا

طوطے نے کہا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا نیک طینت باصفا سخی و شجاع عابد پارسا اسکے عہد دولت میں دو بھائی تھے ایک تو شہر کا قاضی دوسرا مفتی بظاہر مرد مسلمان صاحب ایمان مفتی کی بیوی نہایت شکیلہ بہت جمیلہ تھی اتفاقًا عند الضرورت مفتی کو بادشاہ نے کہیں دو چار منزل بھیجا وہ اپنی عورت دم رخصت بھائی کو سونپ گیا قاضی گاہ گاہ خبر کو اُس عورت کے پاس جاتا تھا پر وہ اسی واسطے خوب ہوتا ہے جتنا دنیا کا قصہ بکھیڑا ہے

سب آنکھوں سے دیکھا سنا ہے وہ بدرجہ حسین تھی قاضی کی آنکھ پڑی فریفتہ ہوا چند روز میں ولولۂ
طبیعت حد سے فزوں بلکہ قریب بہ جنوں ہوا مگر وہ عورت جیسی خوبصورت تھی اس سے زیادہ عصمت
وعفت رکھتی تھی ایسا حسن حسن اتفاق سے ہوتا ہے قاضی نے ایک دن اس سے سوالِ وصال
کیا اس نے اس امر سے از حد انکار کر خوشامد کا کچھ خیال نہ کیا قاضی سمجھا یہ راضی نہ ہوئی اور
نہ ہو گی خفت میں دور اندیشے ہوئے ایک تو محرومی وصال دوسرے افشائے راز کا خیال گھبرا کر
بادشاہ سے عرض کی کہ دم رخصت میرا بھائی اپنی جورو مجھے سونپ گیا تھا اس فاحشہ نے اسکی
غیبت میں زنا کیا مجھے ثبوت کامل ہوا بادشاہ نے مرد متشرع سمجھ صاحب زہد و ورع جان کر اختیار
دیا قاضی نے اس کو تنہا لیجا کر سمجھایا کہ اب تک خیر ہے مجھ سے راضی ہو نہیں بڑا شر ہو گا تیرا ضرر ہو گا
دل پر جبر اختیار کر دوں گا تجھے سنگسار کر دوں گا وہ عورت شیر صفت اسکی گیدڑ بھبکی سے ڈری مرگ پر
راضی ہوئی اس کمبخت شہوت پرست نے شہر کے باہر لیجا کر اس کو سنگسار کیا خلق خدا عبرت کناں
خائف و لرزاں اپنے اپنے گھر پھری وہاں حافظ حقیقی نے شیشۂ حیات اس نیک صفات کا سنگ
ستم قاضی سے بچا لیا ٹھیس نہ لگی خواہش بیجا میں ایسا ہی ہو جاتا ہے عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں شب کو
عورت پتھر سر کا ایک سمت پیادہ پا روانہ ہوئی جنگل میں ایک ویرانی تھی مرد خدا پرست بستی کو چھوڑ
اہل دنیا سے منہ موڑ دشت بسایا تھا جب وہاں پہونچی اس حق پرست نے اسکی غریب الوطنی پر
رحم کھایا لڑکا اس کا خورد سال تھا اسکی خبرگیری کو اپنے پاس رکھا اس ویرانی کا ایک غلام سخت
نطفہ حرام تھا بد ذات گیدی مثل مشہور ہے لاخیر فی عبیدی رنڈی جوان دیکھ کر عاشق ہوا بہت
چاپلوسی کی وہ ڈھب پر نہ چڑھی اس شقی نے ویرانی کا لڑکا ذبح کر تہمت اس عورت پر کی اولاد کی
محبت مشہور ہے امیر ہو یا فقیر اس میں مجبور ہے ویرانی کو بہ شدت رنج ہوا لیکن وہ صابر و شاکر تھا
عورت سے کچھ نہ کہا بجز کہ رضینا بالقضا اور بیس دینار زاد راہ دے کر رخصت کیا وہ بیچاری مصیبت
کی ماری پھر چل نکلی ایک شہر میں وارد ہوئی بازار میں بھیڑ دیکھی شور و غل برپا تھا اور ایک شخص کو زنجیر
وطوق میں پھنسا کشاں کشاں لوگ لیے جاتے تھے عورت نے پوچھا اس سے کون سا جرم قبیح سرزد
ہوا جو ایسی آفت میں مبتلا ہے لوگوں نے کہا یہ بیس دینار کا قرضدار ہے ادا کی طاقت نہیں اسکے
بدلے یہاں کے سردار نے دار کا حکم دیا ہے عورت کو رحم آیا وہی ویرانی کے دینار دیکر قید سے

چھوڑا دیا وہ مکار بدباطن عیار تھا رنڈی جو خوبصورت دیکھی جی بھر بھر آیا کہا تو تو میری محسنہ ہے میں تیرے ہمراہ رہوں گا خدمت گذاری کروں گا اس حیلے سے ساتھ ہو لیا کچھ دور شہر سے نکلی تھی راہ میں دریا ملا یہ مدت سے نہائی نہ تھی کپڑے بھی کثیف ہو گئے تھے ایک طرف لباس دھو کر نہا رہی تھی ناگہاں ایک سمت سے دو جہاز وہاں آئے اہل جہاز نے دیکھا عورت قمر طلعت ہے اس حرام زادے سے پوچھا یہ کون ہے اس نے اپنی لونڈی بتایا مول تول درمیان آیا غرضکہ مبلغ کثیر پر بیچکر کسی بہانے سے جہاز پر چڑھا دیا روپیہ لے کر چل نکلا وہ دو سوداگر تھے دونو اس پر مائل ہوئے قضیے فساد حائل ہوئے پھر یہ صلاح ٹھہری کہ بالفعل مال کے جہاز پر یہ رہے جب اسباب بک چکے اسوقت عورت جسے قبول کرلے وہ لے جھگڑا اٹھایا اُسے مال کے جہاز پر بٹھایا ایک روز آندھی چلی طوفان آیا جس جہاز پر سوداگر تھے وہ تو ڈوب گیا مال کا جہاز اور یہ جانباز سلامت رہی چند عرصہ میں جہاز اس شہر میں آیا جہاں سے یہ سنگسار ہو کر نکلی تھی دو کلمے یہ سنو جس شخص نے اس کو بچایا تھا کسی تقریب سے وہ یہاں کے بادشاہ کا بخشی ہوا اور ویرانی کا غلام بمدد ایام پایۂ وزارت پا گیا اور مفتی صاحب سفر سے پھر کر مفت جوع کے الم میں مبتلا تھے جس دن جہاز اس شہر میں پہونچا وہاں کے پیغمبر کو حکم الٰہی آیا کہ ہمارا ایک خاص بندہ جہاز پر آیا ہے یہاں کا بادشاہ وزیر بخشی و قاضی اور مفتی کو لیکر اسکے پاس جائے اور اس سال میں جو جو گناہ اُن سب سے عمداً اور سہواً سرزد ہوئے ہوں اسکے روبرو بیان کریں جو وہ خطا معاف کرے تو ہم بھی درگزریں وگرنہ بلائے آسمانی آفت ناگہانی اس زمین پر نازل کرونگا پیغمبر نے بادشاہ سے کہا وہ سب کو ساتھ لے کر جہاز پر آیا

تصویر زن عابدہ کے آنے کی اور بادشاہ مع قاضی و مفتی و بخشی



عورت پردہ چھوڑ کر آ بیٹھی تقریر شروع ہوئی پہلے بادشاہ نے کہا میں سیہ کار از سرتا پا گناہ گار معصیت کا پتلا ہوں مگر یہ خدشہ تازہ ہوا ہے کہ قاضی کے کہنے سے مفتی کی جورو کو بے تحقیقات جرم سرزنش کا حکم دیا ہے عورت بولی غفر اللہ لک یعنی بخشے خدا تجھے پھر مفتی نے کہا مجھے جورو کی طرف سے گمان بد ہے اس نے کہا تو ابھی چپ رہ بیٹھ پھر قاضی نے بیان کیا مجھ سے بدولت نفس امارہ یہ حرکت ناکارہ ہوئی کہ بجرم وخطا ایک بیگناہ کو سنگسار کیا اُس نے کہا اللہ تیری مغفرت کرے بعد اس کے وزیر وہ ویرانی کا غلام آیا ندامت سے سر جھکایا پھر کہا بندہ سے بتحریک شیطان و جوش شہوت جرم قبیح ہوا کہ آقا کا لڑکا مار کر صاحب عصمت کا قصور ٹھہرایا وہ بولی غفور و رحیم تجھ پر رحم کرے جب بخشی آیا وہ بیچنے کا ماجرا زبان پر لایا عورت نے کہا تو محسن کش ہے خدا تجھے نہ بخشے گا الغرض بخشی کی جان بخشی نہ ہوئی پھر وہ پردہ اٹھا باہر آئی مفتی سے کہا تو نے مجھے پہچانا یہ سب قصہ میری عفت کا فسانہ ہے آجتک خدا کی حفظ و عنایت سے عزت و آبرو بچی اب خلع کی امیدوار ہوں یہ مال و متاع تو اپنے صرف میں لا میں تنہا گوشہ عزلت میں بیٹھ کر عبادت کروں اسی شغل میں مروں یہ ماجرا دیکھ کر حاضرین صحبت ناظرین جلسہ تھرائے بادشاہ سلامت منفعل گھر آئے وہ عورت تو حجرہ بنا طاعت یزدان میں مشغول ہوئی دولتِ کونین حصول ہوئی طوطا یہ قصہ تمام کرکے بولا جانعالم جو ثابت قدم ہیں اُن کا ہر وقت اللہ یار ہے ہر بحر بے کنار سے اُن کا بیڑا پار ہے۔ فرد

نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

یہ نقل سنکر شہزادے کا نشہ ہرن ہوا دونوں کی شفقت و ایذا اٹھانی خانہ ویرانی بادیہ پیمائی یاد آئی خوف خدا سے شل بید کانپا ندامت سے عذر کیا کہ حالت نشہ میں جھک مارا قصور ہوا پھر ہنسی خوشی وہاں سے کوچ ہوا

یہ خاتمہ داستان ہے اور وطن پہونچنا شہزادہ جانعالم کا زیارت والدین اور نوک جھونک ماہ طلعت کی طوطے سے ملکہ اور انجمن آرا کا دل بہلانا پھر وزیرزادیکا قتل سلطنت ترک کرنا فیروز بخت کا

چل اے توسنِ خامہ منزل رساں
کہ اب گھر پہونچتا ہے یہ کارواں
پھرا گھر کو شہزادۂ خوش سیر
جھمکڑے کا عالم بہت کر و فر
وہ اس طرح پہونچا وطن کی طرف
بہار آئے جیسے چمن کی طرف

بڑی فکر رہتی تھی ہر صبح و شام	ہوئی فضل حق سے کہانی تمام
وہ بچھڑے تو سب ہو گئے ایک جا	رہے اپنے مطلوب سے ہم جُدا
رہی شرح جورِ فلک ناتمام	سرورِ حزین توسن خامہ تھام

غرضکہ شہزادۂ جانعالم منزل بمنزل مسافت طے کر مع الخیر وطن پہونچا دو کوس شہر سے باہر خیمہ برپا ہوا لشکر ظفر پیکر اُترا یہ خبر فسحت آباد میں گھر گھر مشتہر ہوئی کہ کوئی غنیم فوج عظیم لیکر وارد ہوا شہر کا یہ نقشہ تھا جس روز سے جانعالم مفقود الخبر دربدر ہوا تھا ویران پڑا تھا اور بادشاہ گریبان چاک سر پر خاک نہ تخت کی خبر نہ سلطنت سے سروکار نہ ملک سے مطلب نہ دربار سے غرض دیوانہ وار بادل بیقرار محل میں پڑا رہتا تھا اور شاہزادے کی ماں بھی غمگین اندوہناک بیچین دن رات غم کی حکایت اندوہ کے بین نصیب کی شکایت لب پر شور و شیون خلش نشتر غم سے کوئی ساعت قرار نہ پاتی تھی ہر وقت بلبلاتی تھی یہانتک دوری دلبند مہجوری فرزند میں دونوں روئے تھے کہ آنکھیں اُن عزیزوں کی یوسف گم گشتہ کے فراق میں دید کے اشتیاق میں ہم چشم دیدۂ یعقوب علیہ السلام ہو گئی تھیں بحکم آیہ وافی ہدایۃ وَابْیَضَّتْ عَیْنَاہُ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْمٌ ۵ سچ ہے فراق نور چشم میں نور چشم کب رہتا ہے رات دن آنکھوں میں یکساں ہر وقت سراسیمہ و پریشان مگر ارکان سلطنت نمک خوار قدیم کوشش عظیم سے دربردہ ریاست کا کام سنبھالے تھے جب ورود لشکر بایں کر و فر سنا وزیر اعظم کو جانعالم کے پاس حال دریافت کرنے کو بھیجا بسکہ شہزادہ باامتیاز کی مفارقت کو زمانہ دراز گذرا تھا سوا سامان جاہ و حشم لشکر کا ہجوم و خم فوج ہزار در ہزار انبوہ بیشمار خزانہ لاانتہا دیکھ کر وزیر گھبرایا اپنے شہزادے کا وہم و گمان نہ آیا دست بستہ عرض کی قبلۂ عالم گردش طالع واژوں نیرنگی گردوں سے وارث تخت سلطنت یہاں کا دفعتہً گم ہو گیا بادشاہ آسمان جاہ ہمارا مصیبت کا مارا جگر گوشے کی مفارقت میں دامان صبر و گریبان شکیب پارہ پارہ کر نور نظر بھی اس اپنے قرۃ العین طاقت بصر کے ہجر میں گریہ کی نذر کر چکا ہے ہنوز اس عین الکمال کے قدم کی خاک سرمۂ چشم مشتاقان کحل الجواہر دیدۂ منتظر نہیں ہوئی بعد سلام حضور کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر خواہش تخت یا تمنائے تاج منظور خاطر ہے بسم اللہ کل نہیں آج حاضر ہے مگر سلمان جنگ و جدال گرم بازاری

عرصۂ قتال خونریزی بندگان خدا ناحق ناروا ہے مجھے تخت سلطنت تختۂ تابوت سے بدتر ہے الا معاملۂ قضا و قدر سے مجبور ہر فرد بشر ہے ہر چند جینے سے سخت جی بیزار ہے لیکن مرنے کا کسے اختیار ہے شعر

مرنے کو میں تو راضی ہوں سوت کو موت آگئی	زندگی اب گلے پڑی اسکی میں کیا دوا کروں

شرح سخت جانی موجب پریشانی گوش حق نیوش جان کرطول کو مختصر کیا جانعالم یہ سنکر رو دیا وزیر کو گلے سے لگایا خلعت فاخرہ عنایت کیا پھر کہا افسوس تم نے گود کے پالے عرصۂ قلیل میں بھلا ڈالے بعد آداب و کورنش عرض کرنا کہ بدولت الفت پدری و تاثیر دعائے سحری سے خانہ زاد بامراد زندہ و سالم شرف آستان بوس سے مشرف ہوا اسوقت وزیر نے پہچانا قدموں پر گرا پھر سر اٹھا کر بے اجازت بھاگا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا پکارا مبارک ہو

اُستاد ~ بوئے یوسف سو پیغبر کنعاں آئی

اے بادشاہ با اقبال و صاحب جاہ و جلال بہ عنایت جامع المتفرقین بہ باعث برکت دعائے مہاجرین نیر اوج بختیاری کوکب درخشندۂ سپہر شہریاری با فوج و لشکر و مجمع حوران پری پیکر یہاں آیا اور اس اجڑے نگر کو آباد کیا بسایا مشتاقوں کا دل الم رسیدہ شاد کیا مشکر صد شکر نالہ شبگیر باتاثیر تھا بادشاہ کو تو مرتبۂ یاس حاصل تھا وزیر سے یہ کلمہ فرمایا۔ میر تقی ~

وہ اور ہو گی وقت سحر ہو جو مستجاب	شرمندۂ اثر تو ہماری دعا نہیں

وزیر نے مکرر عرض کی بس حضور شب دیجور ہماری ین قدم سے شمع انجمن افروز سلطانی کے روشن ہوئی اس گفتگو میں وزیر تھا کہ جان عالم تنہا داخل ہوا محل میں محشر کا قیام ہوا رونا پیٹنا پچا رنڈیوں کا اژدہام ہوا ماں باپ نے گلے سے لگایا شہزادہ بالراس والعین آداب بجا لایا عین عنایت الٰہی دیکھیے اُسی دم دونوں کی

جان عالم کی والدین سے مُلاقات اور تخت پر بیٹھنا اور بعیش و عشرت بسر کرنا



آنکھوں میں بینائی جسم میں تاب و توانائی آئی بادشاہ جلد سوار ہوا بہوؤں سے لشکر میں جا کر دوچار ہوا شہر والوں نے سنا صغیر و کبیر برنا و پیر دوڑے دونوں لشکر جلو میں ہمراہ آگے آگے جہاں پناہ روپیا اشرفی دو رویہ تصدق ہوتا محلسرا میں لاکر اتارا جان عالم کی ماں نے انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کو دیکھا جان و دل دونوں پر نثار کیا بہت سا پیار کیا مبارک سلامت کی صدا در و دیوار سے پیدا ہوئی جس نے دیکھا وہ شیدا ہوئی دوسرے دن ملکہ اور انجمن آرا نے شاہ فیروز بخت سے عرض کی کہ اگر حضور کی اجازت ہو تو شہزادے کے محلسرائے قدیم میں ہم جائیں ماہ طلعت سے ملاقات کر آئیں بادشاہ نے فرمایا وہ عورت بدبخت سخت منہ پھٹ بڑھ بولی فضول ہے اسے شرمندہ کرنے سے کیا حصول ہے میاں مٹھو بھی حاضر تھے بول اٹھے قبلۂ عالم یگانگت مقتضائے ملاقات ہے خفت و ذلت کی کیا بات ہے بادشاہ چپکے رہا شہزادیوں نے سواری طلب کی طائر پران نے پیشقدمی کر ماہ طلعت کو سلام کیا اسنے سر جھکا لیا یکایک سواریاں آپہونچیں اسوقت وہ بیچاری خفت کی ماری اٹھی استقبال کیا دونوں نے گلے سے لگایا مسند پر جا بیٹھیں ملکہ بڑی مقرر خوش بیان تھی انجمن آرا اتنی طرار کہاں تھی سلسلۂ کلام بدلداری تمام کھولا کہ ہماری جانب اور گمان نہ لانا ہم بہرحال شریک بشاشت رفیق ملال ہیں طوطا انجمن آرا کے سامنے آیا ماہ طلعت سے کہا حضرت سلامت اتنا زبان مبارک سے فرماؤ کہ آج سچا کون ہے جھوٹے کے منہ میں کیا ہے اور تو کیا کہوں آپکی کج بحثی سے جانعالم کے ہاتھ یہ لوگ مہر جبین ماہ سیما آئے گو اتنا جگر ہو

میرے سبب سے آپ کو ندامت ہوئی جھوٹے کے منھ میں گھی شکر ہوا انجمن آرا تو سیدھی بھولی تھی طوطے سے بدمزہ ہوئی فرمایا دیوانے کیا بیہودہ بکتا ہے پھر ماہ طلعت سے کہا سنو میری جان یہ جانور بے شعور عقل سے دور حیوانیت سے مجبور ہے دنیا کا کارخانہ فسانہ ہے رہا یہ حسن و خوبی عارض عارضی ہے اس پر کیا اترانا ہے یہ کیفیت یہ جوبن یہ سن چار دن کا ہے ناپائدار اس کا کیا اعتبار رنگ چمن دنیا جاوداں نہیں کون سی بہار ہے جسے خزاں نہیں حسن پر غرور بیجا ہے سرور یہ کہتا ہے شعر

بہتا دریا ہے یہ حسن اسمیں ارے دھولے ہاتھ
بے خبر اتنا ہے کیوں بر سر ساحل بیٹھا

كل من عليها فان ويبقىٰ وجه ربك ذو الجلال والاكرام - نظم

نظر پڑا چمن دہر میں جو ہم کو مکاں
ہمارے زعم میں اس سا نہیں کوئی ناداں
شکستہ رنگی گل شاہد چمن ہے یاں
گھمنڈ اس پہ حماقت کی بس نشانی ہے

ہزار خوار ہوئے دیکھی بلبل نالاں
جو اپنے حسن دو روزہ پہ کچھ ہوا نازاں
کہ اس بہار کا انجام آخرش ہے خزاں
مقام عبرت و حیرت سرائے فانی ہے

آخرکار دونوں نے ماہ طلعت کو شیریں زبانی اور اپنی خوش بیانی سے شگفتہ خاطر کیا دو چار گھڑی ہنسی خوشی اختلاط رہا مگر طوطا نوک جھونک چھیڑ چھاڑ کیے گیا پھر رخصت ہوئیں اس نے حاضر ہونے کا وعدہ کیا واقعی جنھیں اللہ حسن بے مثال مرتبہ جاہ و جلال دیتا ہے اُن لوگوں کا دل صفا منزل غبار کلفت اور عجب و نخوت سے صاف اور مرآت سینہ زنگ حسد و کینہ سے شفاف ہوتا ہے القصہ باہم بے رنج والم رہنے لگے سب شاد و ہر روز خندان و خرم و فرحان بسر کرنے لگے نئے سر سے وہ اجڑا شہر بسا بنائے ظلم و ستم منہدم ہوئی مروج عدل و داد ہوا دونا سابق سے حال میں آباد ہوا خزاں چمن سے دور ہوئی بلبل نالاں مسرور ہوئی ایک روز جان عالم نے تمام خلقت کو در شہر پناہ پر طلب کر کے وہ بکری کا بچہ دکھا نمک حرامیاں اسکی سنا جلاد سے حکم کیا اسکے اعضا اعضا سے جدا بے دست و پا کر زاغ و زغن کو گوشت کی بوٹیاں اڑا کر کھلا دو شکاری کتوں کو لہو بہا کر چٹا دو بمجرد ارشاد سر اس بدنہاد کا تیغ جلاد سے جدا ہو گیا خلق خدا یہ حال دیکھ ماجرا اُن کے تھرا گئی سب نے اس بیدین پر لعنت اور نفرین کی جان عالم نے دولتسرا کی راہ لی اُسی روز فیروز شاہ نے تاج و تخت بیٹے کو حوالہ کیا خود گوشہ تنہائی لیا بادشاہ شب اپنی عبادت اور بیداری میں سحر کرتا تھا

وہ توصائم النہار قائم اللیل مشہور ہوا جانعالم ہر روز تخت پر جلوہ افروز ہوا عدل کی داد دیکے شب کو پری پیکروں میں بسر کرتا تھا یہ عادل وسخی ورحیم وشجاع یکتائے روزگار مشہور ہوا ذکر دونوں کا تا قیام قیامت صفحہ روزگار ورق لیل ونہار پر اور برزبان یگانہ وبیگانہ رہا بات باقی رہ گئی نہیں تو دور دوراں میں کس کا دور رہا کس کا زمانہ رہا جس طرح جانعالم کے مطلب ملے اسی طرح کل عالم کی مراد اور تمنائے دلی اللہ دے علی الخصوص سامعین ناظرین راقم و مؤلف کی خواہش وآرزو بہ تصدق رسول عربی برآئے بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد بالنون والصاد وباسباب ظاہر یہ فسانہ نادر زمانہ مضمون چکیدۂ دل وتحریر خامہ ہے اگر دیدۂ غور ونظر تامل سے ملاحظہ کرو تو حقیقت میں کارنامہ ہے فقط جس دم نظر فیض اثر سے جناب قبلہ وکعبہ مخدوم ومکرم آغا صاحب قبلہ آغا نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خانی صاحب کے یہ گذرا بعد اصلاح شاگرد نوازی فرما کر قطعہ تاریخ سے زینت بخشی۔ قطعۂ استاد

برائے خاطر یاران و احباب	سرور ایں قصہ را چوں کرد ایجاد
بجستم سال تاریخش نوازش	فلک ایں گلستاں بے خزاں داد

۱۲۳۱ھ

ایک دوست بندے کے زمانہ کے تعلق سے مثل سرو آزاد لالہ درگا پرشاد تھے ہنر میں عیب پوش تخلص مدہوش خم محبت سے مئے الفت جوش میں آئی تاریخ مستانہ زیب فسانہ فرمائی

مدہوش

کہا فسانہ جو یہ عجائب سرور دل خستہ حزیں نے	کہ جسکی تاثیر سے بیاں کے ہر ایک دل بیقرار دیکھا
جہاں پہ کچھ گل کی گفتگو ہے وہاں پہ کچھ اور رنگ و بو ہے	جہاں خزاں کی خلش ہے اسمیں وہاں پہ کیا کیا نہ خار دیکھا
جہاں کیا غم نے ہے جگر خون نظر پڑا واں شفق کا عالم	کہیں جو ہے داغ دل کا پھولا تو اس جگہ لالہ زار دیکھا
کہیں جو چشمہ کا ماجرا ہے دکھائی وہ آب و تاب اس نے	کہ چشمہ چشم سے ہر اک کے رواں ہوا چشمہ سار دیکھا
کہیں جو دریا کا ذکر آیا تو کشتی دل ہے نذر طوفاں	جو کوہ نے سر کہیں اٹھایا تو جاں کو سنگسار دیکھا
ہوا ہے جس جس جگہ پہ اسمیں بیان سحر و طلسم و جادو	تو قدرت حق سے اس مکاں پر نئی طرح کا حصار دیکھا
جو قید میں دیو کی پھنسا ہے کسی جگہ پر کوئی پریرو	تو کیا نہ سامان چھوٹنے کا وہاں پہ بر روئے کار دیکھا
کسی جگہ پر جو جوگ آسن کا جوگیوں کے بیان ہے اسمیں	تو خوب چھانا پر اس جگہ کچھ نہ غیر مشت غبار دیکھا

کہیں جو آمد کی یار کے کچھ خبر کا چرچا کیا ہے اُس نے | تو دیدہ ہر اہل دید کا واں وقف صد انتظار دیکھا
جو وصل کی شب کا کچھ بیاں ہے تو جمع ہے خاطر پریشاں | جو روز ہجراں کا غم لکھا ہے تو دل کو کیا انتشار دیکھا
جو بزم کا کچھ بیاں کیا ہے تو کوئی محفل نہ دیکھی ایسی | جہاں پہ کچھ رزم کا بیاں ہے ہر اک کو اسفندیار دیکھا
کھنچی ہے جو تیغ ابرو تو ہو گئے دل کے ٹکڑے ٹکڑے | کہیں جو تیر نگاہ چھوٹا تو صاف سینہ کے پار دیکھا
خرابی حال عاشق ایسی کہ جس پہ رونا فلک کو آئے | کہیں یہ معشوق کی ہے خوبی کہ ملک تک نے نگار دیکھا
نہ پوچھو حال اس فسانے کا تم کہ ڈھنگ کیا کیا بھرے ہیں اسمیں | جو حسن دیکھا تو زور دیکھا جو عشق دیکھا تو زار دیکھا

ہوئی جو مدہوش کو یہ خواہش کہ سال تاریخ اس کا لکھے
تو کھینچکر آہ دل سے نکلا خزاں سے رنگ بہار دیکھا ١٢٨٠ھ

تاریخ از مصنّف

جس نے کہ سنا اس کو جی میں یہ لگا کہنے | یارب یہ فسانہ ہے یا سحر ہے بابل کا
تاریخ سرور اس کی منظور ہوئی جس دم | بے ساختہ جی بولا نشتر ہے رگ دل کا ١٢٨٣ھ

تقریظ

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی | کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

دنیا میں کمال ایک ایسا جوہر نفیس ہے کہ جس کے سبب سے انسان ہر دلعزیز ہوتا ہے اپنا بیگانہ مزرعۂ دل میں اس کا تخم محبت بوتا ہے حاضر و غائب لوگ اس کے ثنا خواں رہتے ہیں دور دور اسکے کمال کے بیان رہتے ہیں آدمیت عقل و فہم و ادراک سے عبارت ہے اس پر اگر کسی طرح کا کمال بھی حاصل ہے تو یہ جوہر تیغ شرافت ہے بیکمال کی نفس الامر میں کچھ حقیقت نہیں گو صاحب دولت ہو مگر عزت نہیں کامل کے خواہشمند ہزار ہیں یہی لوگ دنیائے ناپائدار میں یادگار ہیں فی زمانہ ذی کمالوں میں بلبل خوش الحان حدیقۂ معانی طوطی شکرین مقال بوستان سخندانی مہر سپہر سخنوری گوہر بحر معنی گستری مضمون آفرین بدیع شاعر نامی جلیل دبیر سحر تحریر منشی عطارد نظیر انشا پردازی میں معروف نزدیک و دور یادش بخیر مرزا رجب علی بیگ تخلص سرور مرحوم و مغفور جنکے اشعار خوب و نثر ہائے مرغوب اطراف جہان و اکناف عالم میں مشہور ہیں

فلک تفرقہ انداز کی کج بازی سے　　وہ جدا ہوگئے فرقت کا نہ تھا جسکے گماں

المختصر فسانۂ عجائب جو تحریر فرمایا ہے زور طبیعت دکھایا ہے فی الحقیقت یہ فسانہ یادگار ہے شاہد بے مثالی مرزا صاحب ذی وقار ہے جب پڑھیئے وہی لطف قبول خاطر پیدا ہو سبحان اللہ کیا کہنا عہد شباب کا لکھا ہے ہر چند اور اور لوگوں نے تتبع کیا قدم بقدم چلے مگر توبہ کیجئے کیا ہوتا ہے نہ پھولے نہ پھلے ؎

این سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

الحق فسانۂ عجائب عجیب رنگین و دلفریب قصہ ہے مرزا صاحب ممدوح کا حصہ ہے زبان کوثر کی دھوئی شستہ و رفتہ سب کو مرغوب روزمرہ محاورے بہت اچھے نہایت خوب اردوئے معلے سراسر تجلی فقرے چست لفظیں درست عبارت سلیس فصاحت آمیز معانی لطیف بلاغت انگیز سرور افزائے دل انجمن آرائے جہان جان عالم ہے جتنی کہانی لاثانی دل دہی کی نشانی ہے جتنی اسکی تعریف لکھیے کم ہے جہاں وصل کا بیان ہے عجیب لطف نہایت مزے کی داستان ہے جہاں ہجر کا ذکر ہے وہاں مرجانے کی فکر ہے جہاں معرکۂ نبرد ہے وہاں شاہنامہ فردوسی طوسی گرد ہے جہاں سحر کا بیان طلسم کی تقریر ہے وہاں اور بھی نیرنگی تحریر ہے جہاں جس چیز کا بیان ہے وہاں ویسا ہی سامان ہے جہاں لکھنؤ کا حال لکھا ہے وہاں اس شعر کا مصداق پیدا ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است　　ہمین ست و ہمین ست

مرزا صاحب موصوف کے اوصاف جمیلہ محامد جلیلہ کالشمس فی نصف النہار ہیں کمالات صوری و معنوی میں یادگار دیار و امصار ہیں خداوند عالم انکی مغفرت فرمائے اور اس فسانہ کی یوماً فیوماً زیادہ تر شہرت فرمائے این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

فدا علی عیش

تاریخ طبع سابق از افضل الامثال و الاقران مولانا محمد حامد علیخان حامد شاہ آبادی محافظ عملہ تصحیح

سرور نکتہ دان مرحوم و مغفور
عجب ذی مرتبہ شاعر ہوا ہے
کلام اس کا ہے مقبول خلائق
مقرر ذی سخن اس بات کا ہے
وہ اس فن میں ہوا نقاش اوّل
اُسی سے اسکی گویا ابتدا ہے
کچھ ایسا اس نے لکھا یہ فسانہ
کہ جس کو دیکھیے اس پر فدا ہے
نہ ایسا چشم بینا نے ہے دیکھا
نہ ایسا گوش سامع نے سنا ہے
فسانہ اس طرح یہ اس نے لکھا
کوئی لکھے جواب مقدور کیا ہے
فسانے سب ہیں اسکے سامنے ہیچ
کوئی قصہ نہیں اس لطف کا ہے
ہے خوبی دیکھنے پر اسکے موقوف
سراپا خوبیوں سے یہ بھرا ہے
یہ افسانہ ہوا مشہور عالم
اس افسانے کی شہرت جا بجا ہے
زباں کی کیفیت اسمیں الگ ہے
عبارت کا مزہ اسمیں جدا ہے
لکھا بعد اسکے جس نے جو فسانہ
مقلد وہ اسی مرحوم کا ہے
ہے اس استاد نامی کا جو استاد
اسے بھی ایک عالم جانتا ہے
جناب حضرت آغا نوازش
غزل خوانی میں جو یکتا ہوا ہے
غزل گوئی میں بھی وہ فرد گذرا
یہ بلبل بھی اسی گلزار کا ہے
اودھ اخبار مطبع ہے جو نامی
اسی میں بارہا یہ چھپ چکا ہے
یہ مطبع بھی اسی مطبع کی ہے شاخ
یہاں بھی بارہا چھاپا گیا ہے
مگر مطبع کا مالک بھی ہے وہ شخص
کہ جس پر بخششوں کا خاتمہ ہے
پراگ اوّل میں نارائن ہو آخر
کہ یہ نام مبارک کا پتا ہے
نمک خوار وہیں اسکے جو ہوا وہ
امیرانہ بسر فرما رہا ہے
در دولت پہ اسکے کیوں نہو فیض
کہ خاصیت میں مثل کیمیا ہے
مطابع اس نے وہ جاری کیے ہیں
کہ جن سے دین و دنیا کا بھلا ہے
جہاں میں کون ایسا ہے کہ اس کا
دل و جان سے نہیں مدحت سرا ہے
سخاوت میں ہے حاتم سے زیادہ
شجاعت میں وہ رستم سے سوا ہے
بہر صورت وہ ہے ممدوح کونین
خدا نے نام نیک اس کو دیا ہے
مگر ایجنٹ مطبع بھی ہے وہ شخص
نہیں مانند اسکے دوسرا ہے
دیال آخر میں ہے اوّل میں بھگوان
بڑا لایق بڑا ذی مرتبہ ہے
دیانت قابلیت میں ہے یکتا
یہ منشی جی کو قسمت سے ملا ہے
کہوں جو کچھ میں ان دونوں کو حق ہے
لکھوں جو کچھ انھیں میں وہ بجا ہے
رہیں یہ سب کے سب دلشاد و خرم
مری اب آخری یہ التجا ہے
غرض تاریخ کی مجھ کو ہوئی فکر
کہا ہاتف نے کیوں تو سوچتا ہے

اگر تاریخ کی ہے فکر حامد
لکھ اچھی داستان فرحت فزا ہے
۱۳۲۶ھ

تاریخات طبع سابق از عدیم المثال مورّخ کامل منشی بھگوان دیال صاحب عاقل سکنۂ باشی

چو شد مطبوع ایں نادر فسانہ ۔ زتصنیف سرور خوش بیانی
پے تاریخ ہجری گفت عاقل ۔ سرور آئین چہ نادر داستانی
١٣٢٦ھ

ایضاً

طبع شد ایں فسانۂ نادر ۔ بخدا ہشت خوشنما قصہ
گفت تاریخ ہجریش عاقل ۔ فرحت انگیز دل کشا قصہ
١٣٢٦ھ

ولہٗ

یہ وہ قصہ ہے جاں فزا بخدا ۔ جس سے دل کو سرور وافر ہے
سال ہجری میں تو بھی اے عاقل ۔ کہہ یہ زیبا سرور خاطر ہے
١٣٢٦ھ

خاتمۃ الطبع

للہ الحمد والمنۃ کہ یہ قصۂ نادر و غرائب اسم بامسمٰی فسانۂ عجائب معروف و مشہور نزدیک و دور من تصنیف اینقف ماہر نکات سخنوری واقف رموز شاعری۔ سخنور نوی شعور فخر الشعرا مرزا رجب علی بیگ سرور مرحوم و مغفور تلمیذ ارشد کلیم سخندانی موجد شعر خوانی آغا نوازش علیخاں معروف بہ مرزا خوانی در مطبع راجہ رام کمار وارث مطبع نامی گرامی منشی نولکشور بحسن اہتمام منولال سرپرستو یہ منیجر بہ تصحیح تام و تنقیح مالا کلام ١٩٥٤ء انتالیسویں بار بحسن و خوبی طبع ہوا

اعلان

حق تصنیف اس فسانۂ عجائب کا مصنف نے بحیات خود بذریعہ تحریر مطبع منشی نولکشور کو ہبہ کیا اور بموجب دفعہ ١٨ ایکٹ ٢٥ ١٨٦٧ء حق تصنیف پر رجسٹری ہوئی

الف لیلہ بطرز ناول دو جلد

نتیجۂ قلم ظرافت رقم پنڈت رتن ناتھ سرشار مرحوم

الف لیلہ کی دلچسپی و دلکشی سے زمانہ واقف ہے۔ اور سب جانتے ہین کہ مشرقی افسانون اور ایشیائی قصون مین کوئی کتاب اس کتاب سے بہتر نہیں لکھی گئی اِس کا ایک ایک قصہ گذشتہ ایشیائی معاشرت کا مصفے اور مجلے آئینہ ہے۔ زمانۂ ہارون الرشید کے وہ وہ حیرت افزا قصے اِس مین درج ہیں کہ دیکھکر آدمی نقش حیرت ہو جاتا ہے۔ مگر ضرورت تھی کہ اُن قصون کو بہترین اسلوب بیان اور اعلے عبارت مین مکالمہ اور ناول کے طرز مین لکھکر رنگین سے رنگین بنایا جائے۔ اسی کمی پر نظر ڈالتے ہوئے سرشار نے اسکو اپنے دلکش طرز مین تحریر کیا۔ جہان شوخی کی ضرورت تھی شوخی۔ اور جہان متانت کی احتیاج تھی متانت کا اضافہ کیا۔ اور کتاب کو بالکل نئی اور اُرِجنل بنا کر ملک کے سامنے پیش کر دیا۔ فقرہ فقرہ پر بیساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ اور جملہ جملہ پر پڑھنے والا توصیف و تعریف مین رطب اللسان ہو جاتا ہے۔ قیمت کامل دو جلد للعہ

خدائی فوجدار

الف لیلہ بطرز ناول دو جلد

انگریزی کی کتاب دائن کوئکساٹ دی لامان کا ترجمہ ہے مگر کم ہونگے وہ لوگ جو اصل کو دیکھین اور اسکے ترجمہ سے قطع نظر کرین۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اِس مین پنڈت رتن ناتھ کی طرز تحریر اور جادو نگاری نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہی۔ اور اسمین وہ رنگ پیدا کر دیا ہی جو اصل مین بھی نہ تھا۔ جناب خدائی فوجدار جو اس قصہ کے ہیرو ہیں۔ حماقت کے مجسمہ۔ بلکہ بیوقوفی کی زندہ تصویر ہیں۔ اول تو انکی حرکتین خود ہی اتنی عجیب و غریب ہیں کہ انکو زندہ پانے کی حالت مین ضرور کسی عجائب خانہ مین بھیجنا چاہیے اسپر سرشار کی جادو نگاری نے نمک مرچ لگا کر اور بھی چٹ پٹا بنا دیا ہی۔ اگر ہزار ناولون کے مقابلہ پر تنہا اس کو رکھا جائے تو بھی شاید ہی کا رنگ غالب رہیگا زیر طبع المشتہر منیجر راجہ رام کمار پریس صنعۂ بکڈپو لکھنؤ